بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ نجد و حجاز

از

مفتی محمد عبد القیوم قادری

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ

لاہور

مکتبہ قادریہ
کراچی

تاریخ نجد و حجاز

از

مفتی محمد عبدالقیوم قادری

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب — تاریخ نجد و حجاز

تصنیف — مفتی محمد عبدالقیوم قادری

کتابت — محمد عاشق حسین ہاشمی

پروف ریڈنگ — حافظ عبدالستار قادری سعیدی

مطبع

[redacted] — Rs 500/-

(ایک ہزار)

[redacted]

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ لاہور۔ فون : 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون : 7225085-7247350

خاکِ حجاز کے نگہبان

ایک بات

مَیں بچپن سے اپنے حواس کے "نقشِ اوّل" کی تلاش میں ہوں۔ اور چونکہ، میرے واسطے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم ہی میرے حواس کے لیے باعثِ وجود ہیں اس لیے محض وہی میرے حواس ہی کا نہیں بلکہ میرے ایمان تک کا نقشِ اوّل بھی ہیں۔

میرا یہ سفر ان لمحات سے جاری ہے کہ جن میں، مَیں غیب گزار کر، اس جہان میں آیا تھا اور اس وقت تک جاری رہے گا کہ جب میں یہ جہان صرف کر کے دوبارہ غیب میں گزر جاؤں گا۔ مگر اپنے حواس کے ازل کو دریافت کرنے کے لیے اس جہان کی بھربھری خاک پر مجھ کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان کی ضرورت ہے تاکہ مجھ پر غائب اور موجود دونوں کے راز وا ہو سکیں۔

کیا کسی چٹیل میدان کی کگر پر یا کسی انجان وادی کے خم پر، کیا اپنے اندر یا باہر، یا پھر اس آئینے کی دھار پر کہ جو اندر اور باہر کو ایک کرتی ہے، مَیں یہ نشان پا سکوں گا؟ اس کی خبر تو اُن نشانات ہی کو ہے۔ مگر تلاش میرا منصب ہے۔ سو تلاش جاری ہے۔

اس ہی تلاش کی ایک لازم کڑی کے طور پر، ۱۳۹۰ھ اور ۱۳۹۱ھ میں مَیں نے حجاز کا سفر اختیار کیا تھا۔ زیرِ نظر مضمون اس ہی سفر کا ایک بیان ہے۔

صلاحُ الدّین محمود

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

ترکوں نے حجاز پر اپنے دورِ حکومت کے دوران رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کے وصال تک کے ہر لمحے سے وابستہ ہر جسمانی، روحانی، تاریخی اور جمالیاتی کیفیت کو آئندہ نسلوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کام ایک غیر شعوری سطح پر تو عہدِ نبوی ہی سے جاری تھا، مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے تھے اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو۔ اس کام کے واسطے جنون کی حد تک رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور انسانی حواس کی حدود تک نفاست اور ذہنی سچائی کی ضرورت تھی۔ یہ رحمت ترک لحن میں موجود تھی اور اسی واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطۂ زمین پر آپ کا نزول ہوا اور آپ کا پہلا قدم پڑا، کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپ کی آواز کا گداز پہلی بار برداشت کیا، کہ جس ہوا کی سہارے پہلے پرندے کی پکار آپ تک آئی اور پھر جس خلا کے خم سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپ کو اور آپ نے پہلی بار ان کو دیکھا، کہ جہاں جہاں آپ کی بینائی میں نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور جس جس طور آپ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان کی دوہری حرکت کو واحد کر کے اپنے لہو میں سمویا، کہ یہ قد آور لمحے، گوشے، پیچیدہ ہوا اور بینائی، صدا اور شنوائی کے نقشِ اول محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نہیں بلکہ آتی دنیا تک ہر نئے کلمہ گو کے لہو کا اول، ازلی، آبائی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا، سو ان تمام چیزوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے انہوں نے

پنپ پاکر اس بڑے ہوتے بچے میں جو سعد کی خصلت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا مگر سب سے پہلے انہوں نے مدینہ منورہ میں اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں مرنے سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دُور بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے، ایک شام، چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی کو بیوہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے مر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک پہاڑی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا تھا کہ جس کی پہلی منزل پر شمال کی جانب قائم ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں کہ جہاں چار آئینوں کی اوٹ میں چار سمتیں ملتی تھیں، ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی، ظہور میں آیا تھا۔ پھر اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محنت اور سورج سے کملائے ہاتھوں سے اپنی ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس ضعیف انسان نے چادر میں لپٹے ہوئے نوزائیدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی جانب بلند کیا تھا اور دُعا کی تھی کہ اے خالقِ کائنات اس بچے پر رحم فرما اس واسطے کہ یہ بے آسرا اور یتیم ہے۔ ترکوں نے اس شمالی کمرے، اس آبائی پگڈنڈی اور اس دُعا کے مقام کا بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے نشان چھوڑا تھا۔

پھر انہوں نے پیلی رنگوں کے سیاہ پہاڑوں اور اکثر اوقات خاموش ریگستان کے سنگم پر قائم اس جگہ کو بھی دریافت کر کے محفوظ کیا تھا کہ جہاں اس دعا کے کوئی چھ برس بعد اپنے جواں مرگ خاوند کی قبر سے واپسی پر اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے پکڑے جب اس کم سن خاتون نے ایک رات کے واسطے پڑاؤ کیا تھا، تو وفات پائی تھی۔

اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ کہ جس سے اب آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو رہا تھا، آخری بار دیکھا تھا اور پھر اپنی ماں کو اپنے کچے کچے ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر قافلے کے ساتھ اپنے مقدر کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں نے اپنی

مثالی درستگی، سادگی، صفائی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والوں کو آگاہی ہو کہ معصوم دلوں کی اکیل بنتی ہے کہ جوان کو وحدت کا ہمراز بناتی ہے۔

ان کا اگلا قدم اس راستے کا تعین کرنا تھا کہ جس پر اس واقعے کے تین برس بعد یہ بچہ ایک ضعیف میت کے ساتھ ساتھ چارپائی کا پایا پکڑ کر سب کے سامنے بلک بلک کر روتا ہوا چلا تھا۔ اس کو شاید احساس تھا کہ آج کے بعد اس کی اکیل کائناتی وحدت کی اکیل ہے اور آج کے بعد شاید وہ کبھی کھل کر رو بھی نہ سکے گا ——— غرض یہ کہ ترکوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کے وصال تک کے واقعات کو آنے والی نسلوں کے تاریخی، جمالیاتی اور ایمانی شعور کے واسطے درستگی اور سادگی کے ساتھ محفوظ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا تھا، اس میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ آپ کے بچپن سے جوانی تک کی سمتوں کا تعین کرنے کے بعد انہوں نے غارِ حرا کی چوٹی سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر اس اونچے پہاڑ کی نشیبی وادی میں قائم شہر کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے کا تعین کیا کہ جہاں حیرت پرے سے اپنے نام کی پکار سننے کے بعد واپس آکر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تھا اور جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ پر اپنے مکمل اعتماد سے آپ کو اس حد تک حوصلہ دیا تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں قیام کریں گے، تو آپ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے ساتھ آپ کا خیمہ نصب کیا جائے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر کہ آخر ایک قبر کے کنارے ایک قبرستان میں کیوں؟ آپ نے فرمایا تھا،

"جب میں غریب تھا، تو اس نے مجھ کو مالا مال کیا۔ جب انہوں نے مجھ کو جھوٹا ٹھہرایا، تو صرف اس ہی نے مجھ پر اعتماد کیا اور جب سارا جہان میرے خلاف تھا، تو صرف اس اکیلی ہی کی وفا میرے ساتھ تھی۔"

ترکوں کے ماہرین نے پہلے اس گھر کا پھر اس گھر میں اس کمرے کا تعین کیا کہ جہاں مکمل اعتماد کا یہ بنیادی لمحہ گذرا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ

ہو کر اس کمرے اور اس کمرے کے بارے میں کہ جہاں آپ کا ظہور ہوا تھا، عثمانی حکومت کی جانب سے جو جاری احکامات تھے، وہ کیا تھے؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے کمرے کے بارے میں جاری حکم تھا کہ ہر بار رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس میں سفیدی کی جائے اور پھر فجر کی اذان تک خواتین بآوازِ بلند قرآن کی تلاوت کریں، جبکہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں واقع اس شمالی کمرے کے بارے میں احکامات یہ تھے کہ پہلی ربیع الاوّل کو کمرے کے اندر سفیدی رنگ کیا جائے، رنگ ساز حافظِ قرآن ہوں اور پھر ربیع الاوّل کی اس رات کہ جب آپ کا ظہور ہوا، معصوم بچے اس کمرے کے اندر آئیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم اور رواج تھا۔۔

سو جہاں انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان اور مقبرے کا تعین کیا، وہاں انہوں نے بنوارقم کی بیٹھک کو محفوظ، ورقہ بن نوفل کی دہلیز کو پختہ اور حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے آنگن کی نشاندہی بھی کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکے اور مدینے میں قائم ان ازلی قبرستانوں کو کہ جن میں خانوادۂ رسول کے بیشتر افراد، اصحاب کرام اور ان کے خاندان اور چیدہ ترین بزرگانِ دین قیامت کے منتظر سوتے تھے، صاف ستھرا اور پاک کروایا اور پھر نہایت ہی سلیقے سے قبروں کی نشان دہی کر کے مکمل نقشے مرتب کروائے۔

ان تمام کارروائیوں میں ترکوں کا طریقہ کار بہت مؤثر اور یکتا ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ترک حجاز پہنچے، تو مسجد بلال جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک پہاڑ پر واقع ہے، صدیوں کی غفلت کی وجہ سے تقریباً مٹی اور پتھر کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس چھوٹی سی مسجد کو اس کے اصلی خطوط پر دوبارہ تعمیر کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ یہ تھا۔ پہلے تمام مٹی کو الگ کر لیا گیا اور پھر تمام چونے کو اور اس کے بعد تمام اصلی پتھروں کو۔ اس کے بعد مٹی اور چونے کو پیس کر اور نہایت ہی باریک چھلنیوں سے چھان کر الگ الگ تیار کر لیا گیا۔ بجھے ہوئے چونے کا کیمیائی تجزیہ کر کے اس کے اجزاء معلوم کیے گئے، پھر ان اجزاء کے اصلی اور

پرانے ماخذ دریافت کرنے کے بعد ایک ہی ماخذ کے نئے اور پرانے چونے کو ملا کر اور مزید طاقتور بنا کر چنائی کے واسطے استعمال کیا گیا۔ پتھر بھی اپنی تراش، کیفیت اور ساخت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تقریباً اُسی طرح اور اُسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہدِ نبوی کے فوراً بعد نصب ہوئے تھے۔ اس طرح وہی مٹی، وہی گارا اور وہی چونا اور وہی پتھر بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیرِ اوّل میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہو گئی اور اپنے اصلی اور اوّل خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقۂ کار کی محض ایک اور قدرے معمولی مثال ہے۔

جب ۵۳ برس مکے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر وہیں لے آئی کہ جہاں وہ ۵۳ گردشوں پہلے تھا تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا تھا اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا رُخ کیا تھا۔ سو ترک بھی اس آبائی راستے پر چل نکلے تھے۔ غارِ ثور کو انہوں نے کچھ نہ کہا اور یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو اس کے جالے صاف کریں اور نہ ہی کبوتروں کے صدیوں پرانے گھونسلوں کے جھاڑ جھنکاڑ کو کاٹیں یا ہٹائیں۔ غارِ ثور کو انہوں نے مکڑیوں اور کبوتروں کے سپرد ہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غارِ حرا تک کی نہایت ہی مشکل چڑھائی کو بھی انہوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی تاکہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا کہ دو تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناند بنا دی تاکہ بارش کا پانی کبھی کبھی جمع ہو سکے اور بچے، بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران پیاس بجھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم بنو نجار کی کچی بستی تک ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پر پہنچے تو بنو نجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کھچے لوگوں کو تلاش کیا اور سینہ بہ سینہ محفوظ ان کے لوک گیتوں کو پہلی بار قلم بند کر کے باقاعدہ محفوظ کیا۔ مسجدِ قبا کو نہایت ہی ہنر سے بحال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنوئیں کی منڈیر پر بھی سستانے کو

بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور جس کے آپ کو دیکھ کر آپ سے آپ اونچے ہوتے پانی میں آپ نے اپنے چہرے کا شفاف عکس دیکھ کر پہلے ایک لمحہ توقف اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب راستہ مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اُس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپ کی آمد سے کوئی ۵۲ برس پہلے، ایک شام مرنے سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور اپنے بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے لیے چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، خوبصورت اور حسن مکھ بیوی اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کے اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے مر گیا تھا۔

ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبوی کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا۔

مسجد نبوی کی تعمیر بھی ایمان، ہنرمندی، پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب اور انوکھی داستان ہے۔

پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کائناتی اور انسانی حدود سے ماورا طاقتوں کے بس کا عمل تھا اور وہ محض انسان تھے۔ مگر جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سہارے انہوں نے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں نے اپنی وسیع سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علوم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، چین، وسطی ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، یونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں اور نہ جانے عالم اسلام کے کس کس کونے اور کس کس چپے سے نقشہ نویس، معمار، سنگ تراش، بنیادیں زمین کی زندگیوں تک اتارنے کے ماہر، چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلق کرنے کے ہنرمند، خطاط، پچی کار، شیشہ گر اور شیشہ ساز، کیمیاگر، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین فلکیات، ہواؤں کے رُخ

ہر عمارتوں کی دھار کو بٹھانے کے ہنرمند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ علوم کے ماہرین، اساتذہ، پیشہ ور اور ہنرمندوں نے دُنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس ازلی بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بہت دور، ایک چٹیل ریگستان میں جنت کی کیاری کے کنارے، ان کے رسول کی قیام گاہ پر تعمیر ہونی تھی اور وہ اور ان کے ہنر اب ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک امید تھی، مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیاری اور مکمل اطاعت پر ان تک کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ بہرکیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً ہر شاخ، اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی اور حکومت کے اہل کار اپنی حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہل کاروں اور سفیروں کو یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے ہمراہ ان کے اہل و عیال کو، اگر وہ چاہیں، تو قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطانِ وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ باہر میدانوں میں ایک خود کفیل اور کشادہ بستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہوئے، تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس عمل میں کوئی پندرہ برس گزر گئے، مگر اب یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے ہیں۔ اب خود سلطانِ وقت اس نئی بستی میں گیا اور اس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا۔ ہر ہنرمند اپنے سب سے ہونہار بچے یا، بچوں (اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے اور اس بچے کے جوان

ہو کر پختہ عمر تک پہنچنے تک اس کے بدن اور ذہن میں اپنا مکمل فن منتقل کر دے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن کریم پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کروائیں۔ ساتھ ساتھ بچہ شہ سواری بھی سیکھے۔ اس تمام تعلیم، تربیت اور تیاری کے واسطے پچیس برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر، محنت، محبت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

چنانچہ پچیس برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشوونما پاکر تیار ہو گئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور نیک اطوار نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ جو محض اپنے اپنے آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکتا اور عنقا نہیں تھے بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حافظِ قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شہسوار بھی تھا۔ بچپن کے لمحۂ اول سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز کہیں، بہت دور، ایک چٹیل ریگستان میں، جنت کی کیاری کے کنارے اپنے رسول کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلانِ اول سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے، اور مسجدِ نبوی کے معمار، جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنرمندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے ساز و سامان اکٹھا کرنے میں ایک خاص قرینے کے ساتھ مصروف تھے۔ حکومت کے شعبۂ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رنگ و ریشے کے پتھر کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کی جائے وقوع کو اس حد تک صیغۂ راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجدِ نبوی

میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور ان چھوئے جنگل دریافت کیے گئے اور ان کو کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان تلے موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالمِ اسلام میں اُگنے والے درختوں اور خاکی و آبی پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کیے اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے حجاز ہی کی ریت استعمال کی۔ پچی کاری کے قلم ایران سے بن کر آئے، جبکہ خطاطی کے واسطے نیزے دریائے جمنا اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اگائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت تیار ہوئی، ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان بمع ہنرمندوں کی جماعت کے، نہایت ہی احتیاط سے پہلے خشکی، پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دیا گیا کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دُور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کے تعمیر کے دوران رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہونی تھی، تو پھر ساز و سامان مدینے ہی میں رکھا جاتا۔ آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دور کیوں؟ اس کی وجہ ترک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بہت بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جسامت کے ہزاروں پتھر کاٹے جانے تھے، بڑے بڑے مچان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کا بے حد امکان تھا، جبکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرہ برابر بھی کوئی شور نہ ہو اور جس فضا نے ہمارے رسول کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سُنی ہوئی تھی، وہ اپنی حیا، سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام کہ جس میں ذرا بھی شور کا امکان تھا، مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چنائی کے دوران کسی پتھر

کی کٹائی ضرا زیادہ ثابت ہوئی یا کوئی مچان یا جنگلا چھوٹا یا بڑا پڑا، تو اس کو عجلت میں ٹھوک بجا کر وہیں رسول کے سرہانے ٹھیک نہ کیا گیا، بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور درست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات کیا تھے۔ بھاری بوجھ نہایت سُست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔

سو جبکہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا اور پھر پانچ سو کے لگ بھگ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اسی بستی میں آن کر سکونت پالی، تو سب کچھ اب اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنے تخلیقی عمل میں یہ فنکار و ہنرمند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیئے گئے۔ اوّل یہ کہ تعمیر کے لمحۂ اوّل سے لے کر لمحۂ تکمیل تک اس جماعت کا ہر ہنرمند اپنے کام کے دوران باوضو رہے اور دوم یہ کہ اس دوران وہ ہر لمحہ تلاوتِ قرآن جاری رکھے۔

سو باوضو حافظِ قرآن ہنرمندوں کی یہ جماعت پورے پندرہ برس تک مسجدِ نبوی کی تعمیر میں مصروف رہی اور پھر ایک صبح آئی کہ مسجدِ نبوی کے خلائی نشان کی چوٹی سے فجر کی اذان نے، زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اگی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کیسی ہے، کیا ہے، کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے، یہ اس کے بارے میں تو الگ کتاب لکھوں گا۔ یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو تو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے۔ اپنے آپ سے باہر قدم دھر کے اس کو دیکھو تو کہیں اور، اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر، خلا، ہوا، آواز، لحن، نیت، ایمان اور نور نے مل کر صبر کی ایک نئی بنت کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ کے دھاگے ہیں تو ان کی بُنت میں بنے رنگ کا دھاگا اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بنت کو محض معنی ہی نہیں دیتا،

بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور مخفی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرتا ہے اور اوقات کے اس مرکز سے ہم کو اپنے رسول کی آوازیں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور آزاد بھی کہ جیسے آواز پرندہ بھی ہو اور لہو بھی کہ اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اُگے تو کبھی نور کی وادیوں میں اندھیرا خود ایک شجر ہو کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو، بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ سو جب ریاض الجنۃ میں اس خلا کے خم پر اپنے رسول کے سرھانے بیٹھو تو کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور قربت کی کیا حدود۔ اور پھر وہ بے نام ہنرمند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسول کے واسطے تھا کہ جنہوں نے اس چٹیل میدان میں اس جنت کی کیاری کے کنارے اپنے رسول کی قیام گاہ کی حیا، سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے خم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں محض ان کا ہنر ہی نہیں، بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے اور پھر ترکوں کے واسطے دُعا ہمارے پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

(۲)

پھر کئی صدیاں بیت گئیں۔

اندرونی سازشوں اور بیرونی قوتوں کے دباؤ کے تحت پرانی حکومتیں کمزور اور نئی حکومتیں اور طاقتیں ظہور میں آتی رہیں۔ پھر جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا، تو پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس جنگ میں عثمانی حکومت نے انگریز، فرانسیسی اور اطالوی طاقتوں کے خلاف جرمن قوم کا ساتھ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں ترک جرمن محاذ کو شکست ہوئی اور فتح پانے والوں نے جہاں جرمنی کے ٹکڑے کر کے شکست کے ساتھ ساتھ اس کے اجتماعی وقار کو خاک میں ملایا، وہاں ترکمانی ناموس بھی خون کے ساتھ ساتھ بہہ کر خاک میں شامل ہو گیا اور عثمانی حکومت کی کشادہ حدود بھی فاتح ٹولے کے تصرف میں آ گئیں۔ اپنی نوآبادیاتی خواہشات کو آگے بڑھانے کے واسطے اس فاتح ٹولے نے عثمانی سلطنت کے خطوں پر حکومت کرنے کے دو طریقے رائج کیے۔ پہلا طریقہ براہِ راست حکومت تھا اور جہاں براہِ راست حکومت ممکن نہ تھی۔ وہاں ایک خاص منصوبے کے

تحت ایسے قبیلوں، سیاسی جماعتوں یا افراد کو سہارا یا طاقت دینا طے پایا تھا کہ جن کی وساطت سے محض دائرۂ اثر ہی کو قائم نہ رکھا جا سکے، بلکہ ہو سکے تو ملّتِ اسلامیہ میں مزید انتشار اور کشیدگی بھی پھیلائی جا سکے۔

ترکوں کی جنگِ عظیم میں شکست کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں جن طاقتوں نے علاقائی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر کھلم کھلا ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے تھے، ان میں صوبہ نجد کے ایک پیشہ ور باغیوں کا سعود نامی قبیلہ بھی شامل تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران ہی یہ لوگ ایک خفیہ معاہدے کے تحت انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے انگریز یہ چاہتا تھا کہ جنگِ عظیم کے دوران یہ قبیلہ اپنی بغاوتوں، حملوں، جنگوں اور چھاپوں وغیرہ سے ترکوں کو اتنا تنگ کیے اور بر سرِ پیکار رکھے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں انگریز حملہ آوروں کی طرف پوری طرح دھیان نہ دے سکیں۔ اس کے عوض انگریز نے عہد کیا تھا کہ اگر وہ جنگ جیت گیا تو وہ پہلے نجد اور پھر جزیرہ نمائے عرب پر اس نجدی قبیلے کا تسلط قائم کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ مگر یہ انگریز کا عہد تھا جو کہ کم از کم دو طرفہ تو ضرور ہوتا ہے۔ سو یہی عہد انہوں نے حجاز کے حسینی قبیلے سے بھی کیا ہوا تھا۔ بس جو چیز دونوں عہد ناموں میں مشترک تھی، وہ تھی ترکوں کی شکست اور جزیرہ نمائے عرب سے انخلاء۔

بہر کیف ترکوں کی ہار کے بعد ان فاتح طاقتوں (اور بعد میں امریکہ) کے ایماء و امداد پر سعودیوں نے اپنے علاقائی حریفوں کو آخر کار شکست دے کر ۱۹۲۱ء میں صوبہ نجد پر اپنی عملداری اور بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ عالمی جنگ کے اختتام پر ہی ترکوں نے حجاز کا نظام حجاز کے سربراہ قبیلے کے سردار کے سپرد کر کے اپنی فوجیں حجاز سے واپس بلا لی تھیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جنگ میں شکست کے بعد وہ حجاز میں اپنی حکومت صرف فوجی طاقت کے ذریعے قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی حملے کی صورت میں خاکِ حجاز پر لہو بہانا لازم ہو جائے گا اور خدانخواستہ مکے اور مدینے میں گولی چلانی لازمی ہو جائے گی۔ یہ کیفیت ترک لحن اور خصلت

کے بالکل برعکس تھی۔ سو کچھ عرصہ سوچ بچار کے بعد حجاز کے ترک گورنر کا حکم ہوا تھا اور ترکوں نے خانۂ کعبہ کے گرد آخری طواف کر کے مسجدِ نبوی کی دہلیز کو آخری بار چوما تھا اور خاکِ حجاز سے ہمیشہ کے واسطے چلے گئے تھے۔

اب اہلِ نجد اور اہلِ حجاز دونوں جزیرہ نمائے عرب کی بادشاہت کے خواہاں تھے اور دونوں کو انگریز کی حمایت حاصل تھی۔

اس سیاسی خلا کو سعودیوں نے پُر کیا اور ۱۹۲۴ء میں مکے پر اور ۱۹۲۵ء میں مدینے اور جدے پر قبضہ جمانے کے بعد اس نجدی قبیلے کے سردار نے ۱۹۲۶ء میں نجد و حجاز کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہاں سے حجاز پر سعودیوں کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور ابھی تک جاری ہے۔
آخر یہ سعودی کون ہیں؟

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے جزیرہ نمائے عرب کے ایک مشرقی صوبے نجد سے ان کا تعلق ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتوں میں جس قبیلے نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر آپ کے وصال کے فوراً بعد ہی جو قبیلہ اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، وہ یہی سعودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان ہی کی سرکوبی کے واسطے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ نجد روانہ کیا تھا اور ایک جنگ میں مکمل شکست پانے کے بعد ان میں سے کچھ پھر سے اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کے آثار ایک کھنڈر کی صورت میں ابھی تک قائم ہیں۔

نسبیات کے جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ مسیلمہ بن کذاب کا تعلق بھی اسی قبیلے یا اس قبیلے کی ایک مرکزی شاخ سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حیثیت ناک بات غلط ہو، مگر حجاز میں اقتدار سنبھالتے ہی جو بد سلوکی انہوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ تاریخی، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشانات کے ساتھ کی ہے۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا

ہے کہ علمِ نفسیات کے ماہرین کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔

پھر اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ایک شخص محمد ابن عبد الوہاب نے انہی میں سر اٹھایا ان کی بلا سوچے سمجھے کاٹنے والی تلوار کو اس کی تقریر کی سہار ملی اور اس کی تقریر کو کہ جس پر بیمار دماغ کی بڑ سمجھ کر کوئی کان نہ دھرتا تھا، ان کی تلوار اور شاطرانہ خصلت کی سہارے سے طاقت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ اٹھارھویں صدی کے وسط تک محمد ابن عبد الوہاب اور اس کے سعودی سرپرست کی اتنی ہمت ہوئی کہ ان دونوں نے مل کر عالمِ اسلام کے ہر بادشاہ اور فرماں روا کو خطوط بھیجے۔ ان خطوط میں اور باتوں کے بعد ٹیپ کے بند کے طور پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

[redacted]

آج تک سعودی لہو کی خصلت یہی ہے۔

سو حجاز پر قبضہ جمانے کے فوراً بعد ہی جو سب سے پہلا کام سعودیوں نے کیا تھا وہ حجاز کے طول و عرض سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو محو کرنے کا تھا۔ مسجدِ نبوی، خانہ کعبہ کی مسجد اور اس کے علاوہ جہاں جہاں اور جس جس عمارت اور مسجد پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہایت ہی فن اور محبت سے جا بجا کندہ تھا اس کو نہایت ہی بھونڈے پن سے مٹا دیا گیا۔ ایمان، محبت، فنِ خطاطی اور دیگر فنونِ لطیفہ کے ان نادر نمونوں پر کہیں تارکول پھیر دیا گیا اور کہیں ان پر پلستر تھوپ دیا گیا۔ اکثر اوقات لوہے کی چھینی اور ہتھوڑے کا استعمال بھی کیا گیا۔ اس بے مثال گستاخی اور وندالیت کے نشانات آج تک حجاز کے طول و عرض میں اور خاص طور پر خانہ کعبہ کی پرانی مسجد اور مسجدِ نبوی کے در و دیوار پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹانے کے بعد سعودیوں نے ایک باقاعدہ نظام کے تحت حیاتِ طیبہ سے منسلک تقریباً ہر تاریخی، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشان

کو اپنی ذہنی تلمت اور قلیل ترعقیدے کا ہدف بنایا۔

جنت الاولیٰ اور جنت البقیع کے قبرستان کہ جن کی مٹھی بھری خاک میں حضرت عبدالمطلب، ابوطالب، ورقہ بن نوفل، حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عباسؓ، حضرتِ حلیمہ سعدیہؓ، امہات المومنینؓ، آپ کی صاحبزادیاں، آپ کے صاحبزادگان اور خانوادۂ رسول کے دیگر افراد، اصحاب کرام اور اُن کے پورے پورے خاندان، مشائخ وصوفیائے کرام، نامورانِ اسلام اور دو جہانوں کی چہار سمتوں سے محبت اور ایمان کی خاطر آئے ہوئے ان گنت گمنام مسلمان سکون اور شائستگی سے سوتے تھے، لوہے کے مشینی ہل چلا کر کھود ڈالے گئے اور پھر پٹیلا پھروا کر برابر کروا دیے گئے بعد میں جنت البقیع کے سامنے سڑک کے پار قائم شہدائے کرام کے مزار سڑک کو چوڑا کروانے کی نذر ہوئے اور حضرتِ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے مزار اور تابوت کو ایک بازار کی توسیع کے دوران راتوں رات غائب کروا دیا گیا۔ نہ ابوطالب کا محلہ رہا، نہ ورقہ بن نوفل کی دہلیز، نہ ارقم بانی کا آنگن رہا اور نہ ہی بنوارقم کی بیٹھک کی کوئی چیز۔ اس ٹیلے پر کہ جہاں ابوطالب کا محلہ تھا، ایک بلّھوتی کی حد تک جدید، متعدد منزلوں کی عمارت کھڑی ہے۔ ورقہ بن نوفل کا مکان، ایک کپڑے کے بازار کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ دارارقم کی جگہ کرائے کی موٹر گاڑیوں کا اڈہ ہے اور رہا ارقم بانی کا گھر کہ جس کے آنگن میں دو وقت مل کر ایک ہوگئے تھے، تو وہ مسجدِ حرم کی "توسیع" کے دوران مٹ کر بے نشان ہو چکا ہے۔

جب حضرت عبدالمطلب کی قبر ہی نہ رہی، تو اس تک جاتا وہ راستہ بھی نہ رہا کہ جس پر نو برس کا ایک بچہ آخری بار گزرا تھا اور نہ ہی وہ پگڈنڈی رہی کہ جس پر ایک ضعیف انسان اپنی چادر میں ایک نوزائیدہ بچے کو لپیٹ کر لے چلا تھا۔ ہاں! اس بے وضع عمارت کے سائے میں کہ جو ابوطالب کے محلے کو کھود کر بنائی گئی ہے۔ ایک گھر اور اس کا وہ شمالی کمرہ کہ جس میں چہار آمنوں کی اوٹ میں کبھی چہار ستیں ملی تھیں، ابھی تک بمشکل موجود ہے۔ مگر اس کمرے میں عرصے سے سفیدی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی تیسرے چاند کے بارہویں دن

معصوم بچے تلاوت کرنے اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کمرے کے شمال کی جانب ایک روشن دان ضرور موجود ہے مگر اس سے اب آپ شمال کا ستارہ نہیں دیکھ سکتے کہ متعدد منزلوں کی وہ بد وضع عمارت کہ جو شاید کہیں اور بن سکتی تھی راستے میں حائل ہے اور یہ پرندے تو ان کے آزاد کرنے کا رواج تو اس شہر میں کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔

اور ہاں اگر آپ اس گھر میں کہ جس میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا، دو نفل شکرانے کے ادا کرنا چاہیں تو ایک ہنٹر بردار آپ کو روک دے گا۔ اس واسطے کہ اس کے احساس کے آقاؤں کے نزدیک اس عظیم ترین رحمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا شرک ہے۔

یہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے گھر اور اس کمرے کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ جہاں اعتماد کا ایک بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ وہ کمرہ اور گھر بھی نصف صدی سے حافظ قرآن رنگ سازوں کا انتظار کرتے کرتے اب ایک صرافہ بازار سے گھر چکے ہیں۔

ہجرت کے راستے کا نشان تک مٹ چکا ہے۔ نئی حکومت نے مکے سے مدینے تک جانے کا نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ راستہ مکے سے مقام بدر تک سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اور وہی ہے کہ جس سے ابوسفیان، لشکر اسلام کی روانگی کی خبر سن کر اپنے قافلے کو بچا کر مکے کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

مدینے پہنچتے ہی انسان مسجد قبا کا رُخ کرتا ہے کہ جس کے سامنے والے احاطے میں وہ نہایت قدیم کنواں تھا کہ جس کے پانی نے آپ کا رُخ مبارک دیکھا تھا، مگر چند برس ہوئے اس کنوئیں کو بھی پتھر کی بڑی بڑی سلیں رکھ کر بند کیا جا چکا ہے۔ استفسار پر نہایت ہی خشکی کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مشینی پمپ ایجاد ہو چکے ہیں، اس واسطے اب اس کنوئیں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

جب شکست و ریخت کا یہ وحشت ناک عمل شروع ہوا تھا، تو سربراہ قبیلے کے سردار نے ترکوں کی بنائی ہوئی گنبد خضرا والی مسجد نبوی ﷺ کو گنبد خضرا سمیت منہدم کرنے کا اعلان کیا

تھا۔ پھر بہت بڑی بڑی اور اپنے وقتوں کی طاقتور ترین مشینیں منگوائی گئی تھیں اور پھر ایک کونے کے ستون سے شروعات کی گئی تھی۔ دو ماہ تک یہ مشینیں اپنی پوری طاقت سے اس ایک ستون سے ٹکرا ٹکرا کر اس کو گرانے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہی تھیں، مگر یہ ستون قدہ برابر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا۔ آخر اس کی جڑوں کو تو باوضو حافظِ قرآن ہنرمندوں کے ایمان، عشق اور نیت کے پسینے نے تھاما ہوا تھا، یہ کیسے اپنی جگہ سے ہلتا۔ جب طاقتور ترین مشینوں کی دو ماہ تک مسلسل کوشش کے باوجود ایک ستون بھی اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہل سکا تھا، تو مسجدِ نبوی کو منہدم کرنے کی یہ وحشت ناک کوشش طوعاً و کرہاً روک دی گئی تھی۔ مسجدِ نبوی کے اس ستون پر اس عمل کے نشانات آج تک موجود ہیں۔

سو اب کس کس دکھ کا بیان کروں۔ کسی نقشِ اول کو عقیدے کی قلت نے مٹایا، تو کسی کو دل کی قلت نے، اور جو نقوش ان دونوں کی گرفت میں نہ آسکے، ان کو بے اعتنائی اور جمالیاتی حس کے فقدان نے۔

اگر کبھی برسرِ اقتدار لوگوں سے اس شکست و ریخت کے عمل کے بارے میں پوچھو تو اول تو اس برصغیر کے مجبت کے مارے مسلمانوں کو اس لائق ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کو کوئی جواب دیا جائے۔ اگر کوئی مجبور کرے، تو پھر دو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی "توسیع" اور "شرک" کیا توسیع اس انداز، حوصلے اور قرینے کے ساتھ نہ کی جا سکتی تھی کہ جس طرح ترکوں نے کی؟ اور کیا شرک کو مٹانے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی باوفا بڑیوں کے نشان کو مٹا دیا جائے۔۔۔؟

صلاح الدین محمود

(یہ مضمون صلاح الدین محمود کے سفرنامۂ حجاز "نقشِ اول کی تلاش" کا ایک اپنی جگہ مکمل باب ہے۔ یہ سفر ۱۳۹۰ھ اور ۱۳۹۱ھ میں اختیار کیا گیا)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
انتساب	
معروضات	۱۵
پہلا باب	
شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی	۲۱
شیخ نجدی کے والد	۲۴
شیخ نجدی کے بھائی	۲۸
شیخ نجدی کی ولادت اور جائے پیدائش	۲۹
شیخ نجدی کی تعلیم وتربیت	۳۲
جزیرہ عرب میں بت پرستی کا دعویٰ	۳۷
شیخ نجدی میدان عمل میں	۳۹
تکفیر مسلمین اور قتل عام	۴۱
مزارات صحابہ کا مسمار کرنا	۴۵
شیخ نجدی کا محمد بن سعود سے رابطہ	۴۸
دعوت شیخ نجدی بزور شمشیر اشاعت	۴۹
امیر الحسا کی ابن سعود سے جنگ	۵۰
طاقت اور پیسہ کے زور سے وہابیت کی اشاعت	۵۱
وہابیت کے فروغ کے ظالمانہ ہتھکنڈے	۵۳
ستم بالائے ستم	۵۴
سعود کے ہاتھوں مزارات کا انہدام	۵۵
محمد بن سعود کا انتقال	۵۷
کربلا میں وہابیہ کے مظالم کی تفصیل	۵۷
عبدالعزیز بن سعود کی حکومت کا خلاصہ	۶۰
سعود بن عبدالعزیز	۶۱
شیخ نجدی کی موت	۶۲
شوکانی کا مرثیہ	۶۳
دوسرا باب	
شیخ نجدی کی دعوت اور اس کی حقیقت	۶۵
توسل	۶۷
توسل میں مسلمانوں اور کفار کا فرق	۶۹
انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ الوہیت میں وجاہت	

	صفحہ
بالعطاء انبیاء کو نفع اور ضرر کی طاقت کا حصول	۷۴
توسل کا ثبوت احادیث سے	۷۹
شفاعت	۸۱
شفاعت میں شیخ نجدی کا موقف اور اس کا اعلان	۸۲
اہل اسلام کا شفاعت میں مسلک	۸۷
اللہ تعالیٰ کا حکم شفاعت	۸۹
شفاعت کو طلب کرنا	۹۰
انبیاء اور اولیاء کی تعظیم اور ان کے قرب کا حصول	۹۷
استمداد اور استغاثہ	۹۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ	۱۰۰
حال قیومیت میں استغاثہ	۱۰۲
قدرت اور عدم قدرت میں مغالطہ	۱۰۳
سیدہ میمونہ کی قبر سے استغاثہ	۱۰۴
تیسرا باب	
شیخ نجدی کے بارے عالم اسلام کے تاثرات	۱۰۷
شیخ سلیمان بن عبد الوہاب	۱۰۹
توحید و رسالت کی گواہی سے تکفیر مسلمین کا رد	۱۱۱
سجدہ کی بنا پر تکفیر کا رد	۱۱۲
تکفیر مسلمین کے رد پر پہلی حدیث	۱۱۳
تکفیر مسلمین کے رد پر دوسری حدیث	۱۱۵
تکفیر مسلمین کے رد پر تیسری حدیث	۱۱۹
تکفیر مسلمین کے رد پر چوتھی حدیث	۱۲۲
تکفیر مسلمین کے رد پر پانچویں حدیث	۱۲۳
تکفیر مسلمین کے رد پر چھٹی حدیث	۱۲۷
علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۸
سید احمد زینی دحلان مکی شافعی	۱۲۹
محمد بن عبد الوہاب کا ظہور	۱۳۲
شیخ نجدی کے اتباع کا علماء حرمین سے مناظرہ اور شکست	۱۳۲
نجدیوں کا حرمین پر قبضہ	۱۳۳
شیخ نجدی کی گمراہی کی ابتداء	۱۳۷
تنقیص رسالت میں شیخ نجدی کی دیدہ دلیری	۱۴۱
محمد بن سعود کی بدعقیدگی میں غلو	۱۴۳
مسلمانوں کے اعتراضات سے شیخ نجدی کا لاجواب ہونا	۱۴۵
شیخ نجدی کی گمراہی کی بین مثال	۱۴۷
احادیث رسول سے شیخ نجدی کی	

صفحہ

گمراہی کی تعیین ۱۴۹
جلاء الظلام کا خلاصہ ۱۵۲
علامہ جمیل آفندی عراقی ۱۵۵
شیخ نجدی کے ابتدائی حالات ۱۵۷
بدعقیدگی کی جانب پہلا قدم ۱۵۷
بدعقیدگی کی انتہا ۱۵۸
محمد بن سعود سے گٹھ جوڑ ۱۵۹
شیخ نجدی کی علم اور علماء سے عداوت ۱۶۱
وہابیہ کے لرزہ خیز مظالم ۱۶۲
ابوحامد بن مرزوق ۱۶۳
شیخ نجدی کے عقائد ۱۶۴
انور شاہ کشمیری ۱۶۶
حسین احمد مدنی ۱۶۶
خلیل احمد انبیٹھوی ۱۷۰
نواب صدیق حسن بھوپالی ۱۷۱
[redacted] ۱۷۲
شیخ نجدی کا رد کرنے والے علماء کی اجمالی فہرست ۱۷۷

چوتھا باب

وہابیہ کا دور اول ۱۸۳
حرم مدینہ کی بے حرمتی ۱۸۳
حرم مکہ کی بے حرمتی ۱۸۴
سعود بن عبدالعزیز کی فتوحات ۱۸۷
خلافت عثمانیہ کا اقدام ۱۸۸
وہابیہ کا دور ثانی ۱۹۵

پانچواں باب

وہابیہ کا دور ثالث ۲۰۱
جنگ عظیم، سعودی حکومت کا کردار ۲۱۲
جنگ کے دوران وہابیہ کے مظالم ۲۱۳
جنگ طائف کے خونی واقعات ۲۱۴
جنگ کے دوران وہابیوں کے مکہ اور مدینہ پر مظالم ۲۱۷
مدینہ منورہ کی بے حرمتی ۲۱۸
ابن سعود کی ترکوں سے مخاصمت ۲۱۹
شریف حسین اور ابن سعود کی غداری ۲۲۱
غدار ابن سعود کی سیاسی کہانی ۲۲۳
وہابیوں کا خروج ۲۲۴
انگریزوں سے دوستی ترکوں سے جنگ ۲۲۶
حکومت برطانیہ کی کارگزاری ۲۲۷
اشرفیوں کی تھیلی ۲۲۸
ساٹھ ہزار پونڈ کی سالانہ رشوت ۲۲۹

	صفحہ
وہابیوں کی صلیبی لڑائیاں	۲۳۰
برطانیہ کا پٹھو ابن سعود	۲۳۱
نجدیوں کی مذہبی کمائی	۲۳۲
نبی کریم سے توسل ناجائز	۲۳۳
اسئالک بانبیائک کہنا بھی مکروہ	۲۳۳
نبی کریم سے طلب شفاعت حرام	۲۳۳
کفری ٹکسال کے نئے نئے سکے	۲۳۴
ہاتھی کے دانت	۲۳۵
نجدی توحید کی کرشمہ سازیاں	۲۳۶
مصنف قصیدۂ بردہ پر کفر کا فتویٰ	۲۳۷
نجد میں نئی شریعت	۲۳۸
ایک غور طلب نکتہ	۲۳۹
خاتمہ سخن	۲۴۰

چھٹا باب

	صفحہ
مرکزی خلافت کمیٹی کی رپورٹ	۲۴۵
مولانا شوکت علی کا تار سلطان نجد کے نام	۲۴۷
سلطان نجد کا جواب	۲۴۸
اقتباس از جواب شعیب قریشی	۲۵۳
انعقاد موتمر کی تاریخ کا تعین	۲۵۹
دعوت ابن سعود	۲۶۰
موتمر اسلامی	۲۶۶
دعوت نامہ میں تبدیلی	۲۶۶
سلطان کو جواب	۲۶۸
سلطان کا جواب	۲۶۸
موتمر کے انعقاد کی تاریخ کا التواء	۲۷۱
ممالک اسلامی میں جو موتمر شریک ہوئے	۲۷۱
انتخاب عہدیداران موتمر	۲۷۷
موتمر کا قانون اساسی	۲۷۸
لجنہ اقتراحیہ	۲۷۸
وہ تجاویز جو لجنہ اقتراحیہ نے نامنظور کر دیں	۲۸۶
موتمر ہر سال ہونی چاہیے	۲۸۸
سلطان ابن سعود سے ملاقات	۲۹۰
دوسری ملاقات	۲۹۲
تیسری ملاقات	۲۹۵
آخری ملاقات	۲۹۸
لجنہ تنفیذیہ میں شرکت	۳۰۰
مجلس العلماء	۳۰۱
جنت البقیع کے مزارات کا انہدام	۳۰۳
قبر رسول	۳۱۱
نجدی حکومت کا تعصب مذہبی	۳۱۳

صفحہ

حجاز پر صرف سلطان کی نہیں کل قوم کی بادشاہت ہے ۳۱۹
امور دنیوی میں بھی عدم مساوات ۳۲۱
علمائے نجد اور عدم مساوات ۳۲۲
نتیجہ ۳۲۳
ہوس ملک گیری قیام امن کے منافی ہے ۳۲۴
امیر علی کی وزارت خارجہ کی ایک تحریر ۳۲۶
حجاز میں امن کی خاص ضرورت ۳۳۰
وفد کی رائے بسلسلہ تشکیل حکومت حجاز ۳۳۱
عالم اسلام کی نگرانی ۳۳۲
اہل حجاز قابلیت میں اہل نجد سے کم نہیں ۳۳۳

ساتواں باب

[redacted]

ہونہار بروا ۳۳۹
پر اسرار سفر ۳۴۰
جاسوسی کے انداز ۳۴۱
یورپ کا مرد بیمار ۳۴۱
یورپی طاقتوں کے مفادات ۳۴۲
گرفتاری اور رہائی ۳۴۴
عورت کے بھیس میں ۳۴۵
ایک جاسوس کی موت ۳۴۶
گھٹنے ٹیک دیئے ۳۴۷
خفیہ ہدایات ۳۴۹
تصویر کا بھیانک رُخ ۳۵۰
مال غنیمت کی فکر ۳۵۱
جنگی چالیں ۳۵۲
عرب لیڈر کی تلاش ۳۵۴
ہاشمی شہزادہ، انگریز کے دام میں ۳۵۵
انگریز کی عیاری ۳۵۶
ایک شرمناک خفیہ معاہدہ ۳۵۸
سازش کا انکشاف ۳۵۹
لارنس کی پرفریب ذہانت ۳۶۰
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز ۳۶۱
چہ ارزاں فروختند ۳۶۳
ترکوں کی مشکلات ۳۶۵
وعدوں کا نیا جال ۳۶۶
پہلا راؤنڈ ۳۶۸
الجزائری برادران ۳۷۰
ڈرامے کا ایک منظر ۳۷۱
نیا اعلان، پرفریب وعدے ۳۷۳
صیہونیوں کے عزائم ۳۷۵

	صفحہ
پانچ متبادل راستے	۳۷۶
دستاویزی شہادت	۳۷۸
لارنس کا نیا منصوبہ	۳۷۹
فیصل پیرس میں	۳۸۲
صیہونی لیڈر کا دام	۳۸۴
حسین اور ابن سعود	۳۸۵
کمیشن کی رپورٹ	۳۸۶
سازشوں کے نئے جال	۳۸۷
آٹھواں باب	
خلافت عثمانیہ کا آخری تاجدار	۳۸۹
سلطان عبدالحمید کی یادداشتیں	۳۸۹
۸ ، مارچ ۱۹۱۷ء	۳۹۱
۲۰ ، مارچ ۱۹۱۷ء	۳۹۵
۲۲ ، مارچ ۱۹۱۷ء	۴۰۰
۲۳ ، مارچ ۱۹۱۷ء	۴۰۲
۲۴ ، مارچ ۱۹۱۷ء	۴۰۳
نواں باب	
[redacted]	۴۰۹
سعودی عربیہ پر امریکی اثر کی ابتدا	۴۱۳
سعودی عربیہ میں تیل کی دریافت کا	

	صفحہ
دیرینہ خواب	۴۱۴
نجدی تحریک کے ثمرات	۴۱۶
پہلا ثمرہ	۴۱۷
دوسرا ثمرہ	۴۱۸
تیسرا ثمرہ	۴۱۹
چوتھا ثمرہ	۴۲۰
پانچواں ثمرہ	۴۲۲
چھٹا ثمرہ	۴۲۳
ابن سعود اہلحدیث حضرات کی نظر میں	۴۲۶
انہدام قباب اور ترکوں کی یاد	۴۲۷
اہل حدیث حضرات کا تعصب	۴۳۱
ابن سعود کی جسارتیں	۴۳۴
ترکوں کی یاد	۴۳۸
اقبال کا پیغام ابن سعود کے نام	۴۴۰
دسواں باب	
شاہ سعود کا دور حکومت	۴۴۱
امیر فیصل کا دورۂ بھارت	۴۴۳
شاہ سعود کا دورۂ بھارت	۴۴۴
پنڈت نہرو کا دورہ سعودی عرب	۴۴۵
پنڈت نہرو کی ریاض میں آمد	۴۴۶

	صفحہ
سپاس نامہ	۴۴۷
ہند میں گیتا بجلی کے بیچ	۴۴۷
سعودیوں کا نہرو پر بھروسہ	۴۴۷
جانبین سے محبت کا مظاہرہ	۴۴۷
نہرو کے دورہ پر ہندوستانی اخبارات کا ردعمل	۴۴۸
پاکستانی اخبارات و رسائل کا ردعمل	۴۴۹
ابوالاعلیٰ مودودی کا بیان	۴۵۸
سعودی عربیہ کے عام اندرونی حالات	۴۶۱
کسٹم کی چیکنگ	۴۶۱
سعودیوں کی عبادات کی کیفیت	۴۶۲
آل شیخ نجدی کے لئے مراعات	۴۶۴
نجدیوں کے پاکستانی غیر مقلدوں سے روابط	۴۶۵
قدیم اور جدید طبقوں کی نظریاتی کشمکش	۴۶۶
ریاض کی شان و شوکت	۴۶۸
سعودی کھانے	۴۶۹
سعودی عربیہ میں ترکی غلاموں کی فروخت	۴۷۱
سعودی ثقافت	۴۷۳
سعودیہ میں عام سیر کی اجازت نہیں	۴۷۴
ترکوں کی خدمات	۴۷۴
ترکوں پر مظالم	۴۷۵
سعودیہ کا آثار و شواہد کا شاخسانہ	۴۷۶
دار ارقم	۴۷۷
المعلیٰ کا قبرستان	۴۷۸
بیعت جعفی	۴۷۸
مسجد ابن عباس	۴۷۹
حسنین	۴۷۹
البقیع	۴۸۰
انہدام شواہد و آثار پر اہل عرب کے تاثرات	۴۸۰
شاہ سعود کی حیرت خیز عیاشیاں	۴۸۲
شاہ سعود کا دورہ امریکہ	۴۸۳
شاہ سعود کی الف لیلوی شخصیت	۴۸۴
محل	۴۸۵
اندرون محل	۴۸۶
شاہ خرچیاں	۴۸۷
شاہ خرچیوں کی شہرت	۴۸۸
شاہ سعود کا شاہانہ غرور	۴۸۸
سعودی شہزادوں کے ٹھاٹھ باٹھ	۴۸۹
شاہ سعود کا زوال	۴۹۰
شاہ سعود کی معزولی	۴۹۱

گیارھواں باب

	صفحہ
شاہ فیصل کا دور حکومت	۴۹۳
فیصل میدان عمل میں	۴۹۵
بنیادی ضروریات	۴۹۶
تعلیم	۴۹۶
صحت عامہ	۴۹۶
ذرائع آمدورفت	۴۹۷
مواصلات	۴۹۸
معدنی وسائل	۴۹۸
صنعتیں	۴۹۹
تیل بردار جہاز	۴۹۹
ریڈیو اور ٹیلی ویژن	۵۰۰
معیار زندگی	۵۰۰
غیر ملکی سرمایہ کاری	۵۰۰
مالیاتی نظام	۵۰۱
تیل سیال دولت	۵۰۲
سعودی عربیہ کا شکوہ	۵۰۳
مساجد کی کیفیت	۵۰۵
آثار و مشاہد کی کیفیت	۵۰۵
کسٹم	۵۰۶
شرک اور عشق کا فرق	۵۰۷
جنت المعلیٰ	۵۰۹
وادی بدر	۵۱۱
جنت البقیع	۵۱۳
دامن احد	۵۱۹
جبل سلع	۵۲۱
مدینہ	۵۲۱
الوداع	۵۲۱
فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزار پر	۵۲۳

انتساب

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے
پاکستان میں نجدیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھا

اور

اسلامیانِ پاکستان کے دلوں کو عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے انوار کی آماجگاہ بنا دیا۔

محمد عبدالقیوم قادری

maablib.org

تاریخ کی بنیاد عقائد و افکار پر نہیں، قوی شہادتوں پر ہوتی ہے اور عقائد کی صحت، کتاب وسنت کے دلائل اور اسلاف کے معمولات سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر تاریخ سے بحث کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں ٹھوس دلائل پیش کیے ہیں جو مسلمات میں سے ہیں یا وہ شواہد ہیں جو اخبارات ورسائل سے یکجا کیے گئے ہیں، صرف ایک باب میں عقائد سے بحث کی ہے اور اس کی بنیاد کتاب وسنت اور مستند مفسرین ہیں۔

محمد عبد القیوم قادری

۱۱ رشعبان المعظم ۱۳۹۰ھ

maablib.org

معروضات

۱۔ سرزمین عرب کے ذرہ ذرہ سے مسلمانوں کو اپنے ایمان کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں، جب کوئی مسلمان حج کر کے سرزمین حجاز سے ہو کر آتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو چومتے ہیں کہ یہ ہاتھ کعبہ کی دیواروں اور گنبد خضراء کی جالیوں کو مس کر کے آئے ہیں، ان کی نگاہیں حاجیوں کی آنکھوں کے بوسے لیتی ہیں کہ ان آنکھوں نے اس سرزمین کو دیکھا ہے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں پڑی تھیں، وہ اس شخص سے بغل گیر ہوتے ہیں، معانقہ کرتے ہیں کہ یہ شخص ممکن ہے حجاز کی اس جگہ فیضیاب ہوا ہو جہاں حضور انور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم لگے ہوں۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے غسالہ (وضو کرنے وقت گرا ہوا پانی) پر پروانہ وار جھپٹ پڑتے تھے اور اس پانی کو اپنے چہرے اور بدن سے ملتے جس صحابی کے حصے میں پانی نہ آتا وہ دوسرے صحابی کے ہاتھوں کی تری کو اپنی آنکھوں اور بدن سے لگاتا کہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جائے۔ سلف صالحین میں ایسے بزرگ گزرے ہیں جو مدینہ منورہ کے کتوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ انہی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ:-

نسبت خود بسگت کردم و منفعلم ۔۔۔ زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

(میں نے آپ کے کتوں کی طرف اپنی نسبت کی اور اس پر بھی شرمندہ ہوں کیونکہ آپ کی گلی کے کتوں کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے)

سرزمین پاکستان ایسے ہی عشاق رسول مسلمانوں کا گہوارہ ہے جو مدینہ طیبہ کی گلیوں کے کتوں کا بھی احترام کرتے ہیں اور ان کتوں کی طرف اپنی نسبت کرنے کو بھی بے ادبی سمجھتے ہیں۔

۲۔ آج کل سرزمین نجد و حجاز پر وہابیوں کا قبضہ اور ان کی حکومت ہے اور یہ بات کسی سے

ڈھکی چھپی نہیں ہے اس کے باوجود جب ۱۹۷۶ء میں امام حرم نبوی اور امام حرم کعبہ آئے تو پاکستانی مسلمان دیوانہ وار ان کے استقبال کے لیئے ٹوٹ پڑے، ان کی راہ میں پلکیں بچھا دیں جبیاں گئے ان کا اہلاً وسہلاً مرحبا کے نعروں اور تحسین و آفرین کی گونج سے استقبال ہوا۔ یہ عقیدت کے مظاہرے اس لئے نہ تھے کہ ان میں سے ایک شخص کا نام عبدالعزیز بن باز اور دوسرے کا نام عبداللہ بن سبیل تھا، ہزاروں لوگ سفارتی اور تجارتی سطح پر عرب۔۔۔ پاکستان آتے رہتے ہیں، انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں، اس والہیت کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ ان میں سے ایک شخص کی نسبت مسجد نبوی اور دوسرے کی مسجد حرام سے تھی۔

۲۔ دوبارہ امام حرم کے پاکستان آنے کا پروگرام بنا تو ایک وہابیت نواز اخبار نے لکھا کہ جب امام حرم کراچی میں لاکھوں فرزندان توحید کو نماز پڑھائیں گے، تو پتہ چل جائے گا کہ سواد اعظم کون ہے، میرے خیال میں سواد اعظم کی تعداد معلوم کرنے کا یہ پیمانہ درست نہیں ہے، بات تو جب تھی کہ اخبار مذکور لکھتا کہ فلاں تاریخ کو کراچی میں وہ شخص نماز پڑھائے گا جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا کفر ہے اور موجب قتل ہے جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا کفر ہے جو یہ کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں پر جاکر ان کے وسیلہ سے دعا کرنا ان کی قبر پر پھول چڑھانا حرام اور شرک سے کم نہیں جو یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں غیر مقلدوں کے سوا سب مشرک ہیں۔ پھر ہم دیکھتے کہ اس شخص کے پیچھے وہابیوں کے سوا کتنے لوگ نماز پڑھنے جاتے اور ان کی کتنی تعداد ہوتی۔

حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کے مطابق اس وقت کے وزیر اعظم امیر فیصل نے گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھائے اور نجد کی ابی شریعت کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں آئی۔ اسی طرح روزنامہ نوائے وقت ۲۲ ر

فروری، ۱۹۵۵ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے بادشاہ شاہ سعود نے ارلنگٹن کے قبرستان میں ایک مشرک کی قبر پر پھول چڑھائے اور روزنامہ کوہستان ۲ فروری، ۵۷ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے وزیر دفاع شہزادہ فہد نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے اور بادشاہوں اور شہزادوں کے اس علانیہ شرک پر نجد کے علماء مہر بلب رہے، کہیں سے اس کے خلاف صدائے بازگشت نہیں سنائی دی۔ ہوسکتا ہے علماء نجد کے نزدیک شرک کے پیمانے عام مسلمانوں اور شاہی خاندان کے لئے مختلف ہوں۔

۴۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں پنڈت نہرو جو ایک بدترین مشرک اور سخت دشمن اسلام تھا، اس کو سعودی عرب میں دعوت دی گئی اور اس کا "مرحبا یا رسول السلام" کے پرجوش نعروں سے استقبال کیا گیا۔ عرب اور ہندوستان کے وہابیوں میں اس نعرے کو سراہا گیا۔ پاکستان کے علماء، اخبارات اور رسائل نے آزادیٔ صحافت اور آزادیٔ ضمیر کا اظہار کرتے ہوئے سعودی حکومت کو سخت مطعون کیا، لیکن پاکستان کے غیر مقلد علماء اس وقت بھی مہر بلب رہے اور دین میں مداہنت سے کام لیتے رہے۔

یہ باتیں اب پرانی ہوگئی ہیں، لیکن تاریخ میں محفوظ ہو چکی ہیں اور تاریخ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

۵۔ زیر نظر کتاب ۱۷۰۳ء سے لے کر ۱۹۰۵ء تک کے نجد و حجاز کے تاریخی احوال اور تاریخ پر پھیلی ہوئی ہے، اس کتاب کے لکھنے کا باعث یہ ہے کہ عام لوگ نہیں جانتے کہ ترکوں کی خلافت عثمانیہ جس نے تمام ممالک اسلامیہ کو ایک رشتۂ وحدت میں پرو رکھا تھا اس کو کس سازش سے ختم کیا گیا۔ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی کون شخص تھا، اس نے مسلمانوں کے سامنے کون سی نئی دعوت پیش کی، علماء اسلام پر اس دعوت کا کیا ردّ عمل ہوا۔ عرب میں قومیت کی تحریک پیدا کر کے جزیرہ عرب کو ترکوں کے خلاف بغاوت برپا کرنے میں کس شخص نے پارٹ ادا کیا۔ لارنس آف عریبیہ کون تھا۔ برطانیہ اور

دوسری طاقتیں عرب سے ترکوں کا اقتدار ختم کرنا کیوں چاہتی تھیں۔ امریکہ کا اس میں کیا مفاد تھا۔ وہابی تحریک عرب میں دوبارہ اٹھی اور کچل دی گئی۔ وہابیت کے دور اوّل میں گنبد خضراء کی زرنگار چھت برباد کر دی گئی۔ گنبد سے سونے کا ہلال اور کرہ اتار لیا گیا۔ خود گنبد خضراء کو بھی گرانے کا قصد کیا گیا، مگر اس کوشش میں دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ پھر اس ارادہ کو ترک کر دیا گیا۔ تیسری بار عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود نے ایک بار پھر نجد و حجاز پر یلغار کی۔ خلافت عثمانیہ اس بار حجاز کا دفاع کیوں نہ کر سکی۔ وہ کیا حالات تھے، جنہوں نے ترکوں کو بے دست و پا کر دیا اور وہابیوں کو نجد و حجاز میں پنجے گاڑنے کا موقع مل گیا اور اس جنگ میں طائف کے مسلمانوں پر کیا حالت گزری۔

سلطان عبدالعزیز آل سعود کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے اس کے سامنے کیا تجاویز رکھیں۔ سلطان نے صحابہ کے ماثر و مشاہد کے تحفظ اور مقابر کی حفاظت اور منہدم شدہ قبہ جات کی تعمیر کا وعدہ کیا اور پھر کس طرح ان وعدوں سے منحرف ہوا۔

سلطان عبدالعزیز آل سعود کے ۴۰ سالہ دور حکومت میں عربوں کی کیا حالت تھی، اس کی رحلت کے بعد شاہ سعود نے کس طرح حکومت کی اور اس کو کیوں معزول کیا گیا۔ شاہ سعود کے گیارہ سالہ عہد حکومت میں حجاز مقدس کس حالت تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد شاہ فیصل نے اپنے گیارہ سالہ عہد حکومت میں کس حکمت اور سیاست سے ملک کو ترقی دی اور سعودی عرب دنیا کا امیر ترین ملک شمار ہونے لگا۔ اس کے باوجود فیصل کے عہد حکومت میں ماثر و مشاہد کی کیا کیفیت تھی۔ موجودہ شاہ کے دور میں پاکستان کی مادی امداد کے باوجود پاکستانی مسلمانوں کے دینی جذبات کو کس طرح مجروح کیا گیا۔ یہ تمام اخبار و احوال ہم نے وہابی اور دیوبندی مصنفین کی کتابوں اور اخبار و رسائل سے جمع کر کے ایک تاریخ مرتب کر لی ہے۔

۶۔ اس کتاب میں جتنے واقعات درج ہیں وہ سب وہابی مکتبۂ فکر اور سعودی عرب سے شائع شدہ کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ یہ کتابیں عنقا نہیں ہیں۔ بازاروں میں عام فروخت ہوتی ہیں۔ رسائل اور اخبارات کو ان کے دفاتر اور لائبریریوں سے حاصل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ میں عام مصنفوں کی طرح یہ تو نہیں کہتا کہ اس کتاب کا اگر ایک حوالہ بھی غلط ثابت ہو گیا تو میں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ میں ہزاروں میں کھیلنے والا آدمی نہیں ہوں! البتہ میں ایک صاف سیدھے اور سچے مسلمان کی طرح یہ ضرور کہوں گا کہ اگر میرا دیا ہوا کوئی حوالہ غلط ثابت ہوا اور اس کا بدل مہیا نہ ہو سکا، تو میں آئندہ ایڈیشن میں اس حوالہ کو کتاب سے نکال دوں گا، لیکن انشاء اللہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے حوالوں کو بہت چھان پھٹک کر اخبارات کے دفاتر میں جا کر پرانے اخبارات کے فائل دیکھ کر مختلف لائبریریوں میں گھنٹوں وقت خرچ کر کے اس کتاب کے لئے مواد حاصل کیا ہے۔ کتابت کی غلطی یا ایڈیشن کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ صفحہ کا نمبر تبدیل ہو جائے، لیکن اصل واقعہ انشاء اللہ کتاب میں موجود ہوگا۔

۷۔ اس کتاب کی تصنیف سے کسی شخص یا کسی مکتبۂ فکر کی دل آزاری مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف حقائق کا آئینہ دکھایا ہے اور اگر کسی شخص کو آئینہ میں اپنے خدوخال نظر آئیں تو اس کو آئینہ پر غصہ نہیں کرنا چاہیئے۔ آئینہ توڑنے سے اس کی بگڑی ہوئی شکل سنور نہیں جائے گی۔ تاریخ ماضی کے حالات و واقعات کا آئینہ ہوتی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ اگر کسی شخص یا ادارہ کو اس آئینہ میں اپنی کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی اصلاح کرے اور ماضی کی غلطیوں کو مستقبل کے لئے روایت نہ بنا لے۔

۸۔ عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ سواد اعظم اہل سنت دیوبندیوں، وہابیوں کی تکفیر کرتے ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں مسلمانوں کی

تکفیر کون کرتا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی اور ان کے پیروکاروں کی تصریح کے مطابق جو مسلمان ان کے عقائد سے متفق نہ ہوں۔ وہ سب کافر اور مشرک ہیں۔ اور اس فتویٰ کی لپیٹ میں عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان آجاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کے نزدیک تیرہ سو سال کی ساری امت کافر ہے جو فوت ہو گئے وہ کفر پر مرے اور جو زندہ ہیں وہ واجب القتل ہیں۔

میں اپنے لئے اور تمام احباب کے لئے خصوصاً اور جملہ سوادِ اعظم اہلِ سنت کے لئے عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شفاعت کی درخواست کرتا ہوں یا رسول اللہ اپنے ان غلاموں کی عزت کی لاج رکھ لیجئے اور روزِ محشر ان کی شفاعت فرما کر انہیں سرخرو فرمایئے۔ شفاعت کا تاج آپ کے سر پر ہے۔ مقامِ محمود پر آپ فائز ہیں۔ حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھوں میں کوثر کے آپ واحد ساقی ہیں۔ میزان اور صراط پر آپ کی شفاعت کا ڈنکا ہے۔ تمام میدانِ محشر میں آپ کی شفاعت کی گونج ہے اور ہم آپ کی شفاعت کے بھکاری ہیں۔ ہماری شفاعت کیجئے۔

محمد عبدالقیوم قادری
۱۱ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

باب ا

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی ۱۷۰۳ء/ ۱۱۱۵ھ تا ۱۷۹۲ء/ ۱۲۰۶ھ بارھویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہوئے، ان کی شخصیت نے ملتِ اسلامیہ میں افتراق اور انتشار کا ایک نیا دروازہ کھولا، اہلِ اسلام میں کتاب وسنت کے مطابق جو معمولات صدیوں سے رائج تھے انہوں نے ان کو کفر اور شرک قرار دیا۔ مقابرِ صحابہ اور مشاہد و مآثر کی بے حرمتی کی، قبہ جات کو مسمار کر دیا، رسوماتِ صحیحہ کو غلط معنی پہناتے اور ایصالِ ثواب کی تمام جائز صورتوں کی غلط تعبیر کر کے انہیں "الذبح لغیر اللہ" اور "النذر لغیر اللہ" کا نام دیا، توسل کا انکار کیا اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت سے استمداد اور استغاثہ کو یدعون من دون اللہ کا جامہ پہنا کر عبادت لغیر اللہ قرار دیا۔ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کرام اور حضور تاجدارِ مدنی محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے شفاعت طلب کرنے والوں کے قتل اور ان کے اموال لوٹنے کو جائز قرار دیا۔

شیخ نجدی نے جس نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی، وہ حرفِ عام میں وہابیت کے نام سے مشہور ہوا اور ان کے پیروکار وہابی کہلائے، چنانچہ خود شیخ نجدی کے متبعین اپنے آپ کو برملا وہابی کہتے اور کہلاتے ہیں چنانچہ علامہ طنطناوی نے لکھا ہے:

اما محمد، فھو صاحب الدعوۃ التی عرفت بالوھابیۃ

(محمد بن عبد الوہاب نے جس تحریک کی دعوت دی تھی، وہ وہابیت کے نام سے معروف ہے۔)

لہ شیخ علی طنطناوی، جوہر فٰ ـ ی متوفی ۱۳۵۸ھ محمد بن عبد الوہاب نجدی ؒ ص ـ

شیخ نجدی کے والد

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے دادا سلیمان بن علی شرف حنبلی المسلک اور اپنے وقت کے مشہور عالم دین تھے، ان کے چچا ابراہیم بن سلیمان بھی ممتاز عالم دین تھے۔ ابراہیم کے بیٹے عبدالرحمان مشہور فقیہ اور ادیب تھے[1]

شیخ نجدی کے والد متوفی ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ نہایت صالح العقیدہ بزرگ اور مشہور عالم دین اور فقیہ تھے، وہ شیخ نجدی کو تنقیص رسالت، توہین مآثر صحابہ اور تکفیر المسلمین جیسے گمراہ کن عقائد پر ہمیشہ سرزنش کرتے رہتے تھے[2] اسی طرح ان کے اساتذہ بھی اس کے تخریبی افکار پر اس کو ہمیشہ ملامت کرتے رہتے تھے[3]

اس سلسلہ میں ایک غیر مقلد وہابی عالم شیخ نجدی کی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جاہلوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح معبودان باطل قبہ و قبر سے ہٹا کر پھر معبود حقیقی کی درگاہ میں لا کھڑا کرنا ان کا مقصود تھا۔ پھر یہ ہر کس و ناکس کی بات نہ تھی، اس کے لیے ایمان خالص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی۔ اس راہ میں شیخ کو جن صبر آزما مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انہوں نے اس راہ کی تکلیفوں کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے۔

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر خم کرنے، قبروں دلیوں سے مدد مانگنے اور نیکوکار بندوں کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی، قبروں کی زیارت میں مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتیں رائج ہو گئی تھیں، ان کے مٹانے کو عملی اقدام اٹھایا تھا، بس پھر کیا تھا

---

[1] مسعود عالم ندوی — محمد بن عبدالوہاب ص ۲۴ تا ۲۵

[2] عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد (مطبوعہ ریاض) ج ۱ ص ۶

[3] " " " " " " " ۸

[4] سید احمد دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ، الدرر السنیۃ، ص ۴۲

مخالفت کا سیلاب اُمڈ آیا۔ اعزہ و اقربا درپئے آزار ہوگئے، خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی۔ شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ کیا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا۔ [1]

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ توحید کے نام پر تنقیصِ رسالت اور توہینِ صحابہ و اولیا کی جو دعوت لے کر شیخ نجدی اٹھے تھے، اس کی صدیوں پیچھے اسلام میں کوئی نظیر نہ تھی نہ جزیرہ عرب میں توحید کی اس نئی تشریح سے کوئی واقف تھا اور نہ شیخ نجدی کا اپنا خاندان اور ان کے اساتذہ اس سے واقف تھے۔

شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ اور ان کے بیٹے شیخ نجدی کے درمیان عقائد کا جو مناقشہ تھا، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ طنطاوی لکھتے ہیں:

وجلس فی حلقۃ ابیہ یحضر دروسہ وینکر ما یری من البدع والمخالفات فی ذلک حتی اثار علیہ الناس ولم یرتض ابوہ ھذا المسلك منہ ولم یقرہ علیہ وکان یوثر المسالمۃ ویکرہ العنف فنہاہ حتی وقع بینھما کلام ولکنہ استمر علیٰ دعوتہ وانکارہ واستجاب لہ فریق من الناس وتابعوہ وصار طلبۃ العلم طائفتین، قلیل منھم معہ والکثیر علیہ وکان ابوہ من رأی الطائفۃ الثانیۃ۔ [2]

شیخ نجدی اپنے والد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور (نام نہاد) بدعات پر اعتراض کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے مخالف ہوگئے اور اس کے والد بھی اس پر ناراض ہوئے اور اس کو سرزنش کی۔ شیخ عبدالوہاب صلح جو شخص تھے، جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے، انہوں نے اس کو (شعارِ اہلِ سنت) کی مخالفت کرنے سے منع کیا۔

---

[1] مسعود عالم ندوی، محمد بن عبدالوہاب، ص ۳۱

[2] شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۳۵ھ " " " ۲۱/ ۲۰

(لیکن شیخ نجدی باز نہ آیا) اور اپنے والد سے سخت تکرار اور بحث کی اور (شعار اہل اسلام) کی مخالفت پر قائم رہا۔ چند لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور اکثر اس کی مخالفت کرنے لگے، حتیٰ کہ شیخ عبدالوہاب کے حلقہ درس کے طلباء میں دو گروہ قائم ہو گئے۔ اقلیت شیخ نجدی کے ساتھ تھی اور اکثریت اس کے والد گرامی شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ کے ساتھ تھی۔

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ شیخ نجدی نے شعار اہل اسلام اور طریقہ اہل سنت کی مخالفت میں اپنے والد کا بھی پاس نہیں کیا اور ان سے بھی تلخ کلامی سے پیش آتا رہا، تاہم والد کی زندگی میں شیخ نجدی کو کھل کر اپنے عقائد کے پرچار کا موقع نہ مل سکا لیکن والد کی وفات ہوتے ہی شیخ نجدی نے پوری قوت کے ساتھ اپنی دعوت اور تحریک کو آگے بڑھایا، چنانچہ علامہ طنطاوی لکھتے ہیں:

فکان یرعی لابیہ حرمتہ و یوقرہ وان رائی ان حق ابیہ وطاعتہ لا تسوغ لہ التوقف عن دعوتہ، فلما توفی ابوہ سنۃ ۱۱۵۳ انطلق الشیخ من عقالہ ونشط فی دعوتہ و بذل فیہ ما اعطیٰ من قوۃ واندفاع۔[۱]

(شیخ نجدی اپنے والد کا قدرے لحاظ کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس کا عقیدہ تھا کہ والد کی عزت و توقیر اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے افکار کی دعوت سے دستبردار ہو جائے، لیکن جب اس کے والد رحمۃ اللہ ۱۱۵۳ھ میں واصل بحق ہوئے، تو شیخ نجدی کی دعوت میں رہی سہی زنجیریں بھی ٹوٹ گئیں۔ پھر اس نے علی الاعلان اپنی دعوت کو پھیلانا شروع کیا اور اپنی پوری قوت اور طاقت کو اس میں خرچ کر دیا)

محمد منظور نعمانی دیوبندی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کے والد شیخ عبدالوہاب حنبلی بھی اگرچہ اپنے وقت کے بڑے عالم اور فقیہ تھے، لیکن وہ اپنے خاص صوفیانہ مزاج اور مسلک کی وجہ سے اپنے بیٹے شیخ محمد کی برپا کی ہوئی

---

[۱] شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۰ھ، محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۱

تحریک اور جدوجہد سے عملاً الگ رہے، بلکہ انہوں نے اپنے کو الگ اور ایک سو رکھنے کے لیے اپنے اصل وطن عیینہ کی سکونت ترک کر کے اس علاقے کے ایک دوسرے شہر حریملا میں سکونت اختیار کر لی تھی، کیونکہ عیینہ شیخ محمد کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ بات ہر اس شخص کے علم میں ہے جو اس خاندان کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے [۱]

اور عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

فلما ان الشیخ محمد وصل الی بلد حریملا جلس عند ابیہ یقرأ علیہ وینکر ما یفعل الجہال من البدع والشرک فی الاقوال والافعال وکثر منہ الانکار لذالک ولجمیع المحظورات حتی وقع بینہ وبین ابیہ کلام وکذالک وقع بینہ وبین الناس فی البلد، فاقام علی ذالک مدۃ سنین حتی توفی ابوہ عبد الوہاب فی سنۃ ثلاث وخمسین و ماۃ والف ثم اعلن بالدعوۃ والانکار والامر بالمعروف والنہی عن المنکر وتبعہ ناس من اھل البلد ومالوا معہ! واشتہر بذالک [۲]

(شیخ نجدی حریملا پہنچ گئے اور اپنے والد سے پڑھنا شروع کر دیا اور وہاں کے لوگ اپنے جن معمولات میں مشغول تھے۔ شیخ نجدی نے ان کو شرک اور بدعت قرار دیا اور اس بات میں ان کا اپنے والد عبد الوہاب سے بھی مباحثہ ہوا اور شہر کے دوسرے عمائدین نے بھی شیخ نجدی کی مخالفت کی۔ کئی سال تک یونہی نزاع ہوتا رہا، حتی کہ شیخ نجدی کے والد عبد الوہاب رحمہ اللہ ۵۳ ۱۱ھ میں فوت ہو گئے، والد کی وفات کے بعد شیخ نجدی نے کھل کر اپنی تحریک کو پھیلایا اور بہت سے لوگ شیخ نجدی کے تابع ہو گئے اور ان کی دعوت مشہور ہو گئی۔)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ شیخ نجدی کے والد عبد الوہاب رحمہ اللہ صحیح العقیدہ

---

[۱] محمد منظور نعمانی، ماہنامہ المنبر فیصل آباد، جلد ۳، شمارہ ۶

[۲] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد مطبوعہ ریاض ج ۱ ص ۸

مسلمان تھے اور عیینہ میں اس کے جو استاذ تھے وہ بھی ایک صالح اور دین دار شخص تھے البتہ حجاز میں اس کو ابن السیف اور شیخ محمد حیات سندھی دو غیر مقلد استاذ ملے جنہوں نے اس کو ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھا کر اسلاف کی روایات سے باغی بنا دیا۔

شیخ نجدی کے بھائی

شیخ نجدی کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ اپنے والد کے مسلک کے حامل تھے اور اسلاف کے معمولات کو عقیدت سے سینے سے لگائے ہوئے تھے ان کا تعارف کراتے ہوئے طنطاوی نے لکھا ہے:

وکان لعبد الوهاب ولدان محمد وسلیمان اما سلیمان فکان عالما فقیها، وقد خلف اباه فی قضاء حریملة وکان لهٗ ولدان عبد الله وعبد العزیز وکانا فی الورع والعبادة اٰیة من الاٰیات [1]

(شیخ عبدالوہاب کے دو بیٹے تھے محمد اور سلیمان شیخ سلیمان بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے اور حریملہ میں اپنے والد کے بعد قاضی مقرر ہوئے ان کے دو لڑکے تھے عبداللہ اور عبدالعزیز وہ بھی عالم تھے اور عبادت اور تقویٰ میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔)

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب تمام زندگی شیخ نجدی سے عقائد کی جنگ لڑتے رہے [2] انہوں نے شیخ نجدی کے عقائد کے رد میں ایک انتہائی مفید اور مدلل رسالہ الصواعق الالٰہیہ تصنیف کیا جس کو عوام و خواص میں انتہائی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ موجودہ دور کے نجدی علماء کہتے ہیں کہ شیخ سلیمان نے اخیر عمر میں اپنے عقیدہ سے رجوع کر کے شیخ نجدی سے اتفاق کر لیا تھا، لیکن یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت پر کوئی

[1] شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۴۵ھ: محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۳

[2] سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ: الدرر السنیۃ، ص ۴۷

تاریخی شہادت ہے اور شیخ سلیمان رحمۃ اللہ نے "الصواعق الالہیہ" کے بعد کوئی ایسی کتاب لکھی جس نے "الصواعق الالہیہ" میں مذکور دلائل پر خطِ نسخ کھینچ دیا ہو۔

شیخ نجدی کی ولادت اور جائے پیدائش

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۷۰۳ء میں نجد کی جنوبی جانب وادی حنیفہ کے ایک مقام عیینہ میں پیدا ہوئے [۱] اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ نجد اور عیینہ کی جغرافیائی شرعی اور تاریخی حیثیت واضح کردیں۔

نجد سرزمین حجاز کے مشرق میں واقع ہے۔ مشرق میں خلیج فارس قطار سے لے کر راس الشعب تک، اور راس الشعب سے لے کر راس القلیعہ تک نجد اور کویت کے درمیان سرزمین بے آئین تھی، مغرب میں مملکتِ حجاز واقع ہے۔ جنوب میں سرحد بحیرۂ قلزم کے قنفظ کے مقام سے شروع ہوکر عسیر کے نیچے سے ہوتی ہوئی وادی دواسیر کے جس میں نجران واقع ہے۔ جنوب ہی سے ہوتی ہوتی ربع الخالی کے شمالی کنارے کے پاس سے گزرتی قطار کے علاقہ تک چلی جاتی ہے [۲]

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ سرزمین عرب کے مغرب میں حجاز اور مشرق میں نجد واقع ہیں۔ آیئے اب دیکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے بارے میں کیا فرمایا ہے:

---

[۱] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ: عنوان المجد فی تاریخ النجد ص ۶ مطبوعہ ریاض ج ۱

ایضاً مسعود عالم ندوی:	محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۴
" محمد صدیق قریشی	فیصل، ص ۱۲
" میرزا حیرت دہلوی	حیاتِ طیبہ، ص ۳۰۰

" شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۴۵ھ: محمد بن عبدالوہاب ص ۱۳

[۲] سید سردار محمد حسنی۔ بی۔ اے (آنرز)، سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود ص ۳

عن ابن عمر انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم وھو مستقبل المشرق یقول الا ان الفتنة ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان۔[1]

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ درآنحالیکہ حضور مشرق کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے (مشرق کی جانب) اشارہ کرکے فرمایا: اس جگہ سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

عن ابن عمر قال ذکر النبی صلی الله علیه وسلم قال اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا وفی نجدنا قال اللھم بارك لنا فی شامنا وفی یمننا قالوا یا رسول الله وفی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة ھناك الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان[2]۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی اور فرمایا: اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دے بعض لوگوں نے کہا حضور اور ہمارے نجد میں، حضور نے پھر دُعا فرمائی اور فرمایا: اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما۔ لوگوں نے کہا اور ہمارے نجد میں، حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا کہ اس جگہ زلزلے آئیں گے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا)

نوٹ: بعض لوگ اس حدیث کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ نجد سے مراد صوبہ نجد نہیں بلکہ نجد کا لغوی معنی یعنی اونچی زمین مراد ہے، لیکن یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے حدیث میں یمن اور شام کا ذکر ہے اور ان لفظوں سے ان کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ : الجامع الصحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۵۱

[2] ایضاً " " " " " ص ۱۰۵۱

متعارف معنی یعنی شام اور یمن مراد ہیں، اسی قرینہ سے نجد سے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ متعارف معنی صوبہ نجد مراد ہے، علاوہ ازیں دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے ذکر پر مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور عرب کے مشرق میں صوبہ نجد واقع ہے نہ کہ کوئی اونچی زمین۔ مزید برآں یہ کہ الفاظ کو ان کے معانی متعارفہ پر محمول کیا جاتا ہے اور نجد کا متعارف معنی صوبہ نجد ہے۔

یہ تو تھا نجد کا تعارف، آیئے اب نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک خاص مقام عیینہ کی تاریخی حیثیت دیکھیں، جہاں شیخ نجدی پیدا ہوا:

عقربا ہی کے ایک حصے کا نام جبیلہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے جنوب مغرب کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام عیینہ ہے جو مسیلمہ کذاب کی جائے پیدائش ہے[1]

غور فرمایئے کہ نجد وہ نامسعود مقام ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے محروم رہا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہاں سے فتنے نکلیں گے اور زلزلے آئیں گے جو جگہ حضور کی دعا سے محروم رہی ہو، وہاں قیامت تک کبھی خیر و برکت کی صبح نمودار نہیں ہو سکتی جس مقام کے بارے میں حضور نے زلزلوں اور فتنوں کی خبر دی ہو وہاں امن و سکون کا آفتاب کیسے طلوع ہو سکتا ہے جس جگہ کو آپ نے قرن شیطان کا مطلع قرار دیا ہو، وہ رحمت و ہدایت کا منبع کیسے بن سکتی ہے۔

تاریخ اسلامی میں نجد میں سب سے پہلا فتنہ مسیلمہ کذاب نے برپا کیا جو نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک مقام عیینہ میں پیدا ہوا۔ دوسرا بڑا فتنہ گیارہ سو سال بعد ٹھیک اسی جگہ شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب نے برپا کیا، جس کے وجود نامحمود نے صحیح اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کر دیا۔ یہ ایک قیامت خیز زلزلہ تھا جس کے جھٹکے ۱۱۱۵ھ سے لے کر

---

[1] محمد عاصم، سفرنامہ ارض القرآن، ص ۱۱۳

آج تک محسوس کیے جارہے ہیں۔ وہ ایک ایسا تباہ کن زلزلہ تھا جس نے صحابہ کرام کے تمام مشاہد و مآثر کو زمین بوس کر دیا۔ جنت البقیع کے تمام مزارات کو قاعاً صفصفا کے مصداق چٹیل میدان بنا دیا، وہ ایسا فتنہ تھا جس نے ریگزار عرب کو خون سے نہلا دیا، طائف سے کربلا تک اور مکہ سے مدینہ تک کوئی حرم نہ رہا حتیٰ کہ رحمۃ للعالمین کے گنبد خضرا کی زرنگار چھت برباد کر دی گئی اور قبر انور سے چادر اتار لی گئی۔ یہ شخص قرن شیطان تھا جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ اس نے محبت رسول کے متوالوں کے خلاف تلوار میان سے باہر نکالی اور ان کی جان و مال کو اپنے لیے حلال قرار دیا۔ اس کے اذناب اور اتباع نے لوگوں کا ایمان خریدنے کے لیے سیم و زر کی تھیلیوں کا منہ کھول دیا۔ ان تمام حقائق کی تفصیلات تاریخی دستاویز کے ساتھ آئندہ صفحات میں آ رہی ہیں۔

شیخ نجدی کی تعلیم و تربیت

شیخ نجدی کی تعلیم کے بارے میں سردار حسنی نے لکھا ہے، شیخ نجدی ۱۷۰۳ء مطابق ۱۱۱۵ھ بمقام عیینہ جو کہ جنوبی نجد کی وادی حنیفہ میں واقع ہے، پیدا ہوئے، شروع سے ہی بڑے ذہین اور محنتی تھے۔ دس برس کی عمر میں کلام اللہ ختم کر چکے تھے۔ ان کے والد کا بیان ہے کہ وہ بارہ برس کی عمر میں بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔ اسی سال ان کی شادی کر دی گئی، بعد ازاں انہوں نے حج کیا اور مدینہ منورہ کی زیارت کی، پھر اپنے وطن مالوف کو واپس آکر اپنے والد ماجد سے فقہ امام احمد بن حنبل کی تعلیم شروع کی تحصیل علم کی غرض سے متعدد بار حجاز گئے۔ [1]

شیخ نجدی مدینہ منورہ حصول علم کے لیے گئے، وہاں ان کی ملاقات شیخ محمد حیات سندھی سے ہوئی۔ شیخ محمد حیات سندھی انتہائی متعصب قسم کے غیر مقلد عالم تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد حاصل کرنے کو شرک قرار دیتے تھے، انہوں نے شیخ نجدی کو یہی تعلیم دی۔

[1] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود ص ۴۱/۴۰

عثمان بن بشر نے اس دوران کا ایک واقعہ یُوں لکھا ہے،

وحکی ان الشیخ محمد اوقف یوما عند الحجرۃ النبویۃ عند اناس یدعون ویستغیثون عند حجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الشیخ ما تقول فی ھؤلاء قال (ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ وباطل ما کانوا یعملون) فاقام فی المدینۃ ماشاء اللہ ثم خرج منہا الی نجد وتجہز الی البصرۃ یرید الشام فلما وصلہا جلس یقرء فیہا عند عالم جلیل من اھل المجموعۃ۔ قریۃ من قری البصرۃ فی مدینۃ فیہا ذکر لی ان اسمہ محمد المجموعی فاقام مدۃ یقرء علیہ فیما وینکر اشیاء من الشرکیات والبدع واعلن بالانکار واستحسن شیخہ قولہ۔ ؎

(حکایت ہے کہ ایک دن شیخ نجدی حجرہ نبویہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا، وہاں لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وسیلے سے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ شیخ نجدی نے شیخ محمد حیات سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ شیخ محمد حیات نے کہا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں اور ان کے یہ اعمال باطل ہیں۔ شیخ نجدی اس کے بعد نجد چلا گیا اور وہاں سے پھر بصرہ جانے کی تیاری کی اور وہاں سے شام کا ارادہ کیا، جب وہاں پہنچا، تو بصرہ کی ایک بستی میں محمد مجموعی سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس شیخ نجدی ایک مدت تک ٹھہرا اور (نام نہاد) شرک اور بدعات کا انکار کرتا رہا اور اس کے استاذ اسکی تعریف کرتے رہے۔ ؎)

شیخ نجدی کی حجاز میں جن علماء سے ملاقات ہوئی، وہ غیر مقلد تھے اور ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر تھے۔ انہوں نے ابن تیمیہ کے افکار میں شیخ نجدی کو اس طرح ڈھالا کہ

؎ عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ : عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱، ص ۲۱

غلظ اور شدت میں ابن تیمیہ سے بھی کئی ہاتھ آگے نکل گیا، چنانچہ علی طنطاوی لکھتے ہیں:

ولقی فی المدینۃ رجلین وکان لہما فی حیاتہ وتوجیہہ اثر کبیر الاول شیخ نجدی، من اسرۃ لہا الوجاھۃ والریاسۃ فی قریۃ المجمعۃ عالم عاقل من العاکفین علی کتب ابن تیمیۃ والمتبعین لہ و الاخذین بآرائہ ھو الشیخ عبداللہ بن ابراھیم بن سیف [1]

(شیخ نجدی کی ملاقات مدینہ منورہ میں دو ایسے شخصوں سے ہوئی جو اس کی زندگی کا رخ بدلنے میں بہت موثر ثابت ہوئے۔ ان میں سے پہلا شخص نجد کا ایک ایسا باثر عالم تھا جس کو "مجمع" میں ریاست کا درجہ حاصل تھا اور وہاں کے ایک باثر خاندان سے تھا اس کا اوڑھنا بچھونا ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کی کتابیں تھیں، اس شخص کا نام شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف تھا۔

طنطاوی اس کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

وقد حدث الشیخ محمد بن عبدالوھاب قال کنت عندہ یوما فقال لی اترید ان اریک سلاحا اعددتہ للمجمعۃ قلت لہ نعم فادخلنی غرفۃ مملوءۃ بالکتب وقال ھذا ھو السلاح الذی اعددتہ لہا وابن سیف ھذا ھو الذی دل محمد بن عبدالوھاب علی کتب ابن تیمیہ واعانہ علی قرأتہا۔ [1]

(شیخ نجدی کہتے ہیں کہ میں ایک دن ابن سیف کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے مجھ سے کہا، کیا میں تم کو وہ ہتھیار دکھاؤں جو میں نے مجمع والوں کے لیے تیار کیے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ مجھے ایک کمرہ میں لے گیا جو ابن تیمیہ کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔

[1] علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۳ھ ، محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۵

ابن سیف نے کہا یہی وہ ہتھیار ہیں جو میں نے اہل مجمعہ کے لیے جمع کیے ہیں اور ابن سیف ہی وہ شخص ہے جس نے شیخ نجدی کو ابن تیمیہ کی تصانیف کی طرف رہنمائی کی اور ان سے استفادہ میں مدد دی)

شیخ نجدی نے جس دوسرے استاذ کا گہرا اثر قبول کیا اس کے بارے میں علی طنطاوی لکھتے ہیں :

واما الرجل الثانی فھو شیخ ھندی الاصل سلفی المشرب ینکر البدع والمحدثات انکاراً صریحا ھو الشیخ محمد حیات السندی ویظھر ان الشیخ کان یغلو فی الانکار علی فاعلھا حتی یصل الی تکفیرھم وتطبیق الآیات التی نزلت فی المشرکین علیھم. وقد نبہ محمدا الی ما یصنع بعض زوار قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من المنکرات التی لم تکن وقال لہ اتری ھؤلاء (ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ و باطل ما کانو یعملون ۱۳۹) ویظھر ان ما انکروہ علی ابن عبد الوھاب من تکفیر الناس کان اثرا من آثار ھذا الشیخ النجدی الھندی[1]

(دوسرا شخص ہندوستان کا ایک غیر مقلد عالم تھا جس کا نام محمد حیات سندھی تھا یہ شخص بدعات (یعنی حضور اور بزرگان دین کی تعظیم اور شفاعت) کا سخت رد کرتا تھا اور ان (نام نہاد) بدعات کرنے والوں کو کافر کہتا تھا اور جو آیتیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان مسلمانوں پر چسپاں کرتا تھا۔ اس نے شیخ نجدی کو حضور کے روضہ پر تعظیم کیے جانے والے امور دکھلائے اور یہ آیت چسپاں کی "یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں اور جس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجدی نے جو تمام لوگوں کو کافر قرار دیا ہے وہ ہندوستان کے اسی غیر مقلد عالم کی تعلیم کا اثر تھا۔

---

[1] علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۲ھ : محمد بن عبد الوہاب ص ۱۶، ۱۷

ابن سیف نجدی اور محمد حیات سندھی کی تعلیمات نے شیخ نجدی کے ذہن میں باغیانہ افکار بھر دیئے اور وہ ابن تیمیہ سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اسلاف کی روایات کو مٹانے پر تل گیا۔ ابن تیمیہ نے صرف قلم کے زور سے اپنے افکار کو پھیلایا تھا اور شیخ نجدی کو قلم کے ساتھ تلوار کی قوت بھی حاصل ہوئی اور وہ بے دھڑک اپنے مخالفین کی گردنیں اڑاتا چلا گیا۔

جزیرہ عرب میں بت پرستی کا دعویٰ اور اس کی حقیقت

جن لوگوں نے شیخ نجدی کی سوانح حیات پر کتابیں لکھی ہیں، وہ سب کے سب یا دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں یا غیر مقلدین اور نجدی ہیں۔ ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ اولیا کرام کے وسیلے سے دعا مانگنا ناجائز ہے۔ انبیاء و اولیاء سے استمداد یا ان کی قبور کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ارتداد کے مترادف ہے، حالانکہ مسلمانوں کے سواد اعظم میں یہ تمام معمولات عہد رسالت سے لے کر آج تک رائج ہیں، چنانچہ شیخ نجدی نے جس فضا میں اپنی بلوغت کی آنکھ کھولی، وہاں یہی معمولات صدیوں سے رائج تھے۔ شیخ نجدی نے ان تمام امور کو کفر اور شرک قرار دیا اور اس کی اتباع میں شیخ نجدی کے سوانح نگاروں نے بھی ان تمام امور کو شرک اور کفر قرار دیا۔ قبروں پر جا کر اصحاب قبور کے وسائل سے مرادیں مانگنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا پر جا کر آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا یہ تمام باتیں ان کے نزدیک عبادت لغیر اللہ تھیں اور انہوں نے ان امور کو بت پرستی قرار دیا، بلکہ اس خلاف واقع الزام میں اس حد تک غلو کرتے ہوئے کہا کہ جزیرہ عرب کے تمام لوگ مزارات کے قریب درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات حضور کی پیشگوئی کے سراسر خلاف ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں،

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الشیطان

قد أيس ان يعبده المصلون فى جزيرة العرب ولكن فى التحريش بينهم ۔[1]

(حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں، البتہ وہ ان کو آپس میں لڑاتا رہے گا۔)

اور حاکم، ابو یعلی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان روایت کیا؛

ان الشیطان قد یئس ان تعبد الاصنام بارض العرب ۔[2]

(تحقیق شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ سرزمین عرب میں بت پرستی کی جائے)

جو شخص صادق و مصدوق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث پر ایمان رکھتا ہے، وہ کبھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ محمد بن عبدالوہاب کے ظہور سے پہلے جزیرۃ عرب بت پرستی کا شکار تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہلاتے نہیں تھکتے۔ انہوں نے اس حدیث کے علی الرغم محمد بن عبدالوہاب کی سوانح میں لکھا ہے؛

بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی دنیا اور مقاماتِ مقدسہ کا جو حال تھا اس کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہو گا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی، کم سے کم جو کہا سکتا ہے، وہ یہ کہ اہلِ نجد اخلاق انحطاط میں حد سے گزر چکے تھے اور ان کی سوسائٹی میں بھلائی، برائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا۔ مشرکانہ عقیدے صدیوں کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے کہ ایک بڑا طبقہ انہیں خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا اور غلط یا صحیح وہ اپنے آباؤ اجداد کی روش سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

---

[1] مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ ، صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۷۶

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ ، جامع ترمذی، ص ۲۸۷

جبیلہ (وادی حنیفہ) میں زید بن خطاب (حضرت عمر کے بھائی) کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، درعیہ میں بھی بعض صحابہ کے نام سے منسوب قبریں اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ وادی نمیرہ بن ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا قبہ بدعتوں کی نمائش گاہ بن رہا تھا۔[1]

ایک اور اہل حدیث عالم نے شیخ نجدی کے مشن کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے حضور اکرم کی حدیث مبارک کی تکذیب کرتے ہوئے جو لکھا ہے، وہ بھی سن لیجیے:

جوں جوں وقت گزرتا گیا، یہاں کے رہنے والوں میں بدعتوں اور دیگر غیر اسلامی عادات نے رواج پکڑا، اب وہ لات و منات کی پرستش تو نہ کرتے، لیکن قبریں ان کی عقیدت کا مرکز بن گئیں، توہم پرستی عام ہوگئی، مستقبل میں ہونے والے واقعات کی نشاندہی کرنے والے کاہنوں کی خدمات حاصل کی جانے لگیں۔ فاسد عقائد اور بدعات دلوں میں جڑ پکڑنے لگے، دورِ جاہلیت پلٹ آیا، حجر اور شجر پرستی کا دور دورہ ہوا۔[2]

ایک اور نجدی عالم لکھتے ہیں:

نجد کا علاقہ بارھویں صدی ہجری میں ضلالت و گمراہی کا مرکز بنا ہوا تھا، ادوار کی جاہلیت کی تمام اقتصادی بیماریوں اور اخلاقی بیماریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، مذہبی اقدار کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا .... شرک، بت پرستی، بدعات و خرافات کے مجموعہ کا نام ہی اسلام تھا اور ان کے عقیدوں میں اس قدر تبدیلی آچکی تھی کہ وہ ان کو ہی اساس قرار دیتے ہوئے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت سے انحراف کرتے ہوئے مشرکانہ کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ نفع و نقصان کی قدرت کا اعتقاد رکھتے ہوئے قبروں، درختوں، چٹانوں سے دعائیں کی جا رہی تھیں اور ان سے مرادیں مانگی جا رہی تھیں، ان پر جانوروں

---

[1] مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۱، ۲۲

[2] محمد صدیق قریشی، فیصل، ص ۱۱، ۱۲

کو ذبح کیا جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ نجد کا علاقہ جاہلیت اولیٰ کی آغوش میں پہنچ چکا تھا اور جاہل رسم و رواج دوبارہ ان کی عادت بن چکے تھے، چنانچہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں امورِ جاہلیت کو ہی مؤثر دخل تھا۔ نیک فالی اور بد فالی کے لیے جہاں پرندوں کو اُڑاتے وہاں کاہنوں، نجومیوں، رمالوں سے مشورے میں مصروف رہتے۔[1]

ایک دیوبندی عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف سرزمینِ عرب کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

شیخ سے پیشتر نجد کے مسلمانوں کی مذہبی کیفیت مسخ ہو چکی تھی۔ طرح طرح کے خیالات سے یہ لوگ متاثر ہو چکے تھے۔ بعض بدوی صابی رسوم اختیار کر چکے تھے اور بعض قرامطہ کی بدعات، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے یہ لوگ کوسوں دور تھے مزارات اور قبوں کی پرستش کرتے تھے۔ چٹانوں اور درختوں سے منتیں اور مرادیں مانگتے تھے۔ اگر کبھی کبھی نماز پڑھتے، تو خدا کے بندوں کو بھی خدا کے ساتھ شامل کر لیتے تھے۔[2]

اب اس بات کا فیصلہ ہم اہلِ انصاف و دیانت کی بصیرت پر چھوڑتے ہیں کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہُ نفسی و امی کا یہ فرمانا درست ہے کہ شیطان ارض عرب میں بت پرستی سے مایوس ہو چکا ہے یا شیخ نجدی کی وکالت میں وہابی اور دیوبندی مؤرخین کا بیان درست ہے کہ سرزمین عرب میں شجر و حجر، قبروں اور قبوں کی عام پرستش کی جاتی تھی۔

شیخ نجدی میدانِ عمل میں

شیخ سردار حسنی لکھتے ہیں: بصرہ میں نہ صرف تحصیلِ علم کرتے رہے، بلکہ توحید کی تبلیغ

---

[1] شیخ احمد عبدالغفور عطار: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی، ص ۳۰ ملخصاً

[2] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۰

واشاعت بھی کرتے رہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ بعض مشرک میرے پاس آتے، مسائل دریافت کرتے اور میرے جواب دینے پر دم بخود اور مبہوت رہ جاتے۔ میں کہتا کہ صرف خدا پرستش کے لائق ہے۔ اولیاء اللہ اور خدا کے نیک بندوں کا احترام واجب ہے لیکن ہم نماز صرف خدا کی پڑھتے ہیں اور اسی سے دعا مانگتے ہیں۔ ہم اولیاء اللہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں لیکن دعائیں اور مرادیں صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

بصرہ سے جب وہ عیینہ واپس آئے تو انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی اور لوگوں کو بے ہودہ رسومات اور گمراہ کن طریقوں سے بچنے کی ہدایت کرنے لگے۔ اس پر بہت سے لوگ ان کے جاں نثار اور بہت سے جانی دشمن ہو گئے۔ اسی حالت میں انہوں نے پہلی کتاب کتاب التوحید تصنیف کی۔

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ نجد کے کچھ لوگوں کی توہم پرستی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اولاً انہوں نے ولیوں کی اس قدر تعظیم کی کہ عبادت کے درجہ تک پہنچ گئے۔ بعد ازاں ان کے مزاروں کی پرستش شروع کی، پھر یہاں تک عقیدہ نے غلو کیا کہ اُن کے مزاروں کے درخت اور دیگر چیزیں متبرک اور مقدس ٹھہریں، اقرب وجوار کے لوگ آتے منتیں مانتے اور دُعائیں مانگتے۔ [1]

سردار حسنی نے یہ جو کچھ لکھا ہے، صحیح مسلم، حاکم، ابویعلیٰ اور بیہقی کی حدیث صحیح کے لحاظ سے قطعاً باطل اور خلافِ واقعہ ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت سے لیکر آج تک جزیرۂ عرب میں تمام کلمہ گو انسان الحمد للہ کسی قسم کی بُت پرستی یا قبر پرستی سے محفوظ رہے ہیں، البتہ ہر دور میں صالحینِ امت کے توسل سے دُعائیں مانگی جاتی ہیں اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے آستانوں پر جاکر اُن سے استمداد اور استغاثہ کیا جاتا رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور دیگر مرادوں کے لیے دُعاؤں کی درخواست

---

[1] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان بن عبد العزیز آل سعود، ص ۴۱

کی جاتی رہی ہے اس کو غیر مقلدوں نے بالعموم اور شیخ نجدی نے بالخصوص شرک، بُت پرستی اور گور پرستی کا نام دے کر عہدِ رسالت سے لے کر بارھویں صدی تک کے تمام دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم اور جزیرہ عرب کے مسلمانوں کو بالخصوص کافر قرار دے دیا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

[redacted]

شیخ نجدی اپنے مسلک کے موافقین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے اور ان کے قتل اور مال لوٹنے کو جائز قرار دیتے تھے۔ طنطاوی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

وقد عاد الی نجد فاستاذن اباہ ان یکمل رحلتہ فی طلب العلم فیتوجہ الی الشام، فاذن لہ وکان الطریق علی البصرۃ فلما وصل الیھا وجد فیھا عالما سلفیا لہ مدرسۃ یقرئ فیھا اسمہ الشیخ محمد المجموعی نحضر علیہ وسمع دروسہ ورآہ قائما بانکار المنکر صریحا فی ذالک لایداری فیہ ولا یسایر وکان فی نفس ابن عبدالوھاب مثل البرکان یرید ان یتفجر علیہ فلقی منفذا فانطلق یعلن بالانکار یشجعہ علی ذلک شیخہ المجموعی وزاد حتی راح یکفر المسلمین جمیعا۔ وقد حدث الشیخ محمد بن عبدالوھاب نفسہ بما کان بینہ وبین اھل البصرۃ فقال! کان ناس من مشرکی البصرۃ یاتون الی بشبھات یلقونھا علیّ فاقول لا تصلح العبادۃ الا للہ فیبھت کل منھم ولاینطق وھذا صریح کلامہ بتکفیر المسلمین واعتبارھم مشرکین [1]

---

[1] علی طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۲ھ: محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۹

(ابن السیف نجدی اور محمد حیات سندھی (غیر مقلد عالم) سے تحصیل علم کے بعد شیخ نجدی اپنے والد کے پاس نجد لوٹ آیا اور مزید حصولِ علم کے لیے شام جانے کی اجازت طلب کی، والد نے اجازت دے دی۔ ابھی بصرہ تک پہنچا تھا کہ اس کی ایک غیر مقلد عالم محمد مجموعی سے ملاقات ہوئی جو بصرہ کے ایک مدرسہ میں پڑھاتا تھا اور (نام نہاد) بدعات کے انکار میں سخت متشدد تھا اور کسی قسم کی نرمی نہیں کرتا تھا۔ ادھر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے دل میں آتش فشاں کا لاوا اُبل رہا تھا اور عنقریب پھٹا چاہتا تھا۔ شیخ نجدی نے محمد مجموعی سے ملاقات کی اور وہ لاوا پھٹ پڑا اور شیخ مجموعی اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا یہاں تک کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا اور خود محمد بن عبدالوہاب کہتا ہے کہ مشرکین بصرہ میں سے لوگ میرے پاس آتے اور شبہات پیش کرتے، میں جواب میں کہتا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے اور یہ سن کر وہ لاجواب ہو جاتے۔ شیخ نجدی کا یہ کلام اس بات میں نص ہے کہ وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتا تھا، کیونکہ اس نے بصرہ کے لوگوں کو مشرکین سے تعبیر کیا ہے)

اور مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے قتلِ عام کے جواز اور ان کے اموال لوٹنے کی اباحت پر شیخ نجدی خود لکھتے ہیں:

وعرفت ان اقرارهم بتوحيد الربوبية لم يدخلهم في الاسلام وان قصدهم الملائكة والانبياء والاولياء يريدون شفاعتهم والتقرب الى الله بذلك هو الذي احل دماءهم واموالهم۱

(اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کا توحید کو مان لینا انہیں اسلام میں داخل نہیں کرتا اور ان لوگوں کا نبیوں اور فرشتوں سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا ہی وہ سبب ہے جس نے ان کے قتل اور اموال

---

۱ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، کشف الشبہات

لوٹنے کو جائز کر دیا ہے)

اور شیخ عطار، محمد بن عبدالوہاب کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں،

"شیخ الاسلام صاف صاف اعلان کر رہے تھے کہ جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا، اسی طرح مجھے بھی ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانا ہے۔ جو عقائد کی بیماریوں میں جکڑے ہوئے ہیں جو لوگ اپنے عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ہماری تحریک کے رُکن بن جائیں گے، ان کا خون اور مال محفوظ ہو گا، وگرنہ جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور اگر جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کریں گے، تو پھر تلوار اٹھانے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ [1]

ایک اور مقام پر شیخ عطار لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام نے دیکھا کہ ان کی (مسلمانوں کی) بیماری (انبیاء کی تعظیم اور ان سے شفاعت کا طلب گار ہونا) خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے، تو وہ مجبور ہو کر ان کے مقابلہ میں تلوار پکڑ کر میدان میں اترتے ہیں۔ خیال رہے کہ نیکی کے فروغ اور بُرائی کے استیصال کے لیے جنگ کرنے کا نام شریعت مطہرہ میں جہاد ہے اور اس کی مشروعیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ [2]

علی طنطاوی بھی ابن عبدالوہاب کے حامی ہیں اور شیخ نجدی کے مسلمانوں کے ساتھ قتال کو حضرت ابو بکر کے مانعین زکوٰۃ سے جہاد پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس باطل ہے کیونکہ زکوٰۃ فرض عین ہے اور اس کا انکار کفر ہے، اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی تعظیم اور ان سے شفاعت طلب کرنا قرآن کریم کا مامور اور حدیث شریف کا مطلوب اور صحابہ کرام کا معمول ہے۔ اس کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینا جہالت کے سوا کچھ نہیں (اس کی

---

[1] شیخ احمد عبدالغفور عطار: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۵۵

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۶۴

مکمل وضاحت باب ثانی میں آرہی ہے، لیکن شیخ نجدی نے اپنے زمانے سے پہلے کی تمام امت مسلمہ کو جو بیک جنبش قلم کافر قرار دے دیا، یہ بات طنطاوی کو بھی ہضم نہ ہو سکی، وہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحين اذكر ان الشيخ كاد يكفر المسلمين جميعا الا جماعته مع ان هؤلاء المسلمين لم يعبدوا (جميعا) القبور، ولم ياتوا (جميعا) المكفرات وانما فعل ذلك عوامهم، وان فيهم العلماء والمصلحين اقول ليس للشيخ عذر.[1]

(اور جب میں یہ سوچتا ہوں کہ شیخ نجدی اپنے موافقین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے، حالانکہ تمام مسلمانوں نے نہ قبروں کی عبادت کی ہے اور نہ کوئی کفریہ کام کیے ہیں۔ اگر کچھ کیا ہے تو عام لوگوں نے خصوصاً جبکہ مسلمانوں میں علماء اور مصلحین بھی موجود ہیں تو میں شیخ نجدی کی تکفیر کی صحت کے لیے کوئی عذر نہیں پاتا۔)

مسعود عالم ندوی شیخ نجدی کی تکفیر کی مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس عمومی تکفیر کی اہل نجد پر زور تردید کرتے ہیں، لیکن اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد تکفیر اور قتال کے قائل نظر آتے ہیں:

فلم يكفر رحمه الله الا عباد الاوثان من دعاة الاولياء والصالحين وغيرهم من اشرك بالله وجعل له اندادا بعد اقامة الحجة ووضوح المحجة. وبعد ان بدؤه بالقتال فحينئذ قاتلهم وسفك دماءهم ونهب اموالهم ومعه الكتاب والسنة واجماع سلف الامة۔[2]

---

[1] علی طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۳ھ، محمد بن عبد الوہاب، ص ۳۶

[2] مسعود عالم ندوی: تبرئۃ الشیخین بحوالہ محمد بن عبد الوہاب ص ۱۷۲، ۱۷۱

(شیخ نجدی نے صرف ان بُت پرستوں کی تکفیر کی ہے جو اولیاء اللہ اور صالحین بزرگوں سے (دُعا کے ذریعہ) مرادیں مانگتے تھے۔ (اس بناء پر) شیخ نجدی نے انہیں مشرک قرار دیا اور اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ان سے قتال شروع کیا۔ ان تمام مسلمانوں کا خون بہایا۔ ان کے اموال لیے (اور ان کے زعم فاسد میں) یہ سب کچھ کتاب و سنت اور اجماع کے مطابق تھا۔)

شیخ نجدی نے تکفیر مسلمین اور ان کے قتل کے جواز کی بنیاد پر جو مظالم ڈھائے ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ نجدی کا مزاراتِ صحابہ کو مسمار کرنا

شیخ نجدی ابن تیمیہ کے پیروکار اور غیر مقلدین علماء سے جو صحابہ کرام اور اولیاء امت کے خلاف دل میں بدعقیدگی کا آتش فشاں لے کر آئے تھے۔ وہ نجد میں پہنچتے ہی پھٹ پڑا۔ اور انہوں نے اپنی تحریک کی ابتداء مزاراتِ صحابہ کو مسمار کرنے سے کی۔

چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں، شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پہلا قابلِ ذکر ہم خیال عثمان بن معمر والی عیینہ تھا۔ شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ ان مزاروں اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا۔ دونوں ہم مشورہ ہو کر جبیلہ گئے، یہاں چند صحابیانِ رسول کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے۔ [1]

اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے شیخ عطار نے لکھا ہے، شیخ الاسلام دعوت الی اللہ کے ساتھ عملاً قبروں پر تعمیر شدہ عمارتوں اور قبوں کو گرا دیتے تھے اس لیے کہ یہی دراصل شرک اور بدعت کی آبیاری کے مرکز ہیں اور تمام عالمِ اسلام میں قبروں پر عمارتیں اور قبے بننے شروع ہو گئے تھے [2]

---

[1] سید سردار محمد حسنی، بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۲، ۴۱

[2] شیخ احمد عبدالغفور عطار: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۹۲، ۱۶۱

شیخ نجدی نے جو سب سے پہلے قبہ گرایا تھا، وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن خطاب کا قبہ تھا۔ عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ اس قبہ کو گرانے کا ذکر کرتے ہیں:

ثم ان الشیخ اراد ان یهدم قبة قبر زید بن خطاب رضی الله عنه التی عند الجبیلة فقال لعثمان دعنا نهدم هذه القبة وضعت علی الباطل وضل بها الناس عن الهدی فقال دو فاهدمها فقال الشیخ اخاف من اهل الجبیلة ان یوقعوا بنا ولا استطیع هدمها الا وانت معی فسار معه عثمان بنحو ستمائة رجل فلما اقتربوا منها ظهروا علیهم اهل الجبیلة یریدون ان یمنعوها فلما راهم عثمان علم ما هوابه فتاهب لحربهم فلما راؤا ذالك كفوا عن الحرب وخلوا بینهم وبینها ذكر لی ان عثمان لما اتاها قال للشیخ نحن لا نتعرضها فقال اعطونی الفاس فهدمها الشیخ بیده حتی ساواها۔ [1]

(پھر شیخ نے جبیلہ میں حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گنبد ڈھانے کا ارادہ کیا اور اپنے معاون عثمان سے کہا آؤ ہم دونوں مل کر اس قبہ کو گرا دیں جس نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ عثمان نے کہا یہ کام تم خود ہی کرو۔ شیخ نجدی نے کہا میں اہل جبیلہ سے ڈرتا ہوں وہ ہم پر حملہ کر دیں گے، میں تمہاری معاونت کے بغیر اس قبہ کو گرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ سن کر عثمان اپنے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ شیخ نجدی کو لے کر چل پڑا۔ جب اہل جبیلہ نے دیکھا تو وہ مزاحم ہوئے لیکن جب عثمان کے آدمی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے تو انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب عثمان قبہ کے پاس پہنچا، تو اس نے کہا ہم لوگ قبہ کو ہاتھ

[1] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱ ص ۱۰، ۹

نہیں لگائیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا مجھے کلہاڑی دو۔ پھر شیخ نجدی نے ہاتھ میں کلہاڑی لے کر قبہ توڑنا شروع کیا حتیٰ کہ اس کو زمین کے ہموار کر دیا۔)

شیخ نجدی نے اگرچہ عثمان کی معاونت سے چند مزارات گرا دیے تھے لیکن جس وسیع منصوبے کو لے کر شیخ نجدی اٹھا تھا، اس کی تکمیل کے لیے انہیں ایک مضبوط مرکزی قوت کی ضرورت تھی۔

شیخ نجدی کا ابن سعود سے رابطہ

شیخ نجدی انبیاء علیہم السلام کی تعظیم اور ان سے طلب شفاعت کے خلاف جو دعوت لے کر اٹھے تھے، اس کی کامیابی کے لیے انہیں تلوار کی قوت کی ضرورت تھی، ورنہ ان کے افکار و عقائد بھی ابن تیمیہ کی طرح صرف قرطاس وکتب تک محدود رہتے۔ اس نصب العین کی تکمیل کے لیے ان کی آنکھوں نے نجد کے سرداروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ بالآخر ان کی نگاہوں نے اس مہم کے لیے محمد ابن سعود کا انتخاب کر لیا اور محمد ابن سعود کی بیوی کے ذریعہ انہوں نے ابن سعود کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سردار حسنی لکھتے ہیں؛

عیینہ سے شیخ درعیہ میں پہنچے اور اپنے ایک شاگرد ابن سویلم کے ہاں مقیم ہوئے۔ ابن سویلم نے امیر محمد ابن سعود والیٔ درعیہ کی مدد حاصل کرنے کا وعدہ کیا، لیکن امیر درعیہ شروع میں رضامند نہ ہوا۔ اس کے بھائی جو اس عرصہ میں شیخ کے بید مداح ہو گئے تھے اور بعد میں اس کے بہترین مؤید ثابت ہوئے۔ امیر کو شیخ کی متابعت کے لیے ترغیب دیتے رہے۔ آخر ش امیر کی عقلمند اور ہوشیار بیگم کی مدد کے لیے مساعی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ امیر بھی شیخ کا معترف ہو گیا۔ [۱]

---

[۱] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۴

الیضاً، علی طنطاوی مصری، متوفی ۱۳۵۳ھ؛ محمد بن عبد الوہاب، ۳۰، ۲۹

"" عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ؛ عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱، ص ۱۱

امیر ابن سعود اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کے رابطہ کو ایک وہابی عالم نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے،

امیر محمد بن سعود جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسن اخلاق میں مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی۔ سب کے امراء سے اس نے ملنے میں پہل کی اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی۔ شیخ نے اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد) (واضح رہے جس جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب عرب کے مسلمانوں کے خلاف تیغ آزمائی تھا) پر مختصر سی تقریر کی اور اہلِ نجد کی برائیوں سے آگاہ کیا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا،

اے شیخ یہ تو بلا شبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے میں آپ کی امداد و اطاعت اور مخالفینِ توحید سے جہاد کے لیے تیار ہوں، لیکن دو شرطیں ہیں:

۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔

۲۔ اہلِ درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔ شیخ نے جواب دیا:

پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے، یا تھ ملاؤ الدم بالدم والھدم بالھدم (میرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی) رہی دوسری شرط، سو انشاء اللہ! تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا دل میں خیال بھی نہ آئے گا۔[۱]

---

[۱] مسعود عالم ندوی : محمد بن عبد الوہاب، ص ۴۰، ۲۹۶

〃 عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ : عنوان المجید فی تاریخ نجد، ج ۱ ص ۱۲

دعوتِ شیخ نجدی کی بزورِ شمشیر اشاعت

شیخ نجدی نے ابن سعود کی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مخالف مسلمانوں کی گردنوں پر کس طرح تیغ آزمائی اور مشقِ ستم کی۔ یہ سردار حسنی سے سنیئے:

امیر اور شیخ میں مودت اور موافقت کے اقرار ہوتے، چنانچہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ محمد بن عبدالوہاب کا۔ آج اس واقعہ کو دو سو برس گزر چکے ہیں، لیکن یہ تعلق اور اشتراک قائم ہے۔

معاہدہ کے وقت شیخ محمد بن عبدالوہاب کی عمر ۴۲ سال تھی، اسی سال شیخ نے توحید کے اجراء و نفاذ کے لیے مشرکین کے خلاف جنگ کر دی۔ (یاد رہے کہ مشرکین سے مراد عرب کے وہ مسلمان ہیں جو اسلاف کی روایات کو سینوں سے لگائے ہوئے تھے۔ انبیاً اور اولیاء سے توسل اور استغاثہ کو جائز سمجھتے تھے اور صحابہ کرام کے قبوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (قادری غفرلہٗ)

پہلا معرکہ ریاض موجودہ دارالسلطنت کے مقام پر امیر دہم بن دواس اور ابن سعود کے درمیان پیش آیا۔ ابن دواس سعودی وہابی اشتراک کے سخت مخالف تھا۔ وہ معمولی غلامی کی حالت سے امارت کے رتبہ تک پہنچا تھا اور اپنی کشمکش کے شروع میں امیر ابن سعود سے مدد حاصل کر کے رہینِ منت ہو چکا تھا۔ اس بات کے بھروسہ پر امیر ابن سعود نے ابن دواس کو شیخ کی متابعت کے لیے دعوت دی، لیکن ابن دواس نجد کے کسی شیخ یا امیر کی متابعت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ (ابن دواس دراصل صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اسلاف کی روایات کا حامل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ابن سعود نے اس کو امارت قائم کرنے میں مدد دی، لیکن ایک غیور مسلمان سے یہ کبھی توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ اپنے دین اور مسلک کو جاہ و منصب پر قربان کر دے گا۔ (قادری غفرلہٗ)

ابن دواس میں بڑی خوبی اس کی طبیعت کا استحکام و استقلال تھا۔ پورے تیس برس ابن سعود سے برسرپیکار رہا، کبھی فتح پاتا تھا کبھی شکست، لیکن کبھی ہمت نہ ہارا۔ پھر بھی رفتہ رفتہ امیر سعود نے ریاض کے علاوہ اس کی مملکت کے دیگر علاقہ جات فتح کر لیے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب اپنے متابعین کی جرأت کو بڑھاتے اور ان کے ایمان کو تازہ کرتے رہے۔ اسی طرح پر غیر فیصلہ کن جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ عبدالعزیز ابن امیر محمد بن سعود نے ۱۷۷۳ء میں ریاض کو فتح کر لیا، مگر ابن دواس کو گرفتار نہ کر سکا، کیونکہ وہ ہزیمت اٹھا کر صحرا میں بھاگ گیا تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس تیس سالہ جنگ میں ۱۷۰۰ موحدین مارے گئے اور اور ۲۳۰۰ نام نہاد مشرکین مارے گئے گویا ۴۰۰۰ عرب ناحق ضائع ہوئے۔ [1]

(مقام غور ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے وکیل نے بھی ابن دواس کے حامیوں کو نام نہاد مشرکین سے تعبیر کیا ہے، یعنی فی الواقع وہ مشرک نہ تھے مسلمان تھے، لیکن ابن عبدالوہاب کی وہابیت نے ان کو مشرک قرار دے کر ان کے مال و جان کو مباح کر ڈالا، جبکہ ان لوگوں کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے شیخ نجدی کی متابعت کا انکار کر دیا تھا۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ شیخ نجدی کی عدم موافقت پر ابن سعود کے نزدیک ہر وہ شخص واجب القتل تھا جو شیخ نجدی کی موافقت سے انکار کر دے۔ غالباً یہی وہ حقیقت ہے جس کے اعتراف کے طور پر سردار حسنی کو بھی ماننا پڑا، اس جنگ میں ۴ ہزار عرب ناحق ضائع ہوئے۔ (قادری غفرلہٗ)

امیر الحصا کی ابن سعود سے جنگ

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے جس نئے دین کی طرح ڈال کر تمام جزیرہ عرب کو مشرک

---

[1] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود ص ۴۲، ۴۳
" عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱ ص ۴۶ تا ۶۱ ملخصاً

قرار دیا تھا اور ابن سعود کے تعاون سے ان صحیح العقیدہ مسلمانوں کا خون بہانا شروع کر دیا تھا اس سے تمام جزائر عرب میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی، سابقہ پیراگراف میں ہم ابن دواس کے ساتھ ابن سعود کی جنگ کا حال بیان کر چکے ہیں۔ ابن دواس کے بعد امیر الحصا ابن سعود پر حملہ آور ہوئے۔ چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں؛

الحصا۔ کا امیر جو سلیمان سابق امیر کا جانشین تھا، بڑے کروفر سے سعودی طاقت پر حملہ آور ہوا، وہ اپنے ساتھ شتری توپیں لایا تھا جو کہ درعیہ کے محاصرہ میں استعمال کی گئیں۔ اس کے ساتھ ایک قسم کی گاڑی بھی تھی جس میں تیس سپاہی بیٹھ کر بیک وقت شہر کی فصیل پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ نجد کے بعض قبائل بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے، لیکن الحصاء کے امیر کو باوجود ساز و سامان کے شکست ہوئی اور وہ مغموم و محزون اپنے علاقہ کو واپس ہوا۔ پھر اس نے اور زیادہ توپ خانہ دے کر اپنے بیٹے سعدون کو یمامہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، لیکن وہ بھی شکست کھا کر ناکام پھرا اور توپ خانہ مخالف کی نذر کرتا گیا۔ اس طرح اس نے ایک حملہ بریدہ پر بھی کیا جس میں پھر اسے شکست ہوئی۔ لیکن ابن سعود کو بھی ایک نقصان ان لڑائیوں سے یہ ہوتا رہا کہ وہ قبائل جو بزور شمشیر موحد کیے گئے تھے، دشمن کی آمد سن کر ابن سعود اور شیخ دونوں سے باغی ہو جاتے تھے اور حملہ آور سے نپٹتے ہی باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کو مصروف ہونا پڑتا تھا۔ آئے دن کی بغاوتوں سے سعودی طاقت ضائع ہو رہی تھی۔ [1]

طاقت اور پیسے کے زور سے وہابیت کی اشاعت

اس پیراگراف کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نجد میں شیخ نجدی

---

[1] سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۳

اور ابن سعود نے کس طرح طاقت کے بل بوتے پر اپنا افکار لوگوں پر مسلط کیے اور مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی روایات سے بزورِ شمشیر ہٹا کر نام نہاد توحید میں داخل کیا، اس کی نظیر بالکل اس طرح ہے جیسے اندلس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ کر ان کو بجبر عیسائی بنایا۔ وہاں قانوناً اسلامی عقائد کو اپنانے کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا، چنانچہ بتدریج اندلس کی آبادی عیسائیت میں ڈھلتی گئی اور آج اسپین میں ایک مسلمان بھی نہیں پایا جاتا اور نہ وہاں قانوناً اسلام کی تبلیغ کے لیے کوئی عمل کیا جا سکتا ہے، بالکل اسی طرح شیخ نجدی اور ابن سعود نے جزیرہ عرب کے مسلمانوں کی شہ رگ پر خنجر رکھ کر ان کو بزور اپنے عقائد میں ڈھالا اور بعد میں ان کے آنے والے جانشین اس مہم میں بیش از بیش حصہ لیتے رہے، چنانچہ آہستہ آہستہ نجد اور اس کے قرب وجوار کی تمام آبادی اور حرم مکہ کی اکثریت وہابی عقائد میں ڈھلتی گئی۔ تلوار کے بعد اب دوسرا ہتھیار ان کے پاس سیم و زر کی تھیلیاں ہیں، جو تیل کے سیال چشموں کی صورت میں ان لوگوں کو حاصل ہوئیں۔ انہوں نے وہابی دعوت کی نشر و اشاعت کے لیے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دیے اور بے دریغ پیسہ لٹانا شروع کیا، چنانچہ موجودہ دَور کے ایک نجدی عالم لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام (یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی) کی تجدیدی مساعی کی روشنی میں اب بھی پورے زور شور سے کام ہو رہا ہے اور اشاعتِ اسلام میں کروڑوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔[1]

حالت یہ ہے کہ جس طرح موجودہ اسپین میں عیسائی عقائد کے خلاف اسلامی عقائد کی تبلیغ قانوناً جرم ہے، اسی طرح موجودہ عرب میں وہابی تحریک کے خلاف اہل سنت کے عقائد و افکار کی نشر و اشاعت قانوناً جرم ہے۔ جدہ کے ایئرپورٹ پر کسی چیز کی اتنی چیکنگ نہیں کی جاتی جتنی زبردست چیکنگ مذہبی لٹریچر کی کی جاتی ہے اور جن کتابوں کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو کہ ان سے وہابیت کو ٹھیس پہنچے گی ان کو فوراً کسٹم حکام روک لیتے ہیں۔

---

[1] شیخ احمد عبدالغفور عطار: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۲۸

چنانچہ ایک غیر مقلد وہابی عالم اپنے ۱۹۶۰ء کے سفرنامہ حجاز میں لکھتے ہیں:

کسٹم پر مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی، اگرچہ میرے ساتھ کچھ کتابیں تھیں اور ان میں سے بعض کتابیں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق مذہبی تھیں، لیکن کسٹم آفیسر صاحب نے ان کتابوں پر شک وشبہ کی نگاہ نہیں ڈالی، کیونکہ بعض کتابوں کے دیکھنے سے انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ میں بھی ایک سلفی العقیدہ (یعنی وہابی) ہوں۔ اس لیے انہوں نے میری سختی سے تلاشی لینے کو ضروری نہ سمجھا۔ مجھے بھی سب سے زیادہ ڈر کتابوں ہی کا تھا کیونکہ کتابوں کی تلاشی کے سلسلہ میں گزشتہ سفر ۱۹۵۶ء میں جدہ کے ہوائی اڈہ پر ہمیں جس پریشانی کا سامنا ہوا تھا، وہ مجھے خوب یاد تھی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں غیر مذہبی کتابوں کی تو خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے، لیکن مذہبی کتابوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ سعودی عرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں دوسری کتابوں کا تو یوں سمجھیے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا، لیکن مذہب اور خصوصاً عقائد سے متعلق کتابوں کو بڑے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بعض اوقات جب کسٹم والے خود ان کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کرسکتے، تو انہیں تحقیق کے لیے علماء کے پاس بھیج دیتے ہیں، یعنی جب تک علماء انہیں ناقابلِ اعتراض قرار نہ دے دیں، انہیں ملک کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔[1]

وہابیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے ظالمانہ ہتھکنڈے

سعودی عربیہ میں وہابیت کو کس طرح تحفظ دیا جاتا ہے، اس کا اندازہ اس تاریخی حقیقت سے کیجیے۔ یہی وہابی عالم لکھتے ہیں:

یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے بڑے دینی مناصب آل الشیخ (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے

[1] محمد عاصم، سفرنامہ ارض القرآن، ص ۵۶، ۵۵

خاندان) کے لیے مخصوص ہیں اور دوسرے لوگ صرف اسی صورت میں کسی دینی منصب پر مقرر کیے جاتے ہیں، جبکہ آل الشیخ میں کوئی آدمی موجود نہ ہو۔ حرم مکہ کے خطیب، اگرچہ شیخ عبدالمہیمن (مصری) ہیں، لیکن وہ حرم کے خطیب اوّل نہیں، بلکہ خطیب اول۔ آل شیخ کے ایک فرزند شیخ عبدالعزیز بن حسن ہیں جوان دنوں وزارتِ تعلیم کے سیکرٹری تھے اور اب وزیر ہوگئے ہیں۔ ؎

ان دونوں پیراگرافوں کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ سعودی عربیہ میں ظالمانہ منصوبے کے تحت نئی نسل کو وہابی بنایا جارہا ہے۔ جب وہاں کے باشندوں کو وہابیت کے سوا اور کوئی لٹریچر پڑھنے کے لیے میسر نہیں ہوگا اور ہر مسجد کے منبر پر وہابی خطباء وہابیت کا پرچار کریں گے اور نئی نسل کو پڑھنے اور سننے کے لیے وہابیت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا تو ظاہر ہے کہ بتدریج نئی نسل وہابیت میں ڈھلتی چلی جائے گی اور یوں پورا جزیرہ عرب وہابیت کا گہوارہ بن جائے گا۔ سپین میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے جو کارروائی کی تھی، وہی تاریخ سعودی عربیہ میں سُنّیوں کو وہابی بنانے کے لیے دہرائی جارہی ہے۔

ستم بالائے ستم

قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ سعودی عربیہ میں نجدیت اور وہابیت کے خلاف سُنّی لٹریچر قانوناً نہیں جاسکتا۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جن ممالک میں سنی مسلمانوں کی اکثریت ہے سعودی عرب وہاں وہابیت پر مشتمل لٹریچر نہ بھیجتی، لیکن یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ پاکستان جس کی اکثریت سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے، وہ تو اپنا لٹریچر سعودی عربیہ نہیں بھیج سکتے، لیکن سعودی سفارت خانے کے ذریعے پاکستان میں

؎ محمد عاصم : سفرنامہ ارض القرآن، ص ۹۹

وہابی لٹریچر جس کی ایک ایک جلد آٹھ آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے مفت تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اور کوئی احتجاج کرنے والا نہیں ہے کہ ظالمو! جب تم اپنے ملک میں ہمارا لٹریچر نہیں جانے دیتے، تو تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ تم اپنے عقائد و افکار کو پھیلانے کے لیے کروڑوں کی تعداد میں اپنی کتابیں مفت تقسیم کرواتے ہو، حتیٰ کہ پاکستانی اخبار مراسلہ کی شکل میں بھی یہ بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے کیونکہ ہماری حکومت سعودیہ حکومت کی وظیفہ خوار ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

سعود کے ہاتھوں مزارات کا انہدام

۱۲۰۷ھ میں محمد بن سعود کا بیٹا سعود احساء پر حملہ آور ہوا اور وہاں خونریزی اور ہلاکت کا بدترین مظاہرہ کیا۔ عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

ولما بلغ اھل الاحساء ھذہ الوقعۃ وقع فی قلوبھم الرعب وخافوا خوفا عظیما۔ ثم رحل سعود وقصد ناحیۃ الاحساء ونزل علی الماء المعروف بالرودنیۃ فی الطف فاقام علیہ ایاما واتتہ المکاتبات من اھل الاحساء یدعونہ الیھم لیا یعوہ فارتحل منھا وسار الی الاحساء ونزل علی عین خارج البلد فظھر علیہ اھلھا وبایعوہ علی دین اللہ ورسولہ والسمع والطاعۃ ودخل المسلمون الاحساء وھدموا جمیع ما فیہ من القباب التی بنیت علی القبور والمشاھد فلم یترکوا لھا اثرا۔[1]

---

[1] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد مطبوعہ ریاض ج ۱ ص ۹۸۔

(جب اہلِ احساء پر مظالم کی انتہا ہو گئی تو ان کے دلوں میں سعود کی فوجوں کا زبردست رُعب بیٹھ گیا اور وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور سعود نے احساء کے پانی کے ذخیرہ پر مقام طف میں قبضہ کر لیا اور وہاں کافی دنوں تک قبضہ برقرار رکھا، یہاں تک کہ اہلِ احساء کے سردار مجبور ہو کر سعود کے پاس آئے اور (ناچار) اس نے اہلِ احساء کی طرف سے بیعت کی پیشکش کی سعود شہر سے باہر ایک چشمہ کے پاس جا کر بیٹھا اور لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر نجدی افواج نے احساء کا رُخ کیا اور وہاں جس قدر مزارات پر گنبد بنے ہوئے تھے، ان سب کو گرا دیا اور مشاہد کے تمام آثار کو مٹا دیا)

اسی سال سعود نے حضرت امام حسن، حضرت طلحۃ اور دیگر صحابہ کے مزارات کو بھی منہدم کر دیا اور اس سلسلہ میں بے شمار مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا۔ عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

ثم نزل سعود علی الجامع المعروف قرب الزبیر فنهضت جمیع القباب والمشاهد التی خارج سور البلد وضعت علی القبور، و قبة الحسن وقبة طلحة ولم یبقوا لها اثرا۔ ثم انها اعیدت قبة طلحة والحسن بعد هدم الدرعیة ثم ان سعوداً امر علی المسلمین ان یحشروا علی قصر الدریهیمة فهدموه وقتلوا اهله۔[1]

(پھر سعود جامع زبیر پر حملہ آور ہوا اور جامع مسجد کے قریب جس قدر مزارات کے گنبد تھے اور شہر کے باہر جس قدر مزارات کے گنبد اور آثار تھے، وہ سب منہدم کرا دیے حتیٰ کہ امام حسن اور حضرت طلحہ کے مزارات کے گنبد بھی گرا دیے اور ان کی قبروں کا کوئی نشان تک نہیں چھوڑا۔ سقوطِ درعیہ کے بعد حضرت طلحہ اور امام حسن کے مزارات پر پھر گنبد بنا دیے گئے تھے۔ سعود نے دوبارہ نجدی فوجوں کو حکم دیا کہ دریہمہ کے قصر پر یلغار کریں انہوں نے دوبارہ تمام قبروں کو منہدم کر دیا اور ان حامیوں کو قتل کر ڈالا)

[1] عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ: عنوان المجد فی تاریخ نجد مطبوعہ ریاض ج ۱، ص ۱۳۲)

ابن سعود کا انتقال

سردار حسنی لکھتے ہیں: محمد ابن سعود کا انتقال ۱۷۶۵ء میں ہوا اور اس کا بیٹا عبد العزیز جانشین ہوا۔ باپ کے وقت پر بڑا مستعد مجاہد تھا۔ خود امیر ہونے پر سال میں چھ چھ مرتبہ غزوات کرتا رہا، اس کا بیٹا سعود باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا۔ اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر ہی نجف اشرف اور کربلا معلی پر حملے کیے اور وہاں کے مزارات مقدسہ کو تہ و بالا کر دیا۔ لوٹ اور غارت کا تو کچھ حساب ہی نہیں تھا۔ ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بد اعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں ایک شیعہ درعیہ میں آیا اور جب کہ سلطان عبد العزیز مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اس کو قتل کر دیا۔[1]

کربلا میں وہابیوں کے مظالم کی تفصیل

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں: اور اس سال ۱۲۱۶ھ سعود تمام نجد، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور بلد الحسین کے باشندوں پر حملہ کیا، یہ ذیقعدہ کا واقعہ ہے مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا، اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی (عنوۃً) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر بنایا گیا ہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر میں جو کہ مال متاع تھا (ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، قیمتی مصاحف اور بیشمار چیزیں) سب لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور ظہر کے وقت تمام مال لیکر وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کیے گئے۔[2]

---

[1] سید سردار محمد حسنی، بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ۴۴، ۴۳

[2] مسعود عالم ندوی: محمد بن عبد الوہاب، ص ۷۷

عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں،

(ثم دخلت السنة السادسة عشر بعد المائتين والالف) وفيها سار سعود بالجيوش المنصورة والخيل والعتاق المشهورة من جميع حاضر نجد وباديها والجنوب والحجاز وتهامة وغير ذالك وقصد ارض كربلا ونازل اهل بلد الحسين. وذالك فی ذی القعده فحشد عليها المسلمون وتسوروا جدرانها ودخلوها عنوة وقتلوا غالب اهلها فی الاسواق والبيوت، وهدموا القبة الموضوعة بزعم من اعتقد فيها على قبر الحسين واخذ والنصيبة التی وضعوها على القبر وكانت مرصوفة بالزمرد والياقوتين والجواهر واخذوا جميع ما وجدوا فی البلد من انواع الاموال والسلاح واللباس والفراش والذهب والفضة والمصاحف الثمينة وغير ذالك ما يعز عند الحصر ولم يلبثوا فيها الا ضحوة وخرجوا عنها قرب الظهر بجميع تلك الاموال وقتل من اهلها قريب الفی رجل. [1]

(۱۲۱۶ھ میں سعود اپنی طاقتور فوجوں اور گھڑ سوار لشکر جرار اور تمام نجدی غارتگروں کو ساتھ لے کر سرزمین کربلا پر حملہ آور ہوا اور ذیقعدہ میں نجدی سورماؤں نے بلدِ حسین کا محاصرہ کر لیا اور تمام گلیاں اور بازار اہالیانِ شہر کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ قتل عام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے قبہ کو منہدم کر دیا۔ روضہ کے اوپر جو زمرد، ہیرے جواہرات اور یاقوت کے جو نقش و نگار بنے ہوتے تھے، وہ سب لوٹ لیے۔ اس کے علاوہ شہر میں لوگوں کے گھروں میں جو مال و متاع، اسلحہ کپڑے حتی کہ چارپائیوں سے بستر تک اتار لیے اور یہ سب مال و متاع لوٹ کر تقریباً دو ہزار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نجد واپس لوٹ گئے۔)

---

[1] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد مطبوعہ ریاض ج ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۲

طائف میں غارت گری کے بارے میں عثمان نجدی لکھتے ہیں:

فاجتمعت تلك الجموع عند عثمان فساروا من قحطان وسار الیہ غیر ذالك من عتیبة وغیرھم فاجتمعت تلك الجموع عند عثمان فساروا الی الطائف وفیھا غالب الشریف وقد تحصن فیھا وتاھب واستعد لحربھم فنازلھم تلك الجموع فیھا فالقی اللہ فی قلبہ الرعب والھزم الی مکة وترك الطائف فدخلہ عثمان ومن معہ من الجموع وفتحہ اللہ لھم عنوة بغیر قتال وقتلوا من اھلہ فی الاسواق والبیوت نحو مائتین واخذوا من الاموال من البلد اثمانا وامتاعا وسلاحا وقماشا وشیئا من الجواھر واسلحة المثمنة مالا یحیط بہ الحصر ولا یدرکہ العد وضبط عثمان البلد وسلمت لہ جمیع نواحیہ وبوادیہ وجمع الاخماس وبعثوھا لعبد العزیز فقرر ولایة عثمان للطائف واستعملہ امیرا علیھا وعلی الحجاز۔[1]

سعود نے اپنے ایک کمانڈر عثمان کو سرزمین طائف کو لوٹنے پر مامور کیا۔ طائف کا امیر غالب شریف قلعہ بند ہو گیا۔ نجدیوں نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، یہاں تک کہ وہ جان بچا کر مکہ کی طرف نکل بھاگا۔ عثمان نے طائف کی گلیوں اور بازاروں کو مسلمانوں کی لاشوں سے بھر دیا اور دو سو سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا اور طائف کے گھروں سے مال و متاع، سونا، چاندی، اسلحہ اور تمام قیمتی اشیاء جن کا شمار بیان سے باہر ہے، لوٹ کر نجدیوں میں تقسیم کیا اور اس کا پانچواں حصہ عبد العزیز کے پاس بھیجا جس کے صلہ میں اس کو طائف اور حجاز کا امیر مقرر کر دیا گیا۔

---

[1] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، ص ۱۲۳، ج ۱

یہ ان لوگوں کی سیرت اور کردار کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جن کو محمد بن عبدالوہاب نے بزعمِ خود کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھال کر تیار کیا تھا۔ فیاللاسف۔

مکہ اور طائف کی فتح کے بعد سعود کی کارگزاری ملاحظہ فرمایئے۔ عثمان نجدی لکھتے ہیں:

ثم ان سعوداً والمسلمین رحلوا من العقیق ونزلوا المفاصل فاحرموا منها بعمرة ودخل سعود مکة واستولی علیها واعطیٰ اهلها الامان وبذل فیها من الصدقات والعطاء لاهلها شیئاً کثیراً، فلما فرغ سعود والمسلمون من الطواف والسعی فرق اهل النواحی یهدمون القباب التی بنیت علی القبور والمشاهد الشرکیة۔ [1]

(پھر سعود اپنے ساتھیوں کو لے کر مقامِ عقیق سے روانہ ہوا اور مفاصل پر اتر کر عمرہ کا احرام باندھا، مکہ میں داخل ہو کر اہلِ مکہ کو امان دی اور زرِ کثیر خرچ کیا۔ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سعود اور اس کے تمام نجدی ساتھیوں نے مکہ کے تمام مزارات سے گنبد گرا دیئے اور متبرک مقامات کی تمام علامات کو مٹا دیا۔)

عبدالعزیز بن سعود کے عہدِ حکومت کا خلاصہ

عبدالعزیز بن سعود کے دورِ حکومت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ایک وہابی عالم لکھتے ہیں:

عبدالعزیز محمد بن سعود نے ۱۷۶۵ء/۱۱۷۹ھ سے ۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ تک کل انتالیس سال حکومت کی اور اس حکومت کا بیشتر حصہ خود شیخ الاسلام کی نگرانی میں گزرا ۱۷۹۲ء/۱۲۰۶ھ تک عبدالعزیز نے نمایاں حیثیت تو اپنے والد ہی کے عہد میں حاصل

---

[1] عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ: عنوان المجد فی تاریخ ج ۱، ص ۱۲۳

کرلی تھی اور تمام اہم معرکے (۱۷۴۴ء/ ۱۱۵۹ھ سے ۱۷۶۵ء/ ۱۱۷۹ھ تک) اسی کی قیادت میں سر ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے اس کے دورِ حکومت میں تمام اہم لڑائیاں اس کے ولی عہد سعود بن عبد العزیز کی سرکردگی میں لڑی گئیں۔ اس پر امیر عبد العزیز نے خود شیخ الاسلام کی صحبت اٹھائی تھی، اس لیے تبلیغ و دعوت کا شوق اس کے دل و دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ جو علاقہ فتح ہوتا تھا، وہاں سب سے پہلے مبلغین اور مطوعین کا تقرر کرتا۔[1]

اس خلاصہ سے غالباً قارئین کرام پر واضح ہو گیا ہوگا کہ شیخ نجدی کس طرح تلوار کے زور پر علاقے پر علاقے فتح کر کے بے چارے مسلمانوں کو جبر و اکراہ سے اپنے عقائد میں ڈھالتا چلا گیا۔

سعود بن عبد العزیز

شیخ نجدی کی طویل زندگی میں نجد کے تین سردار سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ محمد بن سعود متوفی ۱۷۶۵ء/ ۱۱۷۹ھ، عبد العزیز محمد بن سعود ۱۷۶۵ء/ ۱۱۷۹ھ تا ۱۸۰۳ء/ ۱۲۱۸ھ[2] اور سعود بن عبد العزیز ۱۸۰۳ء/ ۱۲۱۸ھ تا ۱۸۱۴ء/ ۱۲۲۹ھ، نجد کے یہ تینوں سردار انتہائی ظالم اور سفاک تھے، ان کے مظالم دیکھ کر ہلاکو اور چنگیز خاں بھی رحم دل معلوم ہوتے ہیں۔ ان ظالموں نے ہنستے مسلمانوں کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ کر شیخ نجدی کے مشن کو پورا کیا اور دھڑا دھڑ لوگوں کی گردنیں اڑاتے چلے گئے۔ ان کے اموال کو اپنی ملک اور ان کی آبرو کو لونڈیاں بناتے چلے گئے۔

سعود بن عبد العزیز کی ولی عہدی کے بارے میں ندوی صاحب کہتے ہیں:

---

[1] مسعود عالم ندوی: محمد بن عبد الوہاب، ص ۸۴/ ۸۳

[2] سردار محمد حسنی نے یہی لکھا ہے لیکن مسعود عالم ندوی نے جو سنین کی فہرست دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجدی، سعود کے جانشین ہونے سے پہلے مر گیا تھا (قادری غفرلہ)

امیر عبدالعزیز کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا۔ سعود کے لیے امارت کی بیعت شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں ان کی ایما پر لی جا چکی تھی [۱]

سردار حسنی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

سعود پندرہ برس پیشتر اپنے والد کا جانشین قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کی مدد اور عوام کے دوبارہ انتخاب سے سعود امام نجد قرار پایا۔ شیخ محمد عبدالوہاب اب تک زندہ تھے سعود بن عبدالعزیز کے کارنامے اور اپنے معتقدات کی اشاعت کو روز افزوں ترقی پر دیکھ رہے تھے۔ سعود نے عرب کے دور دراز صوبوں پر ترکتازیاں کیں اور اپنی سلطنت کو وسیع کیا وہ یمن اور عسیر سے لے کر عمان، الحسا اور شمار تک پہنچا۔ آخر کار ۱۸۰۱ھ میں وہ بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا، لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اس واقعہ سے دس برس پیشتر یعنی ۱۷۹۱ء مطابق ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گئے تھے [۲]

قارئین کرام ہم نے چونکہ اس باب میں صرف شیخ نجدی کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے تھے، اس لیے سعود بن عبدالعزیز کے تاریخی مظالم پڑھنے کے لیے آئندہ ابواب کا انتظار فرمائیں۔

شیخ نجدی کی موت

ایک نجدی عالم شیخ نجدی کی موت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شوال ۱۲۰۶ھ میں ایک بیماری کے عارضہ نے شیخ الاسلام کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ وہ شخص جو زندگی بھر طلباء کے ہجوم میں چہکتا رہا، علمی جواہرات کی بارش برساتا رہا۔ آج ایک خوفناک مرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے ایک کونے میں پابند ہو گیا تھا۔ ذیقعدہ کے آخری دن ۲۲ جون ۱۷۹۲ء کو علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا، لیکن ان کی فکری توانائیاں"

---

[۱] مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب، ص ۸۵

[۲] سید سردار محمد حسنی، بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۴

ایمانی قوتوں اور انتھک مساعی نے جغرافیۂ عالم میں ایک اسلامی ریاست کا نقشہ ابھار کر دیا تھا اور نجد کی یہ اسلامی تحریک دن بدن زور پکڑتی جارہی ہے۔ [۱]

شوکانی کا مرثیہ

شیخ نجدی کی مرگ پر محمد بن علی شوکانی نے مرثیہ لکھا۔ مرثیہ میں درج ذیل اشعار کے تیور دیکھئے کہ جس شخص کی ساری زندگی انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کرنے میں گزری، اس کو کس طرح آسمانِ عقیدت پر پہنچا کر نبی کے متوازی کر دیا ہے ۔

امام الھدیٰ ماحی الردیٰ قامع الوریٰ	ومروی الصدی من فیض علم وناٸل
لقد مات طود العلم قطب رحی العلا	ومرکز ادوار الفحول الافاضل
محمد ذو المجد الذی عز درکہ	وجل مقاما عن طوق المطاول
لقد اشرقت نجد بنور ضیائہ	وقام مقامات الھدیٰ بالدلائل

(علم کا پہاڑ اونچائیوں کا مرکز فوت ہوگیا ہے، وہ فاضل نادر روزگار علماء کی محفل کا مرکز تھا، ہدایت کا پیشوا ہلاکت آفرینیوں کو ختم کرنے والا، دشمنوں کا قلع قمع کرنے والا، فیضانِ علم سے پیاسوں کو سیراب کرنے والا تھا جس کا نام محمد جو عظمت والا اونچے ادراک کا مالک تھا اس کا علمی مقام اتنا بلند کہ کوئی فخر کرنے والا وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تمام نجد کے مضافات اس کے آفتاب کی کرنوں سے روشن ہوچکا ہے اور دلائل کی قوت نے ہدایت کی منزلوں کو پرشکوہ بنا دیا ہے) [۲]

غور فرمایئے جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی نفع اور ضرر کی طاقت ماننے کو شرک اور کفر قرار دیتے ہیں، وہ کس طرح بے خوفی سے شیخ نجدی کو نفع، ضرر علم اور ہدایت کے آسمان پر پہنچا رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ ۔

---

[۱] شیخ احمد عبدالغفور عطار : شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ص ۱۰۷

[۲] محمد بن علی شوکانی : بحوالہ ،، ،، ،، ،، ۱۰۸

باب ۲

شیخ نجدی کی دعوت اور اس کی حقیقت

maablib.org

شیخ نجدی کی دعوت متعدد نکات پر پھیلی ہوئی ہے، ان تمام پر گفتگو کرنا اس ایک باب میں ممکن نہیں ہے۔ شیخ نجدی نے جس نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اس دعوت کے منکرین کو کافر اور واجب القتل قرار دیا۔ اس فتنہ کا رد کرنے کے لیے ہی وقت علماء اسلام اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور فتنۂ نجدیت کے ظہور سے لے کر آج تک اس فتنہ کے ابطال کے لیے اہل اسلام کے جملہ مکاتب فکر کے علماء نے متعدد کتابیں سپرد قلم کی ہیں ہم اس باب میں صرف توسّل، شفاعت اور استمداد کے تین عنوانوں پر بحث کریں گے۔

توسّل

توسّل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شیخ نجدی لکھتے ہیں:

فان اعداء الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون بها الناس عنه منها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد انه لا يخلق ولا يرزق ولا ينفع ولا يضر الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عليه السلام لا يملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا عن عبدالقادر اوغيره ولكن انا مذنب والصالحون لهم جاه عند الله واطلب من الله بهم. فجوابه بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم مقرون بما ذكرت ومقرون اوثانهم لا تدبر شيئا وانما ارادوا الجاه والشفاعة [1]

---

[1] محمد بن عبدالوہاب نجدی المتوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبہات ص ۲۱، ۲۲

دشمنانِ خدا کے دین رسول پر متعدد اعتراضات ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں کو صحیح دین پہنچانے سے روکتے ہیں، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ دشمنانِ خدا کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کرتے ، بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے ، نہ رازق ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور اوران باتوں میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد علیہ السلام بھی اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، چہ جائیکہ عبد القادر یا کوئی اور شخص ہو لیکن میں ایک گنہ گار شخص ہوں اور صلحاء، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاہ اور مرتبہ رکھتے ہیں، پس میں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں۔ پس ان کو وہ جواب دو جو گزر چکا ہے کہ جن لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا، وہ بھی انہی چیزوں کا اقرار کرتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں، وہ کسی چیز کے خالق رازق وغیرہ نہیں ہیں اور وہ ان سے صرف شفاعت اور جاہ کا ارادہ کرتے تھے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مسلمان انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاہ و عزت اور مرتبہ کے قائل ہیں اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں، وہ تمام مسلمان کافر ہیں اور اسی طرح جہاد کرنا واجب ہے جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ان کافروں اور بُت پرستوں سے جہاد کیا تھا جو اپنے معبودوں کی اللہ کے ہاں رسائی اور جاہ و مرتبہ کا اعتقاد رکھ کر ان کی عبادت اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کے وسیلہ اور شفاعت سے ان کی مرادیں پوری ہوں۔

شیخ نجدی کی یہ عبارت مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور جاہ ثابت نہیں۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا وسیلہ پیش کر کے دعائیں مانگنا جائز نہیں۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی عزت اور جاہ کے وسیلہ سے دُعا مانگنا کفار سے مماثلت کی وجہ سے

کفر ہے۔

توسل میں مسلمانوں اور کفار کا فرق

سب سے پہلے ہم کفار سے مماثلت کے نکتہ پر بحث کرتے ہیں،

(الف) کفار جن بتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور جاہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں ان کے لیے عزت اور جاہ کے حصول پر کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی، اس کے برخلاف انبیاء کے لیے اس مرتبہ کے حصول پر دلیل قائم فرمائی ہے۔

(ب) کفار بتوں کے بارے میں نفع پہنچانے اور ضرر دینے کا اعتقاد رکھتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کو یہ طاقت اصلاً عطا نہیں فرمائی۔ اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ ان دونوں امروں کی ہم انشاء اللہ عنقریب با دلائل وضاحت کریں گے۔

کفار جو بتوں کے بارے میں عزت وجاہ اور نفع وضرر کا عقیدہ رکھتے تھے، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں حضرت ہود علیہ السلام کا قول نقل فرماتا ہے:

اتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم واباؤکم ما نزل اللہ بھا من سلطان ؕ ۔

(کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو، ان اسماء کے بارے میں جن کے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نام رکھ لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیثیت پر کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی)

علامہ ابن کثیر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای اتحاجوننی فی ھذہ الاصنام التی سمیتموھا انتم واباؤکم الھۃ ولا تضر ولا تنفع ولا جعل اللہ لکم عبادتھا حجۃ

ولا دلیلا۔ ؎

(کیا تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے معبود مان لیا ہے جو نہ نفع دینے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ضرر کی اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی حجت اور دلیل قائم کی ہے۔)

علامہ ابن کثیر کی اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ کفار کا بتوں کے لیے اللہ کی بارگاہ میں عزت وجاہ اور نفع اور ضرر کی طاقت کو ثابت کرنا بلا دلیل تھا۔

مسلمانوں کے انبیاء سے توسل کرنے میں اور کفار کے عمل میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان باوجود یہ ماننے کے کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت وجاہ حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نفع اور ضرر کی قدرت عطا کی ہے، یہ اعتقاد رکھتے ہیں، مستحق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، وہ انبیاء اور اولیاء کو مستحق عبادت یا الٰہ نہیں قرار دیتے، بلکہ اس عقیدے کو کفر قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف کفار بتوں کو نہ صرف یہ کہ بلا کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاحب عزت ووجاہت اور نافع اور ضار مانتے ہیں، بلکہ ان کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں اور برملا ان کو الٰہ کہتے ہیں اور خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن کثیر کی تفسیر سابق سے بھی یہ بات واضح ہو چکی ہے اور ہم اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی ایک نص قطعی پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ؎

(اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے مددگار بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔)

؎ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۲۵

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ کفار بتوں کے ساتھ جو کچھ معاملہ کرتے تھے وہ عبادت کے عنوان سے کرتے تھے اور ان کو اپنا مستحق عبادت سمجھتے تھے اور یہ سب باتیں بلا دلیل ہیں۔

اور مسلمان جو انبیاء کرام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و وجاہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس پر بھی قرآن کریم میں دلیل موجود ہے، ان کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے نافع اور ضار سمجھتے ہیں، اس پر بھی قرآن کریم میں حجت موجود ہے اور ان کے توسل سے جو دعائیں مانگتے ہیں، تو ان کو معبود یا مستحق عبادت یا خدا کا شریک سمجھ کر نہیں بلکہ خدا کا عبد مقرب سمجھ کر ان کے وسیلے سے دعائیں کرتے ہیں اور اس پر بھی قرآن کریم میں دلیل موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بارگاہِ اُلوہیت میں وجاہت

آیئے اب اس امر پر غور کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور وجاہت حاصل ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وكان عند الله وجيها ۲۲/۶۹

(اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذو وجاہت تھے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

وجيها في الدنيا والاخرة ۳/۴۵

(حضرت عیسیٰ السلام، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور آخرت دونوں میں ذو وجاہت ہیں)

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجاہت کا اندازہ ان آیات سے لگایئے:

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ۲۱/۱۰۷

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر)

انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ میں کوئی قوم کفر و شرک کو نہ چھوڑتی، تو اس پر عذاب آجاتا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم [۸/۳۳]

(اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کافروں پر عذاب بھیجے، جبکہ آپ ان میں موجود ہیں۔)

جب آپ کی خواہش ہوئی کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاھا [۲/۱۴۴]

(بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں، ہم البتہ ضرور اسی قبلہ کی طرف آپ کا منہ پھیر دیں گے جس کی طرف منہ کرنے پر آپ راضی ہیں)

تمام مسلمانوں کا نماز پڑھنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، آپ اس لیے نماز پڑھیں تاکہ آپ خدا سے راضی ہو جائیں۔ ارشاد فرمایا:

فسبح واطراف النھار لعلک ترضیٰ [۲۰/۱۳۰]

(آپ صبح و شام نماز پڑھا کیجیے تاکہ آپ خدا تعالیٰ سے راضی ہو جائیں)

ان آیات کے نزول کو دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا،

ماأری ربک الا یسارع فی ھواک [۱]

(میں آپ کے رب کو نہیں پاتی، مگر اس حال میں کہ وہ آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے)

یہ چند آیات تو دنیا میں وجاہت کے بارے میں تھی۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت ملاحظہ فرمائیں:

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا [۱۷/۷۹]

---

[۱] محمد بن اسماعیل البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۶۶

(قریب ہے کہ رب تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا)

نیز فرمایا: ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ؕ

(عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)

آیئے اب احادیث صحیحہ کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجاہت ملاحظہ کیجیے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد اٰدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ اٰدم فمن سواہ الا تحت لوائی (ترمذی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سیّد (سردار) ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ آدم اور ان کے ماسوا تمام انبیاء اور رسل میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

الا وانا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ اٰدم فمن دونہ ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع یوم القیامۃ ولا فخر وانا اول من یحرک حلق الجنۃ۔ فیفتح اللہ لی فید خلنیھا ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والاٰخرین علی اللہ ولا فخر۔ (ترمذی)

یاد رکھو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں اور روزِ قیامت حمد کا جھنڈا اٹھاؤں گا، آدم اور ان کے ماسوا تمام نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں جنّت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ

نیسرے لیے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت والا ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

ان دلائل کو پڑھنے کے بعد کیا کوئی شقی القلب یہ کہہ سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بالعموم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عزت و وجاہت اور کوئی مرتبہ اور مقام حاصل نہیں ہے اور وہ کس قدر بدنصیب شخص ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بت دونوں اس بات میں برابر ہیں کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عزت و وجاہت حاصل نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ بتوں کی عزت اور شان میں بھی ایسی آیات اور احادیث دکھا سکتے ہیں، حتیٰ کہ دونوں کو ایک پلڑے میں رکھا جا سکے۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نفع اور نقصان کی طاقت عطا کی ہے

جس دوسرے نکتہ پر شیخ نجدی نے بحث کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نہ بتوں کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت حاصل ہے اور نہ انبیاء کو اور دونوں فریق اس امر میں مساوی ہیں۔ آیئے دیکھیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت دی ہے یا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے:

انك لتهدى الى صراط مستقيم ۴۲/۵۲

(بلا ریب آپ یقیناً صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں)

ما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله[1]

(ان منافقین کو نہ برا لگا، مگر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو اپنے فضل سے غنی کر دیا)

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ رسول اللہ کا فضل کہنا بھی جائز ہے۔ (آتش قصوری)

زید بن حارثہ کے بارے میں فرمایا،

انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ ۳۳/۳۷

(اللہ نے بھی (زید بن حارثہ) پر انعام فرمایا اور آپ نے بھی انعام کیا۔)

ان تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین وصف ذکر فرماتے ہیں، ہدایت دینا، غنی کرنا، انعام فرمانا۔ اب کوئی بتلائے کہ اگر ہدایت دینا، غنی کرنا اور انعام سے سرفراز کرنا، نفع پہنچانا نہیں ہے تو اور کس بلا کا نام نفع پہنچانا ہے اور آیئے اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ضرر پہنچانے کی قدرت دی ہے یا نہیں؟

والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم ۹/۶۱

(جو لوگ رسول اللہ کو تکلیف دیتے ہیں، ان کو دردناک عذاب ہوگا)

ایک اور مقام پر فرمایا:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا ۳۳/۵۷

(بلاریب جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اس حدیث میں ملاحظہ فرمائیں، امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل اور دیگر صنادید قریش آس پاس بیٹھے تھے، ان میں سے کسی نے کہا، فلاں شخص کے ہاں اونٹنی ذبح ہوئی ہے، اس کی آلائش (جیلی) کوئی شخص لے آئے اور جب یہ سجدے میں جائیں، تو ان کی پشت پر رکھ دی جائے۔ پس سب سے زیادہ بدنصیب شخص (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور عین سجدہ کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک پر وہ آلائش رکھ دی۔

عبداللہ بن مسعود اپنی صغرسنی کے باعث کچھ نہ کر سکے اور خبثاء ایک دوسرے کو دیکھ کر اشارے کرتے اور مذاق اڑاتے، حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فداہا نفسی وابی وامی تشریف لائیں اور کمال بے جگری سے وہ آلائش اٹھا کر پھینکی اور کفار کو بُرا بھلا کہا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر ان کافروں کا نام لے کر ان کی ہلاکت کی دُعا فرمائی اور ارشاد فرمایا، اے اللہ ابوجہل کو ہلاک کر، عتبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر، شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف کو ہلاک کر اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر۔ راوی کہتا ہے ساتواں ایک اور نام لیا تھا جو مجھے یاد نہ رہا (وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ تھا) عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں قسم ہے اس ربِّ ذوالجلال کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جن تمام لوگوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا تھا، میں نے ان سب کو بدر کے کنوئیں میں بے جان اوندھا پڑے ہوئے دیکھا تھا۔[1]

کیا اس صریح حدیث کے بعد بھی شیخ نجدی کے متبعین یہ کہیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخالفین کو ضرر پہنچانے کی قدرت عطا نہیں کی؟ ان دلائل کو پیش کرنے کے بعد ہم شیخ نجدی کے متبعین سے پوچھتے ہیں کہ کیا بتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نفع اور ضرر کی ایسی ہی طاقت دی ہے، کیا ان کے بارے میں نفع پہنچانے اور ضرر دینے کے بارے میں بھی اسی قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں، پھر شیخ نجدی کا عدم نفع وضرر میں انبیاء علیہم السّلام اور بتوں کو ایک پلڑے میں رکھنا حق ہے یا باطل، کفر ہے یا ایمان، تعصب، ضد اور عناد چھوڑ کر اپنے ضمیر سے سوال کیجئے اور دیکھئے اگر آپ کے ضمیر میں زندگی ہے تو وہ کیا جواب دیتا ہے؟

جب یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ اقدس میں عزت اور مقام جاہ اور مرتبہ بھی دیا ہے اور ان کو نفع اور نقصان کی طاقت بھی دی ہے تو آئیے اب دیکھیں کہ ان کے وسیلہ سے دُعا مانگنے کے لیے قرآن کریم میں ہدایت ہے یا نہیں۔

اللہ کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے،

---

[1] محمد بن اسماعیل البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۳۸ / ۳۷

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنة اللہ علی الکافرین [۱ / ۸۹]

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود کفار سے مقابلہ اور جنگ کی صورت میں حضور کا وسیلہ لے کر اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو انہوں نے حضور کو پہچانا اور آپ کا کفر اور انکار کیا پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کفار پر)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنے پر یہود کو ملامت نہیں کی، بلکہ حضور کے وسیلہ سے دعا مانگنے پر ان کو کفار کے خلاف فتح پر فتح عطا فرماتا رہا، البتہ جب انہوں نے اللہ کریم کے اس انعام کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور ان پر لعنت فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنے کے بارے میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چند حوالے ملاحظہ ہوں۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس ان یھود کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ فلما بعثہ اللہ من العرب کفروا بہ وجحدوا ما کانوا یقولون فیہ، فقال لھم معاذ بن جبل وبشر بن البراء بن معرور وداؤد بن سلمة یا معشر یھود اتقوا اللہ واسلموا فقد کنتم تستفتحون علینا بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ونحن اھل الشرک وتخبرونا بانہ مبعوث وتصفونہ بصفتہ فقال سلام بن مشکم اخو بنی النضیر ما جاءنا بشیئ نعرفہ وما ھو الذی کنا نذکر لکم فانزل اللہ فی ذلک من قولھم۔[۱]

---

[۱] حافظ اسماعیل بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ / تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۱۲۴

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ حضور کی بعثت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اوس اور خزرج کے خلاف فتح کی دعائیں کرتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مانگی ہوئی سابقہ دعاؤں کا انکار کر دیا تو معاذ بن جبل، بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ نے کہا: اے جماعت یہود خدا سے ڈرو اور اسلام لے آؤ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف حضور کے وسیلہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور ہم کو بتلایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مبعوث ہوں گے اور حضور کی ایسی صفات ہوں گی، اس کے جواب میں یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر سے سلام بن مشکم نے کہا کہ حضور ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں، یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی)

علامہ رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان الیھود من قبل مبعث محمد علیہ السلام ونزول القرآن کانوا یستفتحون، ای یسئلون الفتح والنصرۃ وکانوا یقولون اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی [1]

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے پہلے یہود حضور اکرم کے توسل سے دعائیں مانگتے تھے اور یوں کہتے تھے اے اللہ نبی امی کے توسل سے ہم کو فتح اور نصرت عطا فرما! یہ ابن عباس کی روایت ہے۔)

اور علامہ آلوسی نے یہود کی دعا کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی اٰخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون [2]۔

---

[1] امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۰۴ [2] السید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی ج ۱ ص ۳۲۰

(اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کی جاہ اور حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جس کی آخری زمانہ میں بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تو ہمیں ہمارے دشمنوں کے خلاف مدد عطا کر، پس ان کو مدد دی جاتی)

قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور مفسرین کرام کے ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگنا جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا واقعہ ہے۔ تو ہم قارئین کرام کی خدمت میں حدیث شریف سے دو حوالے پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی حیاتِ مبارکہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہر دو صورتوں میں حضور کے وسیلہ جلیلہ سے دعائیں مانگنا جائز ہے۔

توسل کا ثبوت احادیث سے

قرآن کریم کی آیہ مبارکہ اور اس کی تفسیر میں مستند مفسرین کے حوالوں کے بعد توسل کے ثبوت میں دو حدیثیں ملاحظہ ہوں:

امام ابن ماجہ اپنی سنن میں اور امام ترمذی اپنی جامع میں بیان فرماتے ہیں:

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا لبصراتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ لی ان یعافینی فقال ان شئت اخرت لک وھو خیر وان شئت دعوت فقال ادعہ فامرہ ان یتوضأ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعا اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فی قال ابو اسحق ھذا حدیث صحیح[1] (وقال الترمذی ھکذا حسن صحیح)

[1] ابو عبد اللہ یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۹۹ (۲) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۵۰

(حضرت عثمان بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ دُعا کیجئے' اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو دُعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا دُعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا جا کر اچھی طرح وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اور اس طرح دعا مانگو۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے حضور محمد نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ تو حضور کی میرے بارے میں شفاعت قبول فرما (ابن ماجہ کہتے ہیں) ابو اسحٰق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں توسل کا صراحۃً جواز ثابت ہوا اور چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، اس لیے یہ اپنے عموم اور اطلاق کے اعتبار سے بعد الوصال توسل پر بھی دلالت کرتی ہے۔

نیز امام بیہقی نے عثمان بن حنیف کی اسی روایت کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے دورِ خلافت میں ایک شخص کی حاجت پوری نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے اس کو بھی یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی، چنانچہ علامہ سبکی بیہقی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں!

عن عثمان بن حنیف ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجۃ لہ فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی ابن حنیف فشکا ذلک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف ایت المیضاۃ فتوضأ ثم ایت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک فیقضی حاجتی وتذکر حاجتک الحدیث۔ [1]

---

[1] شیخ تقی الدین سبکی، شفاء السقام ۱۶۱

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربارِ خلافت میں کسی کام سے جاتا تھا، وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اس کی عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جاکر وضو کرو، پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں؛ اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں اپنی اس ضرورت کے پورے ہونے کے لیے متوجہ ہوتا ہوں، پھر تم اپنی حاجت کا ذکر کرنا الخ

صحابہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کے تمام اکابر اور مستند علماء اور فقہاء اسلام جوازِ توسل کے قائل رہے ہیں اور اس پر ان کا عمل رہا ہے۔ اگر ہم ان کے تفصیل وار حوالے پیش کریں، تو بحث طویل ہو جائے گی، تاہم اس اجمال سے یہ بات بہر حال ظاہر ہو جاتی ہے کہ شیخ نجدی نے وسیلہ سے دعا مانگنے کو کفر قرار دے کر تمام امتِ مسلمہ کو کافر قرار دیدیا۔

شفاعت

جمہورِ امتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً شفاعت کا اذن دے دیا ہے اور اب کسی کی شفاعت کرنے کے لیے حضور کو اذنِ خاص کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گنہ گار افرادِ امت کے لیے شفاعت کا حکم دیا گیا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی حیاتِ مقدسہ میں اور بعد از وصال ہر دو صورتوں میں شفاعت طلب کرنا جائز ہے، جائز ہی نہیں بلکہ سعادت ہے۔

اس کے برخلاف شیخ نجدی کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا مرتبہ دیا گیا ہے، لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مخصوص اذن کے بغیر کسی شخص کی

شفاعت نہیں کر سکتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا صرف ممنوع ہی نہیں بلکہ کفر ہے، جس کے بعد شفاعت طلب کرنے والے کا قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا مباح ہو جاتا ہے۔

مسئلہ شفاعت میں شیخ نجدی کا موقف اور اس کا بطلان

اجمالی طور پر ہم سطور سابقہ میں مسئلہ شفاعت میں شیخ نجدی کا موقف بیان کر چکے، اب ہم ان کی اپنی تصریحات سے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں،

ولا یشفع فی احد الامن بعد ان یاذن اللہ فیہ۔[1]

(اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا)

ولا یشفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا غیرہ فی احد حتی یاذن اللہ فیہ[2]

(اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اور شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کے لیے شفاعت کر سکے گا)

فان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی الشفاعۃ وانا اطلبہ مما اعطاہ اللہ فالجواب ان اللہ اعطاہ الشفاعۃ ونہاك عن ھذا فقال فلا تدعوا مع اللہ احدا[۱۸] فاذا کنت تدعو اللہ ان یشفع نبیہ فیك فاطعہ فی قولہ (فلا تدعوا مع اللہ احدا[۱۸]) وایضا فان الشفاعۃ اعطیھا غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصح ان الملائکۃ یشفعون والاولیاء یشفعون والافراط یشفعون اتقول ان اللہ اعطاھم الشفاعۃ فاطلبھا منھم فان قلت ھکذا رجعت الی عبادۃ الصالحین التی ذکر اللہ فی کتابہ وان قلت لا بطل قولك اعطاہ اللہ الشفاعۃ وانا اطلبہ مما اعطاہ اللہ[3]

---

[1] محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبہات ص ۳۶

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳۷

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت دی گئی ہے اس لیے میں آپ سے اس شفاعت کو طلب کرتا ہوں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو) عطا کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شفاعت عطا کی ہے اور تم کو حضور سے شفاعت طلب کرنے سے روک دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ علاوہ ازیں حضور کے علاوہ فرشتے، اولیاء اور کمسن بچے بھی شفاعت کریں گے، تو کیا تم یہ کہو گے کہ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے شفاعت عطا کر دی اور میں ان سے شفاعت طلب کرتا ہوں تو یہ صالحین کی عبادت کے مترادف ہے یا یہ کہو گے کہ نہیں تو تمہارا یہ قول باطل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عطا کی ہے اور میں آپ سے اس شفاعت کو طلب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

شیخ نجدی کا یہ قول بوجوہ باطل ہے۔

(الف) شیخ نجدی کا یہ قول بلا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے شفاعت طلب کرنے سے منع کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں کوئی نص نہیں ہے جس کا منادیہ ہے کہ حضور سے شفاعت نہ طلب کی جائے۔ شیخ نجدی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو یہ آیت پیش کی ہے فلا تدعوا مع اللہ احداً اس کا شفاعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور شفاعت طلب کرنا عبادت نہیں ہے ورنہ حضور اکرم کی حیات میں آپ سے شفاعت طلب کرنا اور عرصہ محشر میں انبیاء کرام سے شفاعت طلب کرنا بھی عبادت قرار پا کر ممنوع ہوتا اور شفاعت کی یہ قسم نہ صرف یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ شیخ نجدی کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

فاستغاثتهم بالانبياء يوم القيامة يريدون منهم ان يدعو الله ان يحاسب الناس حتى يستريح اهل الجنة من كرب الموقف وهذا جائز في الدنيا والآخرة وذلك ان تاتي عند رجل صالح

حتی یجالسك ویسمع کلامك فتقول ادع اللہ لی کما کانوا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسألونہ ذلك فی حیاتہ ۔ واما بعد موتہ فحاشا کلا انہم سألوہ ذلك عند قبرہ بل انکر السلف الصالح علی من قصد دعاء اللہ عند قبرہ فکیف دعاءہ بنفسہ[1]

(مخلوق کا عرصہ محشر میں انبیاء کرام سے مدد طلب کرنا اس پر محمول ہے کہ وہ ان سے عرض کریں گے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سے جلدی حساب لے لے اور حشر کی تکلیفوں سے نجات ملے اور یہ دنیا اور آخرت دونوں میں جائز ہے۔ بایں طور کہ تو کسی نیک شخص کے پاس جا کر دعا کی درخواست کرے جو تیری مجلس میں ہو اور تیرا کلام سن رہا ہو جس طرح حضور کے صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے لیکن آپ کے وصال کے بعد ہرگز ہرگز کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، چہ جائیکہ انہوں نے حضور سے دعا کی درخواست کی ہو۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام یا دیگر انبیاء سے شفاعت طلب کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے تو وہ حضور کی حیات ظاہری میں دنیا اور آخرت میں کیونکر جائز ہوگی۔ ثانیاً یہ کہ قرآن کریم کی جس آیت سے شیخ نجدی نے استدلال کیا ہے فلا تدعوا مع اللہ احدا (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو) اس میں عموم اور اطلاق ہے، اس کو قبر کے ساتھ مقید کرنے پر کونسی صریح آیت یا صحیح حدیث شیخ نجدی نے پیش کی ہے، جبکہ شیخ نجدی کا مدعا یہ ہے کہ قبر پر جا کر انبیاء اور اولیاء سے شفاعت کی درخواست نہیں کرنی چاہیئے۔ اس آیت میں کونسا لفظ قبور پر دلالت کرتا ہے جس کے سبب شیخ نجدی نے اس آیت کو قبر سے شفاعت طلب کرنے کے منع پر محمول کیا ہے۔

نیز شیخ نجدی کا یہ کہنا کہ اس شخص سے دعا کی درخواست کی جائے جو زندہ ہو اور

---

[1] محمد بن عبدالوہاب، متوفی ۱۲۰۶ھ کشف الشبہات، ص ۵۸

طالب شفاعت کا کلام سُن رہا ہو تو گزارش ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں چنانچہ صحیح حدیث مسلم شریف میں ہے کہ شبِ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، کی قبر سے گزر ہوا، تو آپ نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نیز خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و سماع کے بارے میں ابن قیم جوزیہ طبرانی اور ابن ماجہ کے حوالے سے حدیث ذکر کرتے ہیں؛

عن ابی الدرداء، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود وتشھدہ الملائکۃ، لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

(ابو درداء بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں فرشتے آتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو ہم نے عرض کیا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی فرمایا: ہاں وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اور اولیاء کرام کی قبر میں حیات اور ان کے سماع کے لیے ابن کثیر کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں؛

وقد ذکر الحافظ ابن عساکر فی ترجمۃ عمرو بن جامع من تاریخہ ان شابا کان یتعبد فی المسجد فھویتہ امرأۃ فدعتہ الی نفسھا فمازالت بہ حتی کاد یدخل معھا المنزل فذکر ھذہ الآیۃ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون فخر مغشیا

لہ شمس الدین محمد ابی بکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، ص ۶۳

کہ اس حدیث کی سند کی تحقیق کیلئے ذکر بالجہر تصنیف علامہ سعیدی ج ۲ ص ۲۲۸ تا ۲۳۳ ملاحظہ فرمائیں۔ (قادری غفرلہٗ)

عہ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ لاہور

علیہ ثم افاق فاعادھا فمات فجاء عمر فعزی عمر اباہ وکان قد دفن لیلا فذھب فصلی علی قبرہ بمن معہ ثم ناداہ عمر فقال یا فتی ولمن خاف مقام ربہ جنتان فاجابہ الفتی من داخل القبر یا عمر قد اعطانیھما ربی عزوجل فی الجنۃ مرتین[1]

حافظ ابن کثیر نے عمرو بن جامع کی سوانح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک نوجوان مسجد میں عبادت کرتا تھا اس پر ایک عورت فریفتہ ہوگئی اور اس کو ہمیشہ اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی رہی حتیٰ کہ ایک دن وہ نوجوان اس کے گھر چلا گیا۔ ناگاہ اس کو یہ آیت یاد آئی ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون[2] ۔ وہ خوف خدا سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے دوبارہ اسی آیت کو پڑھا اور بیہوش ہوگیا اور پھر فوت ہوگیا۔ اسی رات کو اسے دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر نے اس کے باپ سے تعزیت کی اور اس کی قبر پر دعا کرنے کے بعد فرمایا: اے نوجوان جو شخص خدا کے خوف سے فوت ہو اس کو دو جنتیں ملتی ہیں۔ نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا مجھے اللہ عزوجل نے جنت دو مرتبہ عطا فرما دی۔

شیخ نجدی نے صالحین سے دعا کرانے کا جو خود ساختہ معیار مقرر کیا تھا۔ اس معیار کے مطابق بھی انبیاء اور اولیاء کی قبور پر ان سے دعا کی درخواست کرنے کا جواز ثابت ہوگیا، کیونکہ ابن کثیر اور ابن قیم جوزیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، زائرین کا کلام سنتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بات سننے والے کان رکھتا ہو تو اس کو جواب بھی دیتے ہیں۔

---

[1] حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ : تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۷۹

[2] جو لوگ متقی ہوتے ہیں جب ان کو کوئی شیطانی طائفہ چھیڑتا ہے، تو انہیں خدا یاد آجاتا ہے اور وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

رہا شیخ نجدی کا یہ کہنا کہ پھر اولیاء کرام وغیرہم سے بھی طلب شفاعت کرنی چاہیئے، ورنہ حضور سے بھی طلب شفاعت باطل ہے، تو یہ شیخ نجدی کی خود فریبی ہے، اہلِ اسلام ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء کرام سے بھی اپنی دینی اور دنیاوی مشکلات میں شفاعت طلب کرتے ہیں۔

اہلِ اسلام کا شفاعت میں مسلک

اہلِ اسلام کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اذن مطلق دے دیا ہے، بلکہ امت کے گنہگار افراد کے لیے شفاعت کا حکم دیا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی زندگی میں شفاعت کی درخواست کی اور وصال کے بعد عہد صحابہ میں لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کو طلب کرنا آج تک اہل اسلام کا معمول ہے۔

شفاعت کا اذنِ مطلق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذنِ مطلق دے دیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ۔ [1]

---

[1] امام محمد بن اسماعیل البخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۴۸

(حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ کو پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو اس سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت پر جو دشمن ہوں، ان پر میرا رعب طاری کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور تیمم کو جائز کر دیا گیا۔ پس میری امت جب بھی نماز کا وقت پائے تو اس کو ادا کرلے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاعت عطا کر دی اور گزشتہ نبی کسی ایک قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں۔)

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کرنے کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے حالانکہ انبیاء سابقین کو بھی شفاعت عطا کی گئی ہے اور انہوں نے اللہ سے شفاعت طلب کی ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، ومن عصانی فانک غفور رحیم (اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے) نیز فرمایا: ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب (اے اللہ میری بخشش فرما، میرے والدین کی اور سب مسلمانوں کی)، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت کرتے ہوئے فرمایا، ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم (اگر تو ان کو عذاب دے تو تو مالک ہے اور اگر بخش دے، تو تو زبردست اور حکمت والا ہے) اور اولیائے سابقین نے شفاعت کرتے ہوئے کہا، ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (اے اللہ ہم کو بھی بخش دے اور ہم سے پہلے جو مسلمان بھائی فوت ہو چکے ہیں، اُن کو بھی بخش دے۔)

قرآن کریم نے جو حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ اور اولیاء سابقین کی شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا ہے، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اذن دے دیا تھا ورنہ وہ کبھی شفاعت نہ کرتے۔ اب رہا یہ امر کہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے شفاعت کو اپنی خصوصیت کیوں قرار دیا ہے۔ اس کا صاف اور واضح جواب یہی ہے کہ باقی انبیاء اور اولیاء کی شفاعت صرف اپنی اپنی قوم کے ساتھ خاص تھی یعنی ان کو صرف اپنی قوم کی شفاعت کا اذن دیا گیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن مطلق فرمایا ہے۔ وللہ الحمد۔

اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق والعموم شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی قید کے فرمایا: جس مسلمان نے بھی میری قبر کی زیارت کی یا جس مسلمان نے بھی اذان کے بعد میرے لیے وسیلہ (جنت میں مقامِ اعلیٰ) کی دعا کی، اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی۔[۱]

رہا یہ امر کہ بعض احادیث میں اس قسم کا مضمون بھی وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر افراد کی شفاعت کی اجازت دی جائے گی، آپ اتنے افراد کی شفاعت فرمائیں گے[۲] اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اذن خاص اذن عام کے منافی نہیں ہے۔

شفاعت کا حکم دینا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صرف شفاعت کا اذنِ عام ہی نہیں دیا، بلکہ شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاعف عنهم واستغفر لهم ۳/۱۵۹

(آپ خود بھی ان کو معاف کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ان کی شفاعت کیجیے)

واستغفر لهن الله ان الله غفور رحيم ۶۰/۱۲

(اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کیجیے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

---

[۱] حافظ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، السنن الکبریٰ ج ۴، ص ۲۴۵
اس حدیث کو دار قطنی اور ابن خزیمہ نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا اور شوکانی نے کافی بحث کے بعد لکھا ہے کہ طبرانی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۸،

[۲] امام مسلم بن حجاج القشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱، ص ۶۶

واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (محمد: ۱۹)

(اے محبوب! اپنے خاص احباب اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے شفاعت کیجیے)

قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً مسلمانوں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ دنیا ہو، برزخ ہو یا آخرت اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں بھی مسلمانوں کی شفاعت کی ہے، برزخ میں بھی ہر پیر اور جمعرات کو شفاعت فرماتے ہیں اور اب بھی جب کوئی شخص شفاعت طلب کرے تو شفاعت فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی شفاعت فرمائیں گے اور اس کے بعد بھی جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن نہیں دیا گیا ہے ان کے حق میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو وہ قرآن کریم کی ان آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا علم نہیں رکھتے یا باوجود علم کے ان آیات اور احادیث کا انکار کرتے ہیں۔

شفاعت طلب کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا، برزخ اور آخرت ہر جگہ شفاعت طلب کرنا جائز ہے اور عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام اہل اسلام کا معمول رہا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرتے چلے آئے ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی الامم فاخذ النبی یمر معہ الامۃ والنبی معہ النفر والنبی معہ العشرۃ والنبی معہ الخمسۃ والنبی یمر وحدہ ونظرت فاذا سواد کبیر قلت یا جبرائیل ھؤلاء امتی قال لا ولکن انظر الی الافق فنظرت فاذا

سواد کبیر ھؤلاء امتک وھؤلاء سبعون الفا قدامھم لاحساب علیھم ولا عذاب قلت ولم قال کانوا لا یکتوون ولا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون فقام الیہ عکاشۃ بن محصن فقال ادع اللّٰہ ان یجعلنی منھم قال اللھم اجعلہ منھم ثم قام الیہ رجل اٰخر فقال ادع اللّٰہ ان یجعلنی منھم قال سبقک بھا عکاشۃ۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمام امتوں کے احوال دیکھے۔ ہر نبی اپنی اپنی امت کے ساتھ جا رہے تھے کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی، کسی کے ساتھ دس شخص ہوتے کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ ایک اور کوئی نبی علیہ السلام اکیلے جا رہے ہوتے۔ میں نے دیکھا ایک جگہ بڑی تعداد میں لوگ کھڑے تھے میں نے کہا: اے جبرائیل کیا یہ میری امت ہے؟ جبرائیل نے عرض کیا، ادھر آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیے، میں نے دیکھا، تو لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ جبرائیل نے کہا، یہ آپ کی امت ہے اور یہ جوان سب کے آگے ستر ہزار شخص جا رہے ہیں، ان سے نہ حساب لیا جائے گا نہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ عرض کیا، یہ وہ لوگ ہیں (جو بلا ضرورت) جسم پر داغ نہیں لگواتے تھے اور نہ (زمانہ جاہلیت) کے منتر پڑھتے تھے اور نہ بدشگونی کرتے تھے اپنے رب پر توکل کرتے تھے، عکاشہ نے کہا: حضور میرے لیے شفاعت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے کہا اے اللہ اس کو ان میں سے کر دے ایک شخص اور کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا، میرے لیے بھی شفاعت کیجیے، آپ نے فرمایا، تم سے پہلے عکاشہ کہہ چکا ہے۔[2]

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۸۔ [2] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دوسرے شخص کے لیے دعا نہیں فرمائی۔ اس کی علماء اسلام نے متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ نے کہا کہ وہ شخص منافق تھا۔ ابن جوزی نے کہا کہ پہلے شخص نے صدق قلب سے کہا تھا اور دوسرا شخص دیکھا دیکھی کھڑا ہو گیا تھا اور یہ احتمال تھا کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور لائن لگ جاتی بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم نبوت سے جانتے تھے کہ یہ شخص اس گروہ میں شامل ہونے کا اہل نہیں ہے۔ قاضی عیاض

اس حدیث شریف سے ایک واضح بات جو معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذنِ عام مل چکا ہے اور ہر شخص کی شفاعت کے لیے آپ کو خاص اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ عکاشہ اور دوسرے شخص کی درخواست شفاعت پر آپ پہلے یہ فرماتے: پہلے میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی اجازت حاصل کرلوں، پھر شفاعت کروں گا۔ دوسری اہم بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنا جائز ہے، ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت طلب کرنے سے منع فرما دیتے اس سلسلے میں شیخ نجدی کا یہ فرق کرنا باطل ہے کہ زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے اور بعد از حیات جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود وضاحت فرما دیتے کہ میرے وصال کے بعد مجھ سے شفاعت طلب نہ کرنا، اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں جو حیات اور بعد از حیات کا فرق ختم کر دیتی ہیں، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عبد اللہ بن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حج کر کے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس شخص نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہے۔

پس جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کی حیاتِ مقدسہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنا جائز تھا، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے عموم اور اطلاق پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔

(اگر مسلمان گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں، آپ کی بارگاہ میں آجائیں، خدا سے معافی چاہیں اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کریں، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ اگر گناہ کرلیں تو حضور کے پاس آئیں اور آنے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہیں۔ اس کی تائید اگلے جملہ سے ہو رہی ہے، جس میں فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے شفاعت فرمادیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی حیات یا بعد از حیات کی کوئی قید نہیں لگائی، اس لیے اس آیت کو اپنے عموم اور اطلاق پر ہی رکھنا ہوگا اور محض قیاس فاسد سے اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا اور اگر بالفرض اس کو حضور اکرم کی حیات ظاہری کے ساتھ مقید کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام جو پہلے ہی حضور انور کی تربیت اور فیضِ صحبت سے معمور تھے۔ ان کی بخشش کے لیے تو ایک صورت مقرر کردی اور بعد کے لوگ جو حضور کی تعلیم و تربیت، فیضانِ نظر اور شرفِ صحبت سب سے محروم تھے اور جو بُعدِ زمانہ کی وجہ سے گناہوں میں زیادہ مستغرق اور بخشش کے ذرائع کے زیادہ مستحق تھے۔ ان کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے امید کا کوئی سہارا نہیں چھوڑا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضلِ عمیم اور اس کی وسیع رحمت سے انتہائی مستبعد ہے پھر جب قرآن کے تمام احکام تکلیفیہ اور صحابہ سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے عام ہیں، تو اس حکم کو صرف صحابہ کے ساتھ کیوں خاص کیا جاتا ہے، کیا وہابیہ کی اس تخصیص سے ایک عام ذہن یہ نہیں سوچے گا۔ احکامِ تکلیفیہ کی مشقت میں تو ہم کو صحابہ کے ساتھ رکھا اور جب حصولِ شفاعت کے انعام کی باری آئی تو ہم کو صحابہ کرام سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نکتہ آفرینی سے لوگ اسلام کے

قریب ہوں گے یا اسلام سے دُور!

مستند مفسرین نے اس آیت کو اپنے عموم پر ہی رکھا ہے، چنانچہ علامہ نسفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جاء اعرابي بعد دفنه عليه السلام فرمى بنفسه على قبره وحثا من ترابه على راسه وقال يارسول الله قلت وسمعنا وكان فيما انزل الله عليك ولو انهم اذ ظلموا انفسهم وقد ظلمت نفسي و جئتك استغفر الله من ذنبي فاستغفر لي من ربي فنودي من قبره قد غفر لك۔[1]

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک اعرابی حضور اکرم کی قبر انور پر آیا اور آپ کی قبر سے لپٹ گیا اور خاک سر پر پھیر کر کہنے لگا جس وقت قرآن کریم نازل ہوا ہم نے سنا آپ نے فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا الآية میں گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر چکا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں آکر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں حضور آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کیجیے، اس کے لیے قبر سے آواز آئی، جا تو تم کو بخش دیا گیا۔)

اور حافظ ابن کثیر اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم) الآية يرشد الله تعالى العصاة والمذنبين اذا وقع منهم الخطاء والعصيان ان ياتوا الى الرسول صلى الله عليه وسلم فيستغفروا الله عنده ويسئلوه ان يغفر لهم فانهم اذا فعلوا ذلك تاب الله عليهم ورحمهم وغفر لهم ولهذا قال:

(لوجدوا الله توابا رحيما) وقد ذكر جماعة

---

[1] علامہ ابو البرکات عبد اللہ احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۰۱ھ، مدارک التنزیل ج ص ۲۳۴

منهم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابه الشامل الحکایة المشهورة عن عتبی قال کنت جالسا عند قبر النبی صلی الله علیه وسلم فجاء اعرابی فقال السلام علیك یارسول الله سمعت الله یقول (ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما[2]) وقد جئتك مستغفرا لذنبی مستشفعا بك الی ربی ثم انشأ یقول

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه — فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه — فیه العفاف وفیه الجود والکرم

ثم انصرف الاعرابی فغلبتنی عینی فرایت النبی صلی الله علیه وسلم فی النوم فقال: یا عتبی الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر له [1]

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام خطا کاروں اور گنہ گاروں کو ہدایت کی ہے کہ جب ان سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو جائے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آجائیں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور حضور سے بھی سوال کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی مغفرت کے لیے شفاعت کریں اور جب یہ گناہ گار اس طرح کریں گے تو اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا اور ان کو بخش دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ، لوجدوا الله توابا رحیما اور علماء کی ایک عظیم جماعت نے ذکر کیا ہے جس میں سے شیخ ابوالمنصور الصباغ نے بھی اپنی کتاب "الشامل" میں لکھا ہے کہ عتبی بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: "السلام علیک یارسول اللہ میں نے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لوگ اپنی جانوں پر گذر کر کے ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب آپ کے پاس آجائیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں اور آپ بھی ان کی شفاعت کر دیں تو اللہ تعالیٰ

---

[1] حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰/۵۱۹

ان کو بخش دے گا، پس میں آپ کے پاس اس حال میں آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر استغفار کر رہا ہوں اور آپ سے اپنے رب کے حضور شفاعت کا طالب ہوں، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔ اے ان تمام لوگوں سے برتر جن کے اجزاء زمین میں مدفون ہیں اور ان اجزاء کی خوشبو سے تمام زمینیں اور ٹیلے مہک اٹھے، میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں، اس میں عفو و درگزر ہے سخاوت ہے اور رحمت و کرم ہے۔ یہ اشعار پڑھنے کے بعد اعرابی چلا گیا۔ مجھے اچانک نیند آگئی، دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، اے عتبی اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اس کو جا کر یہ نوید سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے)

اس آیت میں حافظ ابن کثیر نے وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جس کو تمام اہل اسلام عہد رسالت سے لے کر آج تک کہتے چلے آئے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حضور سے شفاعت طلب کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔ حافظ ابن کثیر وہ شخص ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے، انہوں نے بھی حضور سے طلب شفاعت کو جائز قرار دیا ہے اور شیخ نجدی ابن تیمیہ کے چار سو سال بعد ظاہر ہوئے اور انہوں نے بدعقیدگی میں اس قدر غلو کیا کہ ابن تیمیہ، ابن کثیر اور ابن قیم کی روحیں بھی انہیں حیرت سے تکتی رہ گئیں۔ ابن تیمیہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت سے محروم تھا، لیکن شیخ نجدی اس محرومیت میں ابن تیمیہ کو بھی کوسوں میل پیچھے چھوڑ گیا اور کشف الشبہات میں بغیر کسی رکاوٹ اور حجاب کے صاف لکھ دیا:

"تم خوب جانتے ہو کہ ان لوگوں کا محض اقرار توحید کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا اور ان کا انبیاء، ملائکہ اور اولیاء سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم کرنا اور ان کا قرب چاہنا یہی وہ سبب ہے جس کے پیش نظر ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا

جائز ہو گیا ہے۔ [1]

نبیوں اور ولیوں کی تعظیم اور قرب چاہنا

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی تعظیم کے بارے میں بھی چند دلائل ملاحظہ فرما لیجیے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا ۲۴/۶۳

(رسول اللہ کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو) نیز فرماتا ہے:

یا ایہا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ ۴۹/۲

(اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی مت کرو اور نہ زور سے ان کے سامنے بات کرو جیسے کہ آپس میں زور سے بات کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو سکے)

غور فرمائیے جن کو عامیانہ انداز میں بلانا ناجائز ہو، جن کی آواز پر اونچی آواز ہو جانے سے اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو جن کے فیصلے کے خلاف دل میں ناگواری آئے، تو ایمان چلا جاتا ہے۔ ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ کو کس قدر مطلوب ہو گی اور یہ تعظیم صرف اشارات و کنایات اور التزامی دلائل سے ثابت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی بعثت سے ڈھائی ہزار برس پہلے تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم نازل فرمایا تھا اور قرآن کریم میں اس حکم کی پھر تجدید فرمائی اور ارشاد کیا:

فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ہم المفلحون۔ ۷/۱۵۷

---

[1] محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبہات، ص ۲۱/۲۰

(پس جو لوگ نبی اُمّی پر ایمان لائیں گے، ان کی تعظیم کریں گے اور دین میں ان کی مدد کریں گے اور اس نور (قرآن کریم) کی پیروی کریں گے جو ان پر نازل ہوا، وہی کامیاب و کامران ہوں گے)

قرآن کریم کی اس نص صریح کے بعد بھی کیا کوئی شخص اس بات میں تردد کر سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کا قرب حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے یا نہیں تعظیم کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب چاہنے کے بارے میں بھی ملاحظہ فرمائیں؛

ایک مرتبہ ربیعہ بن کعب اسلمی کی خدمت سے خوش ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سل فقلت اسئلك مرافقتك فی الجنة ۔ [1]

(مانگو کیا مانگتے ہو، عرض کیا، حضور جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں)

اور قرآن کریم میں ہے؛

من یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔

(جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہ آخرت میں اللہ کے انعام یافتہ بندوں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ ہوں گے)

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب ثوبان رضی اللہ عنہ، نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور کیا یہ ممکن ہے کہ جنت میں میں آپ کے ساتھ رہوں۔

ان تمام آیات اور احادیث کا مقتضیٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور قرب چاہنا اللہ کا مطلوب اور صحابہ کا معمول ہے۔

اور ولیوں کی تعظیم کے بارے میں امام بخاری کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں؛

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قال من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب ۔ [2]

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۳

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے، میں اس سے جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں)

قرآن کریم کی آیاتِ صریحہ، احادیثِ صحیحہ اور وہابیہ کے مستند مفسرین اور اہلِ اسلام کے تعامل سے یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کی تعظیم کرنا، ان کا قرب چاہنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا اللہ تعالیٰ کا مامور اور مطلوب ہے صحابہ کرام اور خیار مسلمین کا معمول ہے اور تمام اہلِ اسلام کے نزدیک یہ اعمال محمود اور مسعود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کے نزدیک یہی امور کفر و شرک ہیں اور انہیں اعمال کی بنا پر وہ مسلمانوں کی جان و مال کو اپنے لیے مباح اور حلال کر لیتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

"استمداد اور استغاثہ"

تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے ان کی زندگی میں اور وصال کے بعد ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف شیخ نجدی نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے ان کی زندگی میں جب وہ قریب ہوں، تو ان سے مدد طلب کرنا جائز لکھا ہے اور حالتِ غیبوبت میں اور وصال کے بعد ان سے مدد طلب کرنے کو ناجائز لکھا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں؛

سبحان من طبع علی قلوب اعدائہ فان الاستغاثۃ بالمخلوق فیما یقدر علیہ لا ننکرھا کما قال اللہ تعالیٰ فی قصۃ موسیٰ (فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ) وکما یستغیث الانسان باصحابہ فی الحرب وغیرھا فی الاشیاء التی یقدر علیھا المخلوق

ونحن انکرنا استغاثة العبادة التی یفعلونها عند قبور الاولیاء، او فی غیبتهم فی الاشیاء التی لا یقدر علیها الا الله [1]

(پاک ہے، وہ ذات جس نے اپنے دشمنوں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جن چیزوں پر مخلوق کو قدرت ہے۔ ان چیزوں میں مخلوق سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی قوم کے ایک شخص نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف مدد چاہی یا جیسے کوئی شخص جنگ میں اپنے ساتھیوں سے مدد طلب کرتا ہے جس پر اس کو قدرت ہوتی ہے۔ ہم اس استمداد اور استغاثہ سے منع کرتے ہیں جو لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر یا ان کی غیوبت میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان اشیاء پر جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے)

شیخ نجدی کا یہ کلام بوجوہ باطل ہے۔

اولاً اس لیے کہ شیخ نجدی کا حیات اور بعد از حیات کا فرق کرنا باطل ہے کیونکہ اگر غیر اللہ سے استمداد کفر اور شرک ہے تو ان کی زندگی میں بھی کفر و شرک ہوگی اور ان کی زندگی کے بعد بھی کفر و شرک ہوگی اور اگر ان کی زندگی میں ان سے مدد چاہنا شرک نہیں ہے تو بعد از ممات بھی شرک نہ ہوگا۔

ثانیاً قدرت کا فرق کرنا بھی باطل ہے کیونکہ حقیقتاً ہر چیز پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کی دین اور عطا سے اس کی دی ہوئی قدرتوں سے انبیاء اور اولیاء وصال سے پہلے اور وصال کے بعد مانگنے والوں کی مدد کرتے ہیں دلائل حسب ذیل ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ

---

[1] محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ کشف الشبہات، ص ۵،

اس سے پہلے شفاعت کی بحث میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں عتبی کی یہ روایت ذکر کی ہے۔ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آپ سے شفاعت طلب کی۔ اس کے علاوہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور علامہ سبکی نے اس کو پوری سند کے ساتھ شفاء السقام میں نقل کیا ہے:

عن مالك الدار قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله عنه فجاء رجل الی قبر النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله استسق الله لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المنام فقال ایت عمر فاقرءه السلام واخبره انهم مسقون وقل له علیك الكیس الكیس فاتی الرجل عمر فاخبره فبكی عمر رضی الله عنه ثم قال یا رب ما الوا الا ما عجزت عنه۔[۱]

(مالک الدار بیان کرتے ہیں) کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط پڑ گیا۔ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے، کیونکہ مسلمان بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں زیارت سے مشرف کیا اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ، ان سے میرا سلام کہو اور ان کو خوشخبری دو کہ عنقریب بارش ہوگی اور ان سے کہو کر تدبر سے کام لیں۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان کا ماجرا بیان کیا حضرت عمر رونے لگے اور کہنے لگے اے اللہ عمر وہی کام چھوڑتا ہے جس کی اس کو طاقت نہ ہو۔)

اس اثر کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور طبرانی نے معجم صغیر میں بیان فرمایا ہے۔

---

[۱] شیخ تقی الدین سبکی شافعی، شفاء السقام، ص ۱۲۵،

اس اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون کے قرنِ خیر میں ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ کیا اور حضرت عمر کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور کسی صحابی نے حتیٰ کہ حضرت عمر نے بھی اس پر نہ کوئی نکیر کی اور نہ ملامت کی۔ پس ثابت ہوا کہ قبر سے استغاثہ صحابہ کا معمول تھا، کیونکہ اس واقعہ کو وہاں کسی اجنبی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا۔

حالتِ غیبوبت میں استغاثہ

شیخ نجدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی شخص پاس موجود ہے، تو اس سے استمداد اور استغاثہ جائز ہے اور جب وہ دور یا غائب ہو تو اس سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ عقلاً یہ فرق باطل ہے، کیونکہ جو چیز قریب سے موجب شرک ہوگی، وہ دُور سے بھی موجب شرک ہوگی۔ اس کے علاوہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے دُور سے اور حال غیبوبت میں استمداد اور استغاثہ کیا ہے، چنانچہ امام بخاری اور قاضی عیاض اور دیگر محدثین کرام بیان کرتے ہیں:

خدرت رجل ابن عمر فقال رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد وفی روایۃ فصاح یا محمداہ فانتشرت رجلہ۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر کا پیر سُن ہوگیا، ان سے کسی شخص نے کہا، جو تم کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کرو، حضرت عبداللہ بن عمر نے بآواز بلند کہا، یا محمدا تو ان کا پاؤں اسی وقت ٹھیک ہوگیا۔

حضرت ملا علی قاری شرح شفا میں یا محمداہ کے تحت لکھتے ہیں:

قصد بہ اظہار المحبۃ فی ضمن الاستغاثۃ [3]

---

[1] محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ الادب المفرد، ص ۱۴۲ [2] قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ شفاج ۲ ص ۱۸، [3] علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح شفاج ۲ ص ۱۶

(حضرت عبداللہ بن عمر نے اظہارِ محبت کے ضمن میں بطورِ استمداد و استغاثہ یا محمد پکارا۔
اس اثر سے یہ ثابت ہو گیا کہ بحالِ غیبوبت میں استغاثہ کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا اور جو چیز صحابہ کرام کے معمولات سے ہو' اس پر عمل کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس سے ہٹ کر عمل کے لیے راستہ تلاش کرنا یا معمولِ صحابہ کو غلط بلکہ شرک قرار دینا بدترین گمراہی ہے۔

قدرت اور عدم قدرت کا مغالطہ

شیخ نجدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان امور میں بندوں سے استغاثہ کرنا جائز ہے جو (عام حالات میں یا عادتاً) ان کی قدرت میں ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک اسرائیلی نے مدد چاہی یا جیسے کوئی شخص لڑائی میں کسی دوست سے مدد طلب کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو امور عام حالات میں اور عادۃً بندوں کی قدرت میں نہیں ہوتے' ان میں بندوں سے استغاثہ جائز نہیں ہے۔ شیخ نجدی کا یہ فرق کرنا قرآن کریم کے صراحۃً خلاف ہے۔

تختِ بلقیس یمن میں تھا اور بیت المقدس سے سینکڑوں میل کی مسافت پر واقع تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو منگانا چاہا تو درباریوں سے کہا یا ایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین ۲۷/۳۸ (اے درباریو! تم میں سے کوئی شخص اس تخت کو ان کے مسلمان ہونے سے پہلے لاکر دے سکتا ہے) یہ اس وقت کی بات ہے کہ بلقیس اور اس کے ساتھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لیے چل پڑے تھے۔ ایک بہت بڑے جن نے عرض کیا: میں آپ کے دربار برخاست ہونے سے پہلے لاکر حاضر کر دوں گا (قال عفریت من الجن انا اتیک به قبل ان تقوم من مقامک ۲۷/۳۹) حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بھی پہلے چاہتے تھے' چنانچہ انہوں نے فرمایا: میں اس سے بھی پہلے چاہتا ہوں' تو حضرت

سلیمان علیہ السلام کے کاتب آصف بن برخیا نے کہا: انا اٰتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک تیرا پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو حاضر کردوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوگیا۔ سلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت بلقیس منگوانا اور ان کے کاتب آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کردینا خواہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہو یا آصف بن برخیا کی کرامت۔ اس واقعہ سے یہ بات بہر حال ثابت ہوگئی کہ جن چیزوں پر عادتاً عام لوگوں کو قدرت نہیں ہوتی۔ ان چیزوں کے حصول کے لیے اولیاء کرام سے رجوع کرنا سراسر حق اور سراپا ہدایت ہے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام درباریوں سے یہ نہ کہتے کہ مجھے دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت چاہیے نہ قرآن کریم اس واقعہ کو بیان کرتا، بلکہ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جن چیزوں کا حصول عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتا، ان کے حصول کے لیے اولیاء کرام کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

سیدہ میمونہ کی قبر سے استغاثہ

سابقہ سطور میں ہم نے اولیاء کرام کی زندگی میں ان امور میں ان سے استغاثہ کی دلیل فراہم کی تھی جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے۔ اب وصال کے بعد ان سے ان چیزوں کے حصول میں استغاثہ پر دلیل ملاحظہ فرمائیں جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے سید احمد بریلوی متوفی ۱۲۵۷ھ عقائد میں شیخ نجدی کے ہمنوا تھے، چنانچہ شیخ عطار نے لکھا ہے: ہندوستان میں سید احمد بریلوی نے ان کے مشن کو زندہ کیا اور وہاں کے کفار یعنی اسلاف کی روایات کے حامل مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار رہے۔ ؎

سلہ حافظ اسماعیل بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۴ / ۳۶۳ (ملخصاً)

؎ شیخ احمد عبد الغفور عطار، شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب، ص ۱۰۹

سید محمد علی، سید احمد بریلوی کے بڑے بھانجے کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ سید احمد نے ان کو بڑی برکات سے نوازا تھا اور بقول سید احمد بریلوی اللہ تعالیٰ نے سید محمد علی کو سید احمد بریلوی کی بیعت لینے کے لیے وکیل مقرر کیا تھا (مخزنِ احمدی، ص ۷۰) یعنی سید احمد بریلوی شیخ نجدی کے پرتو تھے اور سید محمد علی سید احمد کے مقبول بارگاہ تھے، خلاصہ یہ ہوا کہ سید محمد علی بھی سید احمد بریلوی کی طرح شیخ نجدی کے افکار کے پیروکار تھے۔ بہرحال چونکہ سید محمد علی شیخ نجدی کے گروہ کے آدمی تھے، اس لیے ان کے اقوال شیخ نجدی کے اتباع پر حجت ہیں، ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

دریں منزل قریب نصف شب بوادی سرف کہ مزار فائض الانوار جناب میمونہ علیہا وعلی بعلہا الصلوٰۃ والسلام من اللہ الملک العلام رسیدیم از اتفاقاتِ عجیبہ آنکہ آں روز ہیچ طعام نخوردہ بودیم چوں از خواب آں وقت بیدار شوم از نہایت گرسنگی طاقتم طاق و صبر رویم در محاق بود بطلب نان پیش ہر کس دویدم و بمطلب نرسیدم بناچار برائے زیارت در حجرہ مقدسہ رفتم و پیش تربت شریفہ گدایانہ ندا کردہ گفتم کہ ای جدہ امجدہ من مہمان شما ہستم چیزے خوردنی عنایت فرما و مرا محروم از الطاف کریمانہ نورسنما آنگاہ سلام کردم و فاتحہ اخلاص خواندہ ثوابش بروح پُرفتوحش فرستادم آنگاہ نشستہ سر بر قبرش نہادہ بودم از رزاق مطلق ودانائے برحق دو خوشہ انگور تازہ بدستم افتادہ طرفہ تر آنکہ آں ایام سرما بود وہیچ جا انگور تازہ میسر نبود بحیرت افتادم ویکے ازاں ہر دو خوشہ ہموں جا نشستہ تناول نمودہ از حجرہ بیرون شدم ویک یک را از ہر یک تقسیم کردم وگفتم: ؎

یافت مریم گر بہنگام شتا — میوہ ہائے جنت از فضل خدا
ایں کرامت در حیاتش بود وبس — بعد فوتش نقل ننمود است کس
بعد فوت زوج ختم المرسلین — رفتہ چندیں قرن ہائے دُور بین
بنگر از وے ایں کرامت یافتم[۱] — مایۂ صد گونہ نعمت یافتم[۲]

---

[۱] سید محمد علی مخزنِ احمدی، ص ۹۹

(آدھی رات کے قریب ہم وادی سرف پر پہنچے جہاں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار فائض الانوار ہے' اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے شوہر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرمائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا جب میں سو کر اٹھا، تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی، میری طاقت میں اضمحلال آگیا تھا اور چہرہ کملا گیا تھا، روٹی مانگنے کے لیے میں ہر کسی کے پاس گیا، لیکن مطلب کو نہ پہنچا' آخر بے بس ہو کر سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کی زیارت کے لیے گیا اور فقیرانہ انداز سے صدا لگائی اور میں نے آپ سے عرض کیا، اے میری دادی جان میں آپ کا مہمان ہوں کوئی چیز کھانے کی عنایت فرمائیں اور اپنے در اور لطف و کرم سے محروم نہ فرمائیں۔ پھر میں نے سلام عرض کیا اور فاتحہ پڑھ کر روح کو ثواب پہنچایا اور آپ کی قبر انور پر سر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ جو رازق مطلق ہے اور ہمارے احوال سے واقف ہے، اس کی طرف سے مجھ کو انگور کے دو تازہ خوشے ملے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ ایام سرما تھے اور ان دنوں وہاں انگور کا ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا۔ ان خوشوں میں سے کچھ میں نے وہیں کھائے اور باقی حجرہ سے باہر آکر میں نے ایک ایک دانہ ہر ایک کو تقسیم کیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے، حضرت مریم نے اگر ایام سرما میں جنت کے میوے فضل خدا سے پائے، ان کی یہ کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی اور ان کی وفات کے بعد یہ کرامت ثابت نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی وفات کے اتنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اے دیکھنے والے دیکھ کہ میں نے آپ سے اس کرامت کا ظہور پایا اور صد ہزار نعمت کے حصول کا مرتبہ پایا)

غور فرمائیے کہ قبر سے استمداد اور استغاثہ کی یہی صورت ہے جس کو وہابیہ کی زبانیں کفر و شرک کہتے نہیں تھکتیں۔ سید احمد بریلوی کے بھانجے اور مصنف مخزن احمدی سید محمد علی نے ام المومنین کی قبر سے استغاثہ کیا ہے اور اس کو سید احمد کی سوانح میں لکھ کر چھاپ دیا ہے، اس کے باوجود وہ کٹر موحد اور ماحی بدعت و شرک کے لقب سے نوازے جاتے ہیں اور دیگر اہل اسلام اگر یہی عمل کر لیں تو وہ کافر و مشرک اور مباح المال والدم قرار دیے جاتے ہیں۔ فیا للاسف۔

باب ۳

شیخ نجدی کے بارے میں عالمِ اسلام کے تاثرات

شیخ نجدی نے جو اپنے خانہ ساز عقائد کی عالم اسلام کو دعوت دی اور اس دعوت کے انکار کو وجہ کفر قرار دے کر تمام مسلمانوں کو واجب القتل قرار دیا اور جہاں جہاں اس کا بس چلا، اس نے اپنے ان مذموم مقاصد کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی شیخ نجدی کی اس تکفیر عام اور بہیمانہ قتل و غارت گری کے خلاف اس وقت سے لے کر آج تک کے علماء اس کی تحریک کے بطلان پر کتابیں لکھتے چلے آرہے ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے ان بے شمار کتابوں میں سے چند کتابوں کے اقتباسات پیش کرتے ہیں اور ابتداء میں شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ کی شہرہ آفاق کتاب الصواعق الالٰھیۃ کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب شیخ نجدی کی تکفیر مسلمین پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(و مما) یدل علی ان کلا مکم و تکفیر کم لیس بصواب ان الصلوٰۃ اعظم ارکان الاسلام بعد الشہادتین و مع ھذا ذکروا ان من صلاھا ریاء الناس ردھا اللہ علیہ ولم یقبلھا منہ بل یقول اللہ تعالٰی انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ غیری ترکتہ وشرکہ و یقول لہ یوم القیمۃ اطلب ثوابک من الذی عملت لاجلہ فذکروا ان ذلک یبطل العمل ولم یقولوا ان فاعل ذلک کافر حلال المال والدم بل من لم یکفرہ کما ھو مذھبکم فیما اخف من

ذلك بكثير وكذالك السجود الذى هو اعظم هيئات الصلوة الذى هو اعظم من النذر والدعا وغيره فرقوا فيه وقالوا من سجد لشمس اوقمر اوكوكب اوصنم كفروا واما السجود لغير ما ذكر فلم يكفروا به بل عدوه فى كبائر المحرمات ولكن حقيقة الامر انكم ما قلدتم اهل العلم ولا عبارا تهم وانما عمدتكم مفهومكم واستنباطكم الذى تزعمون انه الحق من انكره انكر الضروريات واما استدلالكم بمشتبه العبارات فتلبيس ولكن المقصود انما نطلب منكم ان تبينوا لنا وللناس كلام ائمة اهل العلم بموافقة مذهبكم هذا وتنقلون كلامهم ازاحة للشبهة وان لم يكن عندكم الا القذف والشتم والرمى بالعزبة والكفر فالله المستعان لأخر هذه الامة اسوة باولها الذين انزل الله عليهم لم يسلموا من ذلك۔

فصل: ومما يدل على عدم صوابكم فى تكفير من كفرتموه ان الدعاء والنذر ليسا بكفر ينقل عن الملة وذلك ان النبى صلى الله عليه وسلم امر فى الحديث الصحيح ان تدرء الحدود بالشبهات وقد روى الحاكم فى صحيحه وابوعوانة والبزار بسند صحيح وابن السنى عن بن مسعود رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا انفلتت دابة احدكم بارض فلاة فلينا د يا عباد الله احبسوا يا عباد الله احبسوا يا عباد الله احبسوا ثلاثا فان لله حاضرا سيحبسه وقد روى الطبرانى ان اراد عونا فليقل يا عباد الله اعينونى ذكر هذا الحديث الائمة فى كتبهم ونقلوه اشاعة وحفظا للامة ولم ينكروه منهم النووى فى الاذكار

وبن القیم فی کتابه الکلم الطیب وابن مفلح فی الاداب قال فی الاداب بعد ان ذکر هذا الاثر قال عبد الله بن الامام احمد سمعت ابی یقول حججت خمس حجج فضللت الطریق فی حجة وکنت ماشیا فجعلت اقول یا عباد الله دلونا علی الطریق فلم ازل اقول ذلک حتی وقعت علی الطریق (انتهی)

اقول حیث کفرتم من سأل غائبا او میتا بل زعمتم ان المشرکین الکفار الذین کذبوا الله ورسوله صلی الله علیه وسلم اخف شرکا ممن سأل غیر الله فی برا وبحر واستدللتم علی ذلک بمفهومکم الذی لا یجوز لکم ولا لغیرکم الاعتماد علیه هل جعلتم هذا الحدیث وعمل العلماء بمضمونه شبهة لمن فعل شیئا مما تزعمون انه شرک اکبر فانا لله وانا الیه راجعون۔ قال فی مختصر الروضة الصحیح ان من کان من اهل الشهادتین فانه لا یکفر ببدعة علی الاطلاق ما استند فیها الی تأویل یلتبس به الامر علی مثله وهو الذی رجحه شیخنا ابو العباس ابن تیمیة[1] (انتهی)

توحید و رسالت کی گواہی سے مسلمانوں کی تکفیر پر رد

تمہارے عقائد اور تکفیر کے صحیح نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن نماز ہے، اس کے باوجود جو شخص ریاکاری کے طور پر نماز پڑھتا ہے، اس کے بارے میں فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرمائے گا، بلکہ فرماتے گا ہیں دوسرے شرکاء کی نسبت اپنے شرک سے

[1] شیخ سلیمان بن عبد الوہاب، متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق الالٰہیہ، ص ۳۴ تا ۳۵

زیادہ بے پرواہ ہوں۔ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا میں اس کے عمل اور شرک کو چھوڑ دیتا ہوں اور قیامت کے دن ریاکار سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جا، جا کر اپنا اجر اس شخص سے طلب کر جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا۔ ایسے شخص کے بارے میں فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ اس کا عمل باطل ہے اور یہ نہیں کہا کہ اس کو قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا جائز ہے، جبکہ تم اس سے بہت ہلکی اور معمولی بات کو کفر قرار دیتے ہو۔

سجدہ کی بناء پر تکفیر مسلمین کا رد

اسی طرح نماز کے تمام ارکان میں سب سے اہم رکن سجدہ ہے اور نذر و نیاز اور غیر اللہ کو پکارنے کی بنسبت سجدہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے، حالانکہ فقہاء اسلام نے سجدہ کے احکام میں بھی فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص سورج، چاند، ستارے، یا بت کو سجدہ کرے، وہ کافر ہے اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرے، وہ کفر نہیں گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ تم فقہاءِ اسلام اور ان کی عبارات کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ جو کچھ تم نے بطورِ خود سمجھا ہے، اسی میں حق کو منحصر سمجھتے ہو اور اس کو ضروریاتِ دین سے قرار دے کر اس کے منکر کو کافر قرار دیتے ہو اور جن مشتبہ عبارات سے تم استدلال کرتے ہو، وہ محض تمہاری مغالطہ آفرینی ہے۔ ہمارا تم سے مطالبہ یہ ہے کہ تم اپنے خود ساختہ مذہب کی تائید میں فقہاء اسلام میں سے کسی مسلّم فقیہہ کی نصِ صریح پیش کرو، اور اگر تم ایسی کسی عبارت کے پیش کرنے کے بجائے محض سب و شتم اور تکفیر پر اکتفا کرتے ہو، تو ہم تمہارے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

لہ اللہ کے علاوہ کسی شخص کو سجدہ عبودیت کرنا کفر ہے اور سجدہ تعظیم کرنا گناہ کبیرہ ہے (قادری)

تکفیرِ مسلمین کے رد پر پہلی حدیث

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں، حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابو عوانہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحرا میں گم ہو جائے تو وہ تین بار کہے اے عباد اللہ! (اے اللہ کے بندو) مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں، اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اس حدیث کو فقہاء اسلام نے اپنی کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعتِ عام کی ہے اور معتمد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، چنانچہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن القیم نے اپنی کتاب "الکلم الطیب" میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے "کتاب الآداب" میں اور ابن مفلح نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل) سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ مجھے راستہ دکھاؤ، میں یونہی کہتا رہا، حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آ لگا۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی غائب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اس کی تکفیر کرتے ہو، بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک

ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو بحر و بر میں عبادت کے غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی علی الاعلان تکذیب کرتے تھے۔ کیا تم اس حدیث اور اس کے مقتضی پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک اکبر قرار دیتے ہو، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جبکہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، تو اس مضبوط اصل کی بنا پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط ہوگی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے، جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کو کسی بدعت کی بنا پر کافر نہیں کہا جائے گا اور ابن تیمیہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (جبکہ جو شخص فوت شدہ بزرگوں کو پکارتا ہے، وہ کسی بدعت کا مرتکب بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ فعل ایک مضبوط اصل یعنی حدیث صحیح (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور سلف کے عمل پر مبنی ہے۔

(قادری عفرلہٗ)

آگے چل کر شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اسی موضوع پر لکھتے ہیں:

فصل: ومما يدل على بطلان مذهبكم فى تكفير من كفرتموه ما روى البخاری فی صحیحه عن معاوية بن ابی سفيان رضی الله تعالى عنه قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين وانما انا قاسم والله معطى ولا يزال امر هذه الامة مستقيما حتى تقوم الساعة او يأتى امر الله تعالى۔ انتهى۔ (وجه الدليل) منه ان النبى صلى الله عليه وسلم اخبر ان امر هذه الامة لا يزال مستقيما الى آخر الدهر ومعلوم ان هذه الامور التى تكفرون بها ما زالت قديما ظاهرة ملأت البلاد كما تقدم فلو كانت هى الاصنام

الکبری ومن فعل شیئاً من تلك الافاعیل عابد للاوثان لم یکن امر ھذہ الامۃ مستقیماً بل منعکسا بلدھم بلدکفر تعبد فیھا الاصنام ظاھرا وتجری علی عبدۃ الاصنام فیھا احکام الاسلام فاین الاستقامۃ وھذا واضح جلی لہ۔

تکفیر مسلمین کے رد پر دوسری حدیث

ایک اور مقام پر شیخ نجدی کی تکفیر کا رد کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

تم نے جو مسلمانوں کی تکفیر کی بنیاد پر اپنے مذہب کو قائم کیا ہے، اس کے باطل ہونے پر صحیح بخاری کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے "حضور نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے اور یہ امت ہمیشہ صحیح دین پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔" اس حدیث کی ہمارے مطلوب پر اس طرح دلالت ہے کہ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک امت کے دین پر مستقیم رہنے کی خبر دی ہے اور یہ حقیقت واقعیہ ہے کہ جن امور کو تم وجہ کفر قرار دیتے ہو یہ ابتداء اسلام سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں عروج اور معمول ہیں، پس اگر اولیاء اللہ کے مقابر بڑے بڑے بُت ہوتے اور ان سے استمداد اور استغاثہ کرنے والے کافر ہوتے تو تمام امت صحیح دین پر قائم نہ ہوتی، بلکہ اس کے برعکس ساری امت کافر اور تمام بلادِ اسلام، بلادِ کفر بن جاتے جن میں علی الاعلان بُتوں کی پوجا ہو رہی ہوتی یا بُتوں

لہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق الالٰہیہ، ص ۴۰

کی عبادت پر اسلام کے احکام جاری ہوتے۔ پھر حضور کے فرمان کے مطابق اس امت کی دین صحیح پر استقامت کی حدیث کس طرح صحیح ہوتی اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

ایک اور مقام پر شیخ سلیمان بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

فصل: وما یدل علی بطلان مذہبکم ما فی الصحیحین عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال رأس الکفر نحو المشرق و فی روایۃ الایمان یمان والفتنۃ من ھاھنا حیث یطلع قرن الشیطان و فی الصحیحین ایضاً عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال وھو مستقبل المشرق ان الفتنۃ ھاھنا وللبخاری عنہ مرفوعا اللھم بارک لنا فی شامنا ویمننا، اللھم بارک لنا فی شامنا ویمننا قالوا وفی نجدنا قال اللھم بارک لنا فی شامنا و یمننا قالوا وفی نجدنا قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل والفتن و منھا یطلع قرن الشیطان ولاحمد من حدیث ابن عمر مرفوعا اللھم بارک لنا فی مدینتا وفی صاعنا وفی مدنا ویمننا وشامنا ثم استقبل مطلع الشمس فقال ھاھنا یطلع قرن الشیطان وقال من ھاھنا الزلازل والفتن (انتھی)

اقول اشھد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لصادق فصلوات اللہ وسلامہ وبرکاتہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین لقد ادی الامانۃ وبلغ الرسالۃ قال الشیخ تقی الدین فالمشرق عن مدینتہ صلی اللہ علیہ وسلم شرقا ومنھا خرج مسیلمۃ الکذاب

الذى ادعى النبوة وهو اول حادث حدث بعده واتبعه خلائق وقاتلهم خليفة الصديق (انتهى)

وجه الدلالة من هذا الحديث من وجوه كثيرة نذكر بعضها۔ (منها) ان النبى صلى الله عليه وسلم ذكر ان الايمان يمانى والفتنة تخرج من المشرق ذكرها مراراً (ومنها)

ان النبى صلى الله عليه وسلم دعى للحجاز واهله مراراً و ابى ان يدعو لاهل المشرق لما فيهم من الفتن خصوصاً نجد۔ (ومنها) ان اول فتنة وقعت بعده صلى الله عليه وقعت بارضنا هذه فنقول هذه الامور التى تجعلون المسلم بها كافرا بل تكفرون من لم يكفره ملأت مكة والمدينة واليمن من سنين متطاولة (بل بلغنا) ان ما فى الارض اكثر من هذه الامور فى اليمن و الحرمين وبلدنا هذه هى اول من ظهر فيها الفتن ولا نعلم فى بلاد المسلمين اكثر من فتنتها قديما وحديثا وانتم الآن مذهبكم انه يجب على العامة اتباع مذهبكم وان من اتبعه ولم يقدر على اظهاره فى بلده وتكفير اهل بلدة وجب عليه الهجرة اليكم وانكم الطائفة المنصورة وهذا خلاف هذا الحديث فان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخبر بما يجرى عليهم ومنهم فلو علم ان بلاد المشرق خصوصاً نجد بلاد مسيلمة انها تصير دار الايمان وان الطائفة المنصورة تكون بها وانها بلاد يظهر فيها الايمان ولا يخفى فى غيرها وان الحرمين الشريفين واليمن تكون بلاد كفر تعبد فيها الاوثان وتجب الهجرة منها لاخبر بذلك

ولدعى لاهل المشرق خصوصا نجد ولدعى على الحرمين واليمن
واخبر انهم يعبدون الاصنام وتبرأمنهم اذلم يكن الاضد
ذلك فان رسول الله صلى الله عليه وسلم عم المشرق وخص نجدبان
منها يطلع قرن الشيطان وان منها وفيها الفتن وامتنع من الدعاء
لهم وهذا خلاف زعمكم وان اليوم عندكم الذين دعى لهم
رسول الله صلى الله عليه وسلم كفار والذين الجان يدعولهم
واخبر ان منها يطلع قرن الشيطان وان منها الفتن هى بلاد
الايمان تجب الهجرة اليها وهذا بين واضح من الاحاديث انشاءالله

(فصل) ومما يدل على بطلان مذهبكم مافى الصحيحين
عن عقبة بن عامر ان النبى صلى الله عليه وسلم صعد المنبر
فقال انى لست اخشى عليكم ان تشركوا بعدى ولكن اخشى
عليكم الدنيا ان تنا فسوا فيها فتقتتلوا فتهلكوا كما هلك من كان
قبلكم قال عقبة فكان اخر مارايت رسول الله صلى الله عليه
وسلم على المنبر (انتهى)

وجه الدلالة منه ان النبى صلى الله عليه وسلم اخبر بجميع
ما يقع على امته ومنهم الى يوم القيمة كما ذكر فى احاديث اخر
ليس هذا موضعها ومما اخبر به هذا الحديث الصحيح انه امن
ان امته تعبد الاوثان ولم يخافه عليهم واخبرهم بذلك و
اما الذى يخافه عليهم فاخبرهم وبه حذرهم منه ومع هذا
فوقع ماخافه عليهم وهذا خلاف مذهبكم فان امته على قولكم
عبد والاصنام كلهم وملأت الاوثان بلادهم الان كان احد

فی اطراف الارض ما یلحق لہٗ خبر والامن اطراف الشرق الیٰ اطراف الغرب الی الروم الی الیمن کل ھذا مستلی مما زعمتم انہ الاصنام وقلتم من لم یکفر من فعل ھذہ الامور والافعال فھو کافر ومعلوم ان المسلمین کلھم اجروالاسلام علیٰ من انتسب الیہ ولم یکفروا من فعل ھذا فعلیٰ قولکم جمیع بلد الاسلام کفار الابلدکم والعجب ان ھذا ما حدث فی بلدکم الامن قریب عشر سنین فبان بھذا الحدیث خطأکم والحمدللہ رب العالمینؒ۔

تکفیرِ مسلمین کے رد پر تیسری حدیث

شیخ نجدی کا تکفیر مسلمین پر رد کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

تمہارے مذہب کے بطلان پر بخاری اور مسلم کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر کا گڑھ مشرق کی طرف ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایمان یمانی ہے اور فتنہ وہاں ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

نیز بخاری اور مسلم میں حدیث ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، درآں حالیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مشرق کی طرف تھا، فتنہ اسی جانب سے ظاہر ہوگا۔

اور بخاری کی روایت میں (حضور کا فرمان) اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے شام، اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما۔ صحابہ نے عرض کیا: حضور ہمارے نجد میں۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں

لہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق الالٰہیہ، ص ۴۳ تا ۴۵

برکت نازل فرما۔ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نجد میں۔ آپ نے تیسری بار فرمایا، وہاں سے زلزلوں اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

اور امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما، ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں اور ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں۔ پھر مشرق کی طرف منہ کر کے فرمایا: یہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا اور فرمایا: یہاں سے زلزلوں اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاریب صادق القول ہیں؛ اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں آپ پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر نازل ہوں آپ نے حق امانت ادا کر دیا اور فرائض رسالت کی تبلیغ مکمل کر دی۔

شیخ تقی الدین نے کہا: مدینہ کی جانب شرقی (نجد) سے مسیلمہ کذاب کا ظہور ہوا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس فتنے کا ظہور ہوا، وہ مسیلمہ کذاب کا دعویٰ نبوت تھا جس کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل استیصال کیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شیخ نجدی کی دعوت اور تکفیر مسلمین پر کئی وجہ سے دلالت کرتی ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یمانی ہے اور فتنہ مشرق سے نکلے گا؛ اس کا حضور نے بار بار ذکر فرمایا۔

۲۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حجاز اور اہلِ حجاز کے لیے بار بار دعا فرمائی اور اہل مشرق خصوصاً اہلِ نجد کے لیے دعا کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو سرزمین نجد میں پہلا فتنہ واقع ہوا وہ شیخ

نجدی کا فتنہ ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان صدیوں سے رائج معمولات کو کفر اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا، بلکہ شیخ نجدی نے ان لوگوں کو بھی کافر بنا دیا جو ان مسلمانوں کو کافر نہ کہے، حالانکہ مکہ اور مدینہ، اور یمن کے علاقوں میں صدیوں سے یہ معمولات رائج ہیں، بلکہ ہم کو تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اولیاء کا وسیلہ ان کی قبروں سے توسل اور استمداد اور اولیاء اللہ کا پکارنا، یہ تمام امور دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں اور یہ بھی ہم کو معلوم ہوا کہ جس قدر عظیم فتنہ سرزمین نجد میں واقع ہوا، وہ کسی دور میں بھی کسی اور جگہ وقوع پذیر نہیں ہوا اور (اے شیخ نجدی) تمہارا کہنا یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر تمہاری اتباع واجب ہے اور جو شخص تمہارے مذہب کی اتباع کرے اور وہ مذہب کے اظہار اور دوسرے مسلمانوں کی تکفیر کی طاقت نہ رکھتے، اس پر واجب ہے کہ وہ تمہارے شہر کی طرف ہجرت کرے اور یہ کہ تم ہی طائفہ منصورہ ہو اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات کا علم عطا فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر گزرنے والے تمام واقعات کو بتلا دیا ہے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا کہ سرزمین مسیلمہ یعنی شہر نجد مآل کار دار الایمان بنے گا اور طائفہ منصورہ اسی شہر میں ہوگا اور ایمان کے فوارے اسی شہر سے جاری ہو جائیں گے اور حرمین شریفین اور یمن بلادِ کفر بن جائیں گے جن میں سے اور وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہوگا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس بات کی خبر دیتے اور اہل مشرق اور خصوصاً نجد کے لیے ضرور دعا فرماتے اور حرمین شریفین اور اہل یمن کے لیے بد دعا فرماتے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خبر دیتے کہ وہاں کے باشندے بت پرستی کریں گے اور ان متبرک علاقوں کے لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرماتے لیکن جب ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس کے برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اصل مشرق کے لیے بالعموم اور نجد کے بارے میں بالخصوص خبر دی ہے کہ وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا اور اس شہر میں اور اس شہر سے فتنے نمودار ہوں گے اور نجد کے لیے دعا کرنے سے آپ نے انکار فرمایا اور یہ بات تمہارے زعم کے بالکل برعکس ہے۔ تمہارے نزدیک جن لوگوں کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی وہ کفار ہیں اور جس علاقہ کے لوگوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کرنے سے انکار کردیا اور خبر دی تھی کہ وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا، تمہارے عقیدے کے مطابق وہ علاقہ دارالایمان ہے اور اس کی طرف ہجرت واجب ہے۔

تکفیرِ مسلمین کے رَد پر چوتھی حدیث

تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے فرمایا: مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم سب (مسلمان) میرے بعد شرک کرنے لگو گے، لیکن مجھے اس بات کا خوف ہے کہ تم کو مال دنیاوی بکثرت حاصل ہوگا اور تم مالِ دنیاوی کی محبت میں متفرق ہو جاؤ گے اور مال و دولت کی وجہ سے تم لوگ آپس میں لڑو گے اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے، جس طرح اس سے پہلی اُمتیں ہلاکت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ عقبہ بن عامر کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر یہ آخری وعظ سنا تھا۔[1]

یہ حدیث شریف بھی تمہارے مذہب کے بطلان پر اسی طرح دلالت کرتی ہے،

---

[1] آج سعودی عرب میں سیال تیل کے چشموں اور سونے کی کانوں سے روپیہ کی ریل پیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہے کہ اس وقت مرکز فتنہ سعودی عربیہ ہے (قادری غفرلہٗ)

کہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر جس قدر احوال گزرنے تھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ تمام احوال بیان فرما دیے اور اس حدیث صحیح میں حضور نے یہ بتلادیا ہے کہ آپ کی امت بت پرستی سے محفوظ رہے گی اور نہ حضور کو اپنی امت سے بت پرستی کا خطرہ تھا اور نہ اس بات کی آپ نے خبر دی ہے۔ اور جس چیز کا خطرہ تھا اور جس چیز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا۔ وہ مال و دولت کی کثرت اور فراوانی ہے۔ (اور مملکت سعودی عربیہ آج اسی فتنہ میں مبتلا ہے۔ (قادری)

اور یہ حدیث تمہارے مذہب کے برعکس ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امت نے بت پرستی کی اور تمام اسلامی ممالک بت پرستی سے بھر گئے اور اگر تمام دنیا میں سے کسی جگہ میں اسلام کی کوئی رمق ہے تو وہ نجد میں ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے خیال میں روم، یمن اور مغرب کے تمام علاقے (حرمین شریفین وغیرہ) بت پرستی سے بھرے ہوئے ہیں اور تم کہتے ہو کہ جو شخص ان لوگوں کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ پس تمہارے عقیدے کے مطابق تمام بلادِ اسلام کے مسلمان کافر ہیں، سوا نجد شہر کے۔ اور جو نیا دین تم لائے ہو، اس کی عمر صرف دس سال ہے۔

(گویا اس سے پہلے گیارہ سو سال تک کے تمام مسلمان العیاذ باللہ کافر تھے، قادری)

اس کے بعد شیخ سلیمان موصوف لکھتے ہیں:

(فصل) ومما یدل علی بطلان مذهبکم ما روی مسلم فی صحیحه عن جابر ابن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال الشیطان قد ایس ان یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش بینهم وروی الحاکم وصححه وابو یعلی والبیهقی عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان الشیطان قد یئس ان تعبد الاصنام بارض العرب ولکن رضی

منهم بما دون ذلك بالمحقرات وهي الموبقات وروى الامام احمد والحاكم وصححه وابن ماجه عن شداد بن اوس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اتخوف على امتى الشرك قلت يارسول الله اتشرك امتك بعدك قال نعم اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرا ولا وثنا ولكن يراؤن باعمالهم (انتهى)

اقول وجه الدلالة منه كما تقدم ان الله سبحانه اعلم نبيه من غيبه بما شاء وبما هو كائن الى يوم القيمة واخبر صلى الله عليه وسلم ان الشيطان قد ايس ان يعبده المصلون فى جزيرة العرب وفى حديث ابن مسعود ايس الشيطان ان تعبد الاصنام بارض العرب وفى حديث شداد انهم لا يعبدون وثنا وهذا بخلاف مذهبكم فان البصرة وما حولها والعراق من دون دجلة الموضع الذى فيه قبر علي وقبر الحسين رضى الله تعالى عنهما وكذالك اليمن كلها والحجاز كل ذلك من ارض العرب ومذهبكم ان هذه المواضع كلها عبد الشيطان فيها وعبدت الاصنام وكلهم كفار ومن لم يكفرهم فهو عندكم كافر وهذه الاحاديث ترد مذهبكم۔ [1]

تکفیر مسلمین کے رد پر پانچویں حدیث

تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] شیخ سلیمان بن عبدالوہاب، متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق الالٰہیہ، ص ۴۵، ۴۶

نے فرمایا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں اس کی پرستش کی جائے، لیکن وہ ان کو آپس میں لڑاتا رہے گا اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور ابو یعلیٰ اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں بُت پرستی کی جائے لیکن اس سے کم بات یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں پر راضی ہو گیا ہے" اور امام احمد نے اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اور ابن ماجہ نے شداد بن اوس سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا، میں اپنی امت پر شرک کا خوف کرتا ہوں، میں نے عرض کیا، حضور کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی۔ آپ نے فرمایا، ہاں، لیکن وہ سورج، چاند یا کسی بت کی پوجا نہیں کرے گی، لیکن اپنے اعمال میں ریاکاری کرے گی۔

ان احادیث کی تمہارے مذہب کے بطلان پر دلالت اس طرح ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر چاہا اپنے غیب سے مطلع فرمایا، اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کی خبر دے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے اور شداد کی روایت میں آپ نے خبر دی ہے کہ جزیرۂ عرب میں بت پرستی نہیں ہو گی اور یہ چیزیں تمہارے مذہب کے برعکس ہیں، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں، اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بُت پرستی ہوتی ہے اور یہاں کے مسلمان بُت پرست اور کفار ہیں، حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برات کی حضور نے خبر دی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے، لہٰذا یہ

تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔
شیخ سلیمان مزید لکھتے ہیں:

(فصل) ومما یدل علی بطلان مذھبکم ما اخرجہ الامام احمد والترمذی وصححہ والنسائی وابن ماجۃ من حدیث عمرو بن الاحوص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی حجۃ الوداع الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابدا ولکن ستکون لہ طاعۃ فی بعض ما تحقرون من اعمالکم فیرضی بھا وفی صحیح الحاکم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فی حجۃ الوداع فقال الشیطان قد ایس ان یعبد فی ارضکم ولکن یرضی ان یطاع فیما سوی ذلک فیما تحقرون من اعمالکم فاحذروا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ لم تضلوا ابدا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ (انتھی)

وجہ الدلالۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر فی ھذا الحدیث الصحیح ان الشیطان یئس ان یعبد فی بلد مکۃ وکذلک بقولہ ابدا لئلا یتوھم متوھم انہ حد ثم یزول وھذا خبر منہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لا یخبر بخلاف ما یقع و ایضا بشری منہ صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ وھو لا یبشرھم الا بالصدق ولکنہ حذرھم ما سوی عبادۃ الاصنام لا ما یحتقرون وھذا بین واضح من الحدیث وھذہ الامور التی تجعلونھا الشرک الاکبر وتسمون اھلھا عباد الاصنام اکثر ما تکون بمکۃ الشریفۃ واھل مکۃ الشریفۃ امراء ھا وعلماء ھا وعامتھا علی ھذا

من مدة طويلة اکثر من ستمائة عام ومع هذا هم الآن اعدائکم یسبونکم ویلعنونکم لاجل مذهبکم هذا واحکامهم وحکامهم جاریة وعلماؤها وامراؤها علی اجراء احکام الاسلام علی اهل هذه الامور التی تجعلونها الشرك الاکبر فان کان ما زعمتم حقاً فهم کفار کفراً ظاهراً وهذه الاحادیث ترد زعمکم وتبین بطلان مذهبکم هذا۔[1]

تکفیر مسلمین کے رد پر چھٹی حدیث

اور تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام احمد اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا اور امام نسائی نے اور ابن ماجہ نے عمرو بن احوص سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش کی جائے، البتہ تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا اور فرمایا، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی پرستش کی جائے، لیکن اس کے علاوہ دوسری باتوں میں پیروی کی جانے پر راضی ہو چکا ہے، ان چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے اعمال کو حقیر جانو گے بس اس بات سے احتراز کرنا اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا، تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے

---

[1] شیخ سلیمان بن عبدالوہاب، متوفی ۱۲۰۸ھ الصواعق الالٰہیہ، ص ۴۷

رسول کی سنت ہے۔

ان احادیث میں تمہارے مذہب کے بطلان پر اس طرح دلالت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً مکہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُت پرستی نہ کرنے کی خبر دی ہے اور حضور کبھی خلاف واقع خبر نہیں دیتے۔ نیز اس میں حضور نے امت کو بشارت دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کبھی غلط نہیں ہوتی؛ البتہ اس حدیث میں حضور نے بُت پرستی کے علاوہ دوسری غلط باتوں مثلاً لڑائی جھگڑوں سے ڈرایا ہے اور یہ بات حدیث سے بالکل ظاہر ہے اور جن چیزوں کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو اور ان کے کرنے والوں کو (اولیاء سے وسیلہ، شفاعت طلب کرنا اور ان کی قبروں سے فیضان طلب کرنا، قادری) بُت پرستی کا مرتکب کہتے ہو، ان تمام امور پر تمام اہل مکہ، ان کے عوام، امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصے عمل پیرا ہیں، اس کے باوجود یہ تمام لوگ اب تمہارے دشمن ہیں، تم کو سب و شتم کرتے ہیں اور تہاری اس بد عقیدگی کی وجہ سے تم پر لعنت بھیجتے ہیں اور مکہ مکرمہ کے علماء اور شرفاء۔ ان تمام امور اور احکام اسلام جاری کرتے ہیں جن کو تم شرک اکبر قرار دیتے ہو۔ اگر تمہارا گمان حق ہے، تو یہ لوگ علی الاعلان کافر ہیں، لیکن یہ احادیث تمہارے زعم فاسد کا رد کرتی ہیں اور تمہارے مذہب کو باطل کرتی ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ

علامہ شامی شیخ نجدی کی تحریک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

ھو بیان لمن خرجوا علی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا فیکفی فیھما اعتقاد ھم کفر من خرجوا علیہ کما وقع

فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اہل السنة وقتل علمائهم.[1]

یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج کیا، ورنہ ان کے خارجی ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا جن کے خلاف انہوں نے خروج کیا تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار جو نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہوگئے اور وہ اپنے آپ کو حنبلی المذہب کہتے تھے، لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ یا ان کے موافق ہیں اور جو عقائد میں ان کے مخالف ہیں، وہ مسلمان ہی نہیں ہیں، بلکہ مشرک ہیں، اس بنا پر انہوں نے اہل سنت اور علماء اہل سنت کے قتل کو جائز رکھا۔

سید احمد زینی دحلان مکی شافعی، متوفی ۱۳۰۴ھ

علامہ سید احمد زینی دحلان مکی شیخ نجدی کے بارے میں لکھتے ہیں،

وکان ابتداء ظهور محمد بن عبدالوهاب سنة الف ومائة و ثلاث واربعین واشتهر امره بعد الخمسین فاظهر العقیدة الزائغة بنجد وقراها فقام بنصرته واظهار عقیدته محمد بن سعود امیر الدرعیة بلاد مسیلمة الکذاب فحمل اهلها علی متابعة محمد بن عبدالوهاب فیما یقول فتابعه اهلها وسیاتی ذکر شیٔ من عقیدته التی حمل الناس علیها ومازال یطیعه علی هذا الامر

---

[1] علامہ ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ / رد المحتار ج ۳، ص ۴۱۳، ۴۲۷

كثير من احياء العرب حي بعد حي حتى قوى امره فخافته البادية وكان يقول لهم انما ادعوكم الى التوحيد وترك الشرك بالله فكانوا يمشون معه حيثما مشى ويأتمرون له بما شاء حتى اتسع له الملك وكانوا فى مبدا امورهم قبل اتساع ملكهم وتظاهر شرورهم راموا البيت الحرام وكان ذلك فى دولة الشريف مسعود بن سعيد بن سعد بن زيد فارسلوا يستاذنونه فى الحج وارسلوا قبل ذلك ثلاثين من علمائهم ظنا منهم انهم يفسدون عقائد علماء الحرمين و ويدخلون عليهم الكذب والمين وطلبوا الاذن فى الحج ولو بمقرر يدفعونه كل عام وكان اهل الحرمين يسمعون بظهورهم فى الشرق وفساد عقائدهم ولم يعرفوا حقيقة ذلك فامر مولانا الشريف مسعود ان يناظر علماء الحرمين العلماء الذين ارسلوهم فناظروهم فوجدوهم ضحكة ومسخرة كحمر مستنفرة فرت من قسورة ونظروا الى عقائدهم فاذا هى مشتملة على كثير من المكفرات فبعد ان اقاموا عليهم البرهان والدليل امر الشريف مسعود قاضى الشرع ان يكتب حجة بكفرهم الظاهر ليعلم به الاول والاخر وامر بسجن اولئك الملاحدة الانذال ووضعهم فى السلاسل والاغلال فسجن منهم جانبا وفر الباقون ووصلوا الى الدرعية واخبروا بما شاهدوا فعتا امرهم واستكبروا ونائى عن هذا المقصد وتاخر حتى مضت دولة الشريف مسعود واقيم بعده اخوه الشريف مساعد بن سعيد فارسلوا فى مدته يستأذنون فى الحج فابى وامتنع من الاذن لهم فضعفت عن الوصول مطامعهم

فلما مضت دولة الشريف مساعد وتقلد الامر اخوه الشريف احمد ابن سعيد ارسل امير الدرعيه جماعة من علمائه كما ارسل فى المدة السابقة فلما اختبرهم علماء مكة وجدوهم لا يتدينون الابدين الزنادقة وابى ان يقرلهم فى حمى البيت الحرام قرار ولم ياذن لهم فى الحج بعد ان ثبت عند العلماء انهم كفار كما ثبت فى دولة الشريف مسعود فلما ان ولى الشريف سرور ارسلوا ايضا يستاذنونه فى زيارة البيت المعمور فاجابهم بانكم ان اردتم الوصول آخذ منكم فى كل سنة وعام صرمة مثل ما ناخذها من الاعجام وآخذ منكم على ذلك مائة من الخيل الجياد فعظم عليهم تسليم هذا المقدار وان يكونوا مثل العجم فامتنعوا من الحج فى مدته كلها فلما توفى وتولى سيدنا الشريف غالب ارسلوا ايضا يستاذنون فى الحج فمنعهم وتهددهم بالركوب عليهم وجعل ذلك القول فعلا فجهز عليهم جيشا فى سنة الف ومائتين وخمسة واتصلت بينهم المحاربات والغزوات الى ان انقضى تنفيذ مراد الله فيما اراد وسياتى شرح تلك الغزوات والمحاربات بعد توضيح ما كانوا عليه من العقائد الزائغة التى كان تاسيسها من عبد الوهاب وقد عاش من العمر سنين حتى كان ان يعد من المنظرين فان ولادته كانت سنة الف ومائة واحدى عشرة ووفاته سنة الف ومائتين وسبعة وارخ بعضهم وفاته بقوله (بها هلاك الخبيث)

له سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی، متوفی م ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام ص ۲۲۸/۲۲۹

محمد بن عبد الوہاب کا ظہور

محمد بن عبد الوہاب کا ظہور ۱۱۴۳ھ میں ہوا اور اس کی تحریک ۱۱۵۰ھ میں مشہور ہوئی اور اس نے اپنے عقیدے کا اظہار پہلے نجد میں کیا اور مسیلمہ کذاب کے شہر درعیہ کے امیر محمد بن سعود کو اپنا ہمنوا بنایا۔ ابن سعود نے اپنی تابع رعایا پر زور ڈالا کہ وہ شیخ نجدی کی دعوت کو قبول کریں پس اہل درعیہ نے شیخ نجدی کی دعوت قبول کرلی۔ عنقریب ہم اس کے ان بعض عقائد کا ذکر کریں گے جن کے قبول کرنے پر اہلِ درعیہ کو ابن سعود نے مجبور کیا تھا۔ شیخ نجدی کی دعوت پھیلتی گئی اور اس کی اس دعوت پر عرب کے قبائل یکے بعد دیگرے لبیک کہتے چلے گئے، یہاں تک کہ شیخ نجدی کی تحریک قوی ہوگئی اور بادیہ نشین لوگ شیخ نجدی سے ڈرنے لگے۔ شیخ نجدی ان لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میں تم کو توحید کے پھیلانے اور شرک کو روکنے کی دعوت دیتا ہوں، چنانچہ بادیہ نشین عرب اس کی ہر بات میں موافقت اور اتباع کرنے لگے۔

شیخ نجدی کے اتباع کا علماء حرمین سے مناظرہ اور شکست

اس زمانے میں حجاز پر شریف مسعود بن سعید بن سعد کی حکومت تھی شیخ نجدی نے اپنے ملک کے تیس علماء شریف کے پاس اس خیال سے بھیجے کہ وہ حرمین کے علماء کو مناظرہ میں شکست دے کر اپنی دعوت اور تحریک پھیلانے میں کامیاب ہوجائیں گے اور یہ اجازت حاصل کریں گے کہ ان کو ہر سال حج کے لیے آنے کی دعوت دی جائے۔ شریف مسعود نے علماء حرمین کو نجدیوں سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب علماء حرمین نے ان سے مناظرہ کیا تو علمی اعتبار سے ان کو ایک مسخرہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی اور جب ان کے عقائد پر غور کیا، تو وہ اکثر کفریات پر مشتمل تھے،

یہاں تک کہ قاضی حرمین نے اعلان کر دیا کہ ان لوگوں پر کفر کی حجت قائم ہو گئی اور ان لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا، کچھ قید ہو گئے اور کچھ بھاگ گئے اور درعیہ پہنچ کر حالات سے آگاہ کیا، اس کے باوجود ان لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور یہ لوگ اپنی گمراہی میں سرگرداں رہے۔

نجدیوں کا حرمین پر قبضہ

شریف مسعود کے بعد اس کا بھائی شریف مساعد بن سعید اس کا جانشین مقرر ہوا۔ نجدیوں نے پھر شریف مساعد کے پاس اپنے علماء کا وفد بھیجا اور حج کی اجازت چاہی، لیکن ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر شریف مساعد نے بھی ان کو حج کی اجازت نہ دی، یہاں تک کہ حجاز میں دخل اندازی کرنے کی ان کی آرزوں پر پانی پھر گیا۔ شریف مساعد کے بعد اس کے بھائی شریف احمد بن سعید جانشین ہوا، اس کے بعد پھر امیر درعیہ نے اس کے پاس علماء کی ایک جماعت بھیجی۔ علماء مکہ نے جب ان کو ٹٹولا، تو یہ لوگ سخت قسم کے بے دین ثابت ہوئے۔ شریف مکہ نے علماء کے فتوئ کفر کے بعد ان لوگوں کو حرم میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جیسا کہ اس سے پہلے کی حکومتوں میں ہوتا آیا تھا۔ جب شریف سرور جانشین ہوا تو نجدیوں نے ایک بار پھر اپنے علماء کا وفد بھیجا اور اس سے کعبہ شریفہ کی زیارت کی اجازت چاہی۔ شریف نے کہا جس طرح دوسرے عجمی مکہ مکرمہ میں داخلے کے لیے چڑھاوا پیش کرتے ہیں، اسی طرح تم کو بھی ہر سال چڑھاوا اور عمدہ گھوڑے پیش کرنے ہوں گے۔ نجدیوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا اور اس شرط پر انہوں نے حج کی حاضری سے انکار کر دیا۔

شریف سرور کے بعد جب شریف غالب سریر آرائے سلطنت ہوا، تو نجدیوں نے ایک بار پھر مکہ میں داخلے کی کوشش کی اور حج کے لیے اجازت چاہی، اس نے انکار

کیا۔ نجدیوں نے دھمکی دی کہ وہ حرمین شریفین پر حملہ کر دیں گے اور انہوں نے فی الواقع ایسا ہی کیا اور ۱۲۰۵ھ کو حرمین کریمین پر حملہ کر دیا، یہاں تک حرمین شریفین پر نجدیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۲۰۶ھ میں شیخ نجدی فوت ہو گیا بعض علماء نے اس کی تاریخ وفات بہا ھلاك الخبیث کے جملہ سے نکالی ہے۔

شیخ نجدی نے جس طرح بتدریج تنقیص رسالت کے ادوار طے کیے، اس کے بارے میں سید دحلان رقمطراز ہیں،

وکان فی اول امرہ مولعا بمطالعة اخبار من ادعی النبوة کاذبا کمسیلمة الکذاب وسجاح والاسود العنسی وطلیحة الاسدی واضرابهم فکان یضمر فی نفسه دعوی النبوة ولو امکنه اظهار هذا الدعوی لاظهرها وکان یسمی جماعته من اهل بلده الانصار ویسمی من اتبعه من الخارج المهاجرین واذا اتبعه احد وکان قد حج حجة الاسلام یقول له حج ثانیا فان حجتك الاولی فعلتها وانت مشرك فلا تقبل ولا تسقط عنك الفرض واذا اراد احد ان یدخل فی دینه یقول له بعد الاتیان بالشهادتین اشهد علی نفسك انك کنت کافرا واشهد علی والدیك انهما ماتا کافرین واشهد علی فلان وفلان ویسمی له جماعة من اکابر العلماء الماضین انهم کانوا کفارا فان شهدوا قبلهم والا امر بقتلهم وکان یصرح بتکفیر الامة من منذ ستمائة سنة وکان یکفر کل من لا یتبعه وان کان من اتقی المتقین فیسمیهم مشرکین ویستحل دماءهم واموالهم ویثبت الایمان لمن اتبعه وان کان من افسق الفاسقین وکان ینتقص النبی صلی الله علیه وسلم کثیرا بعبارات مختلفة ۔

يزعم ان قصده المحافظة على التوحيد فمنها ان يقول انه طارش وهو فى لغة اهل الشرق بمعنى الشخص المرسل من قوم الى آخرين بمعنى انه صلى الله عليه وسلم حامل كتب مرسلة معه اى غاية امره انه كالطارش الذى يرسله الامير او غيره فى امر لاناس ليبلغهم اياه ثم ينصرف ومنها انه كان يقول نظرت فى قصة الحديبية فوجدت بها كذا كذا كذبة الى غير ذلك مما يشبه هذا حتى ان اتباعه كانوا يفعلون ذلك ايضا ويقولون مثل قوله بل يقولون اقبح مما يقوله ويخبرونه بذلك فيظهر الرضا وربما انهم تكلموا بذلك بحضرته فيرضى به حتى ان بعض اتباعه كان يقول عصاى هذه خير من محمد لانها ينتفع بها فى قتل الحية ونحوها ومحمد قد مات ولم يبق فيه نفع اصلا وانما هو طارش ومضى قال بعض العلماء ان ذلك كفر فانه فى المذاهب الاربعة بل هو كفر عند جميع اهل الاسلام ومن ذلك انه كان يكره الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ويتاذى بسماعها وينهى عن الاتيان بها ليلة الجمعة وعن الجهر بها على المنائر ويؤذى من يفعل ذلك ويعاقبه اشد العقاب حتى انه قتل رجلا اعمى كان مؤذنا صالحا ذا صوت حسن نهاه عن الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فى المنارة بعد الاذان فلم ينته واتى بالصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فامر بقتله فقتل ثم قال ان الربابة فى بيت الخاطئة يعنى الزانية اقل اثما ممن ينادى بالصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فى المنائر ويلبس على اصحابه واتباعه بان ذلك كله محافظة

على التوحيد نما افظع قوله وما اشنع فعله واحرق دلائل الخيرات وغيرها من كتب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ويتستر بقوله ان ذلك بدعة وانه يريد المحافظة على التوحيد و كان يمنع اتباعه من مطالعة كثير من كتب الفقه والتفسير والحديث واحرق كثيرا منها واذن لكل من تبعه ان يفسر القرآن بحسب فهمه حتى همج الهمج من اتباعه فكان كل واحد منهم يفعل ذلك ولو كان لا يحفظ شيئا من القرآن حتى صار الذى لا يقرأ منهم يقول لمن يقرأ اقرأ الى شيئا من القرآن وانا افسره لك فاذا قرأ له شيئا يفسره وامرهم ان يعملوا بما فهموه منه وجعل ذلك مقدما على كتب العلم ونصوص العلماء وتمسك فى تكفير الناس بآيات نزلت فى المشركين فحملها على الموحدين و قد روى البخارى فى صحيحه عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما فى وصف الخوارج انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها فى المومنين و فى رواية اخرى عن ابن عمر عند غير البخارى انه، صلى الله عليه وسلم قال اخوف ما اخاف على امتى رجل متاول للقرآن يضعه فى غير موضعه فهذا وما قبله صادق على ابن عبد الوهاب ومن تبعه ومما يدعيه محمد بن عبد الوهاب انه اتى بدين جديد كما يظهر من اقواله وافعاله واحواله ولهذا لم يقبل من دين نبينا صلى الله عليه وسلم الا القرآن مع انه، انما قبله ظاهرا فقط لئلا يعلم الناس حقيقة امره فينكشفوا عليه بدليل انه هو واتباعه انما يأولونه بحسب

ما يوافق اهواءهم لا بحسب ما فسره النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه والسلف الصالح وائمة التفسير فانه لا يقول بذلك.
كما انه لا يقول بما عدا القران من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم واقاويل الصحابة والتابعين والائمة المجتهدين ولا بما استنبطه الائمة من القرآن والحديث ولا يأخذ بالاجماع ولا القياس الصحيح وكان يدعي الانتساب الىٰ مذهب الامام احمد رضي الله تعالىٰ عنه كذبا وتسترا وزورا والامام احمد برئ منه ولذلك انتدب كثير من علماء الحنابلة المعاصرين له للرد عليه والفوا في الرد عليه رسائل كثيرة حتى اخوه الشيخ سليمان بن عبد الوهاب الف رسالة في الرد عليه واعجب من ذلك انه كان يكتب الى عماله الذين هم من اجهل الجاهلين اجتهدوا بحسب فهمكم ونظركم واحكموا بما ترونه مناسبا لهذا الدين ولا تلتفتوا لهذه الكتب فان فيها الحق والباطل وقتل كثيرا من العلماء والصالحين وعوام المسلمين لكونهم لم يوافقوه على ما ابتدعه وكان يقسم الزكاة على ما يامره به شيطانه وهواه وكان اصحابه لا ينتحلون مذهبا من المذاهب بل يجتهدون كما كان يامرهم ويتسترون ظاهرا بمذهب الامام احمد رضي الله عنه ويلبسون بذلك على العامة وكان ينهى عن الدعاء بعد الصلاة ويقول ان ذلك بدعة وانكم تطلبون اجرا على الصلوة وامر القائم بدينه عبد العزيز بن سعود ان يخاطب المشرق والمغرب برسالة يدعوهم الى التوحيد. وانهم عنده مشركون شركا. اكبر ليستبيح به الدم والمال فكان

ضابط الحق عنده ما وافق هواه وان خالف النصوص الشرعية واجماع الائمة وضابط الباطل عنده مالم يوافق هواه وان كان على نص جلى اجمعت عليه الامة وكان يقول فى كثير من اقوال الائمة الاربعة ليست بشئ وتارة يتستر ويقول ان الائمة على حق ويقدح فى اتباعهم من العلماء الذين الفوا فى المذاهب الاربعة وحرروها ويقول انهم ضلوا واضلوا وتارة يقول ان الشريعة واحدة فما لهؤلاء جعلوها مذاهب اربعة هذا كتاب الله وسنة رسوله لا نعمل الا بهما ولا نقتدى بقول مصرى وشامى وهندى يعنى بذلك اكابر علماء الحنابلة وغيرهم ممن لهم تاليف فى الرد عليه واحتجوا فى الرد عليه بنصوص الامام احمد رضى الله عنه وكان يخطب للجمعة فى مسجد الدرعية ويقول فى كل خطبة ومن توسل بالنبى فقد كفر وكان اخوه الشيخ سليمان ينكر عليه انكارا شديدا فى كل مايفعله اويامر به ولم يتبعه فى شئ مما ابتدعه وقال اخوه سليمان يوما كم اركان الاسلام يا محمد بن عبد الوهاب فقال خمسة فقال بل انت جعلتها ستة السادس من لم يتبعك فليس بمسلم هذا ركن السادس عندك للاسلام وقال رجل اخر يوما لمحمد ابن عبد الوهاب كم يعتق الله كل ليلة فى رمضان فقال له يعتق فى كل ليلة مائة الف وفى اخر ليلة يعتق مثل ما اعتق فى الشهر كله فقال له لم يبلغ من تبعك عشر عشر ما ذكرت فمن هؤلاء المسلمون الذين يعتقهم الله تعالى وقد حصرت المسلمين فيك وفيمن تبعك فبهت الذى

كفروهلما طال النزاع بينه وبين اخيه خاف اخوه ان يامر بقتله
فارتحل الى المدينة والف رسالة فى الرد عليه وارسلها له فلم ينته
وقال له رجل مرة وكان رئيسا على قبيلة لايقدران يسطوا به
ماتقول اذا اخبرك رجل صادق ذودين وامانة وانت تعرف صدقه
بان قوما كثيرين قصدوك وهم وراء الجبل الفلانى فارسلت
الف خيال ينظرون القوم الذين وراء الجبل فلم يجدوا للقوم اثرا
ولا احد منهم جاء تلك الارض اصلا تصدق الالف ام الواحد
الصادق عندك فقال اصدق الالف فقال له اذن جميع المسلمين
من العلماء الاحياء والاموات فى كتبهم يكذبون ما اتيت به و
يزيفونه فنصدقهم ونكذبك فلم يعرف جوابا لذلك وقال
له رجل آخر هذا الدين الذى جئت به متصل او منفصل فقال
له حتى مشايخى ومشايخهم الى ستمائة سنة كلهم مشركون فقال
له الرجل اذن دينك منفصل لا متصل فممن اخذته فقال وحى
الهام كالخضر فقال له اذن ليس ذلك محصورا فيك كل احد
يمكنه ان يدعى وحى الالهام الذى تدعيه ثم قال له ان التوسل
مجمع عليه عند اهل السنة حتى ابن تيميه فانه ذكر فيه وجهين
ولم يذكر ان فاعله يكفر حتى الرفضة والخوارج والمبتدعة كافة
فانهم قائلون بصحة التوسل به صلى الله عليه وسلم فلا وجه
لك فى التكفير اصلا فقال محمد بن عبد الوهاب ان عمر استسقى
بالعباس فلم لم يستسق بالنبى صلى الله عليه وسلم ومقصد محمد بن
عبد الوهاب بذلك ان العباس كان حيا وان النبى صلى الله عليه وسلم

ميت فلا يستقى به فقال له ذلك الرجل هذا حجة عليك فان استسقاء عمر بالعباس انما كان لاعلام الناس صحة التوسل بغير النبي صلى الله عليه وسلم وكيف تحتج باستسقاء عمر بالعباس وعمر هو الذي روى حديث توسل آدم بالنبي صلى الله عليه وسلم قبل ان يخلق فالتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم كان معلوما عند عمر وغيره وانما اراد عمر ان يبين للناس ويعلمهم صحة التوسل بغير النبي صلى الله عليه وسلم فبهت وتحير وبقي على عماوته ومن قبائحه الشنيعة انه منع الناس من زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فبعد منعه خرج اناس من الاحساء وزاروا النبي صلى الله عليه وسلم وبلغه خبرهم فلما رجعوا مروا عليه في الدرعية فامر بحلق لحاهم ثم اركبهم مقلوبين من الدرعية الى الاحساء [1]

شیخ نجدی کی گمراہی کی ابتدا

شیخ نجدی شروع شروع میں مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب، سجاح، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی جیسے بے دین لوگوں کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا اور اس کے دل میں بھی شوق تھا کہ یہ دعویٰ نبوت کا اظہار کرے، اس نے زیر زمین دعویٰ نبوت مخفی رکھا اور خارج میں اسی نہج پر کام کرتا تھا، لیکن اس کو کھل کر دعویٰ نبوت کے اظہار کا موقع نہ مل سکا، لیکن اس نے طور اطوار سارے نبوت کے اپنا لیے تھے۔ اس کے ہم عقیدہ لوگ باہر سے ہجرت کر کے آتے ان کو یہ مہاجرین کہتا اور اپنے

---

[1] سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام ص ۲۲۸، ۲۲۹

شہر والوں کو انصار کہتا اور جو کوئی شخص اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا اور اگر اس نے پہلے حج کر لیا ہوتا، تو یہ اس کو کہتا جا کر دوبارہ حج کرو، کیونکہ پہلا حج تم نے جس وقت کیا تھا اس وقت تم مشرک تھے، وہ حج تجھ سے مقبول نہ ہوگا اور نہ تجھ سے فریضہ حج ساقط ہوگا اور جب کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا، تو اس سے کلمۃ الشہادتین پڑھوانے کے بعد کہتا تھا کہ اس بات پر گواہی دو کہ تم اس سے پہلے کافر تھے اور گواہی دو کہ تمہارے ماں باپ کافر تھے اور اکابر علماء کا نام لے لے کر کہتا کہ گواہی دو کہ وہ سب کافر تھے، اگر وہ گواہی دے دیتا تو ان کا ایمان قبول کر لیتا، ورنہ قتل کروا دیتا اور شیخ نجدی بصراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا، جو اس کی اتباع نہ کرے، اگرچہ وہ انتہائی پرہیزگار ہی شخص کیوں نہ ہو۔ وہ ایسے تمام اشخاص کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کروا ڈالتا اور ان کے مال و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا، اس کو مومن قرار دیتا، اگرچہ وہ بدترین فاسقوں میں سے ہو۔

تنقیص رسالت میں شیخ نجدی کی دیدہ دلیری

شیخ نجدی مختلف طریقوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و ابی و امی کی تنقیص کیا کرتا تھا اور اس کا زعم تھا کہ توحید کو محفوظ رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے اس کی چند گستاخیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "طارش" کہا کرتا تھا اور نجد کی لغت میں طارش چٹھی رساں یا ایلچی کو کہتے ہیں۔

۲۔ قصہ حدیبیہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ اس میں اتنے جھوٹ بولے گئے ہیں؛ چنانچہ اس کے تابعین بھی یہ باتیں اس کے سامنے کرتے تھے اور وہ ان پر خوش ہوتا تھا۔

۳۔ اس کے سامنے اس کے تابعین میں سے ایک شخص نے کہا کہ میری لاٹھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے، کیونکہ سانپ وغیرہ کو مارنے میں کام آسکتی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو چکے ہیں اور اب ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ وہ محض ایک ایلچی تھے جو اس دُنیا سے جا چکے۔

(بعض علماء نے یہ بیان کیا کہ شیخ نجدی کے یہ اقوال مذاہب اربعہ میں کفر ہیں اور بعض نے کہا یہ باتیں تمام اہلِ اسلام کے نزدیک کفر ہیں۔)

۴۔ شیخ نجدی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو سخت ناپسند کرتا تھا اور درود شریف سننے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی۔

۵۔ جمعہ کی رات کو درود شریف پڑھنے اور میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو منع کرتا تھا اور جو شخص اس طرح درود شریف پڑھتا، اس کو سخت تکلیف دہ عذاب دیا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک خوش الحان نابینا مؤذن کو اس نے درود شریف پڑھنے کے جرم میں قتل کروا دیا۔

۶۔ کہا کرتا تھا کہ کسی فاحشہ عورت کے کوٹھے میں ستار بجانے سے اس قدر گناہ نہیں ہے جس قدر گناہ مسجد کے میناروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہے (اور اپنے اتباع کرنے والوں اور اپنے اصحاب سے کہتا تھا کہ اس طریق کار سے توحید کی حفاظت ہوتی ہے)

۷۔ اس کے بدترین افعال میں سے ایک یہ فعل ہے کہ اس نے دلائل الخیرات اور دوسری درود شریف پڑھنے والی کتابوں کو جلوا دیا اور ان کتابوں کے پڑھنے کو بدعت قرار دیتا تھا۔

۸۔ اس نے فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں جلوا ڈالی تھیں۔

۹۔ اس نے اپنے متبعین میں سے ہر شخص کو قرآن کریم کی اپنی رائے سے تفسیر

کی اجازت دے دی تھی۔ یہ اپنے متبعین میں سے کسی کو قرآن کریم کی تلاوت کا حکم دیتا، پھر از خود اس کی تفسیر کرتا، پھر جو کچھ اپنی فہم سے تفسیر کرتا، اس کو تمام علمی کتابوں اور تصریحاتِ علماء پر مقدم رکھتا۔

۱۰۔ جو آیات قرآن کریم میں منافقین اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتا حالانکہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کی پہچان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جو آیتیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں، ان کو وہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک اور سند سے حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ اس شخص پر خوف ہے جو شخص قرآن پاک کی غلط تاویل کر کے آیات قرآن کو اس کے غیر محل میں چسپاں کرے گا اور یہ اور اس سے پہلی حدیث دونوں کا مصداق محمد بن عبدالوہاب ہے اور اس کے پیروکار ہیں اور جس چیز کی طرف اشارہ محمد بن عبدالوہاب دیتا ہے وہ ایک نیا دین ہے جیسا کہ اس کے اقوال، افعال اور احوال سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دینِ اسلام میں صرف قرآن کو حجت مانتا ہے اور قرآن کو بھی وہ فقط ظاہراً مانتا ہے تاکہ لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے آیاتِ قرآنی کو اپنی ہوائے نفسانی سے کھلونا بنا رکھا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق آیاتِ قرآنی کو ڈھالتے رہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اخیار تابعین اور ائمہ تفاسیر سے جو قرآن کریم کی تفسیر منقول ہے، شیخ نجدی اس کو حجت نہیں مانتا۔ جس طرح یہ قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ، اقاویل صحابہ و تابعین اور فتاویٰ ائمہ مجتہدین کو نہیں مانتا۔ اسی طرح یہ قرآن کریم اور حدیث پاک سے جن مسائل کا استنباط کیا گیا ہے ان کو بھی نہیں مانتا، نہ قیاس کو حجت سمجھتا ہے اور نہ اجماع کو۔

شیخ نجدی دروغ گوئی سے اپنی نسبت امام احمد بن حنبل کی طرف کرتا ہے، حالانکہ حنبلی علماء نے اس کا رد لکھا ہے، یہاں تک کہ اس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے بھی اس کے مزعومات کے رد پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

ذیل میں شیخ نجدی کے چند مزعومات پیش کیے جاتے ہیں:

۱۱- شیخ نجدی اپنے عمال کی طرف لکھتا تھا کہ تم خود اجتہاد کیا کرو اور اپنے تدبر سے احکام جاری کیا کرو اور ان کتابوں کی طرف نہ دیکھو، کیونکہ ان میں حق اور باطل سبھی کچھ ہے، حالانکہ اس کے تمام عمال بدترین جاہل تھے۔

۱۲- اس نے ان بے شمار علماء، صالحین اور عوام مسلمین کو قتل کروا دیا جنہوں نے اس کے نوزائیدہ دین کو تسلیم نہیں کیا۔

۱۳- (مسلمانوں کی لوٹ مار سے) جو مال حاصل ہوتا تھا، اس کی زکوٰۃ یہ اپنی ہوائے نفس سے تقسیم کیا کرتا تھا۔

۱۴- شیخ نجدی کے متبعین اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند نہیں جانتے تھے البتہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے حنبلی مذہب کی طرف نسبت کرتے تھے۔

۱۵- شیخ نجدی نماز کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کیا تم اللہ تعالیٰ سے اس عبادت کی مزدوری مانگ رہے ہو۔

ابن سعود کا بدعقیدگی میں غلو

شیخ نجدی نے اپنے دین کو پھیلانے کا کام محمد بن سعود کے ذمے سونپ دیا تھا اور وہ عرب کے شرق اور غرب میں شیخ نجدی کی دعوت پھیلا رہا تھا اور سرعام کہتا کہ تم سب لوگ مشرک ہو، تمہارا قتل کرنا جائز اور مال لوٹنا مباح ہے۔ اس کے نزدیک مسلمان ہونے کا معیار صرف شیخ نجدی کی بیعت تھی۔ خواہ بیعت کرنے

والا نصوص شرعیہ کا مخالف اور اجماع امت کا تارک ہو، اور شرک کا معیار اس کے نزدیک یہ تھا کہ جو شخص شیخ نجدی کی موافقت نہ کرے، اگرچہ وہ نص صریح پر عمل کرتا ہو اور اجماع امت کا پابند ہو۔ محمد بن سعود علی الاعلان کہتا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اقوال غیر معتبر ہیں، کبھی ائمہ کو حق پر ثابت کرتا اور ان کے پیروکاروں کی مذمت کرتا، جنہوں نے مذاہب اربعہ میں کتابیں لکھیں اور کہتا کہ یہ لوگ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، کبھی کہتا شریعت ایک تھی، انہوں نے چار مذاہب بنا دیئے ہیں، ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے سوا کسی چیز پر بھی عمل نہیں کریں گے۔ اکابر علماء حنابلہ کی توہین کرتے ہوتے یہ کہتا، ہم نہیں جانتے یہ مصری، شامی اور ہندی کون ہیں؟

مسلمانوں کے اعتراضات سے شیخ نجدی کا لاجواب ہونا

ایک بار شیخ نجدی درعیہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔ دوران خطبہ میں اس نے کہا، جو شخص حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وسیلہ پکڑے، وہ کافر ہے۔ جمعہ کے بعد شیخ نجدی کے بھائی شیخ سلیمان نے پوچھا: بتاؤ اسلام کے کتنے ارکان ہیں؟ شیخ نجدی نے کہا پانچ۔ شیخ سلیمان نے کہا: تم نے تو اسلام کا چھٹا رکن بھی بنا دیا ہے اور وہ یہ کہ جو تمہاری پیروی نہ کرے، وہ بھی کافر ہے۔

ایک اور شخص نے محمد بن عبدالوہاب سے پوچھا، اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی ہر رات میں کتنے مسلمانوں کو آزاد کرتا ہے؟ کہنے لگا، ایک لاکھ مسلمانوں کو، وہ شخص کہنے لگا، تمہارے پیروکار تو اس مقدار کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے، تو آخر وہ کون سے مسلمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی راتوں میں جہنم سے آزاد کرتا ہے جبکہ تم مسلمانوں کا حصہ صرف اپنے پیروکاروں میں سمجھتے ہو۔ اس گرفت پر شیخ نجدی

مبہوت ہوگیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسی اثناء میں شیخ سلیمان، شیخ نجدی سے ناراض ہو کر درعیہ سے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں جا کر اس کا رد کرنا شروع کیا۔

ایک بار ایک قبیلہ کا رئیس اس سے ملنے آیا اور اس سے کہنے لگا، اے شیخ تمہارا ایک معتمد اور خادم جو تمہارے نزدیک سچا ہو، اگر یہ خبر دے۔ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکرِ جرار آ کر تم پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہے اور تم ایک ہزار آدمیوں کو اس بات کی تصدیق کے لیے روانہ کرو اور وہ دیکھیں کہ پیچھے نہ کوئی ہنگامہ ہے اور نہ کوئی لشکر، اور وہ اگر تم کو اس بات کی خبر دیں، تو تم اس ایک آدمی کی تصدیق کروگے یا ان ہزار آدمیوں کی۔ شیخ نجدی نے کہا، میں ہزار آدمیوں کی تصدیق کروں گا۔ اس قبیلہ کے سردار نے کہا، اسی طرح تمام سابق مسلمان علماء زندہ اور فوت شدہ اپنی کتابوں میں تمہاری دعوت اور تحریک اور تمہارے عقائد اور افکار کی تکذیب بیان کرتے رہے ہیں۔ پس ہم ان تمام کی تصدیق کریں یا صرف ایک تمہاری؟ اس گرفت پر بھی شیخ نجدی بھونچکا رہ گیا اور اس کو کوئی جواب بن نہ آیا۔

ایک اور شخص نے شیخ نجدی سے سوال کیا، جس دین کو تم لے کر آئے ہو، یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، میرے اساتذہ اور ان اساتذہ کے اساتذہ حتیٰ کہ چھ سو سال تک یہ ساری امت کا فر اور مشرک تھی۔ اس شخص نے کہا، تب تو تمہارا دین منفصل ہے، پس تم نے یہ دین کس سے حاصل کیا؟ کہنے لگا، وحی الہام سے جیسی وحی الہام حضرت خضر پر ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا، اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو اس کی تمہارے ساتھ کیا خصوصیت ہے، ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور کہے گا کہ اس کو یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ اس شخص نے پھر کہا: تمام اہل سنت کے نزدیک توسل جائز ہے، حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے بھی توسل کی دو قسمیں ذکر کی ہیں اور اس نے یہ نہیں کہا کہ

وسیلہ کرنے والا شخص کافر ہے۔ حتیٰ کہ روافض، خوارج اور مبتدعہ کی بھی تکفیر نہیں کی، پھر تم وسیلہ کرنے والوں کی تکفیر کیوں کرتے ہو؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، حضرت عمر نے حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کی دُعا مانگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا نہیں کی۔ شیخ نجدی کا مقصد یہ تھا زندہ کا توسل جائز ہے اور میت کا توسل جائز نہیں۔ اس شخص نے کہا، یہ دلیل تو تمہارے خلاف جاتی ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دُعا اس لیے مانگی کہ حضور کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے وسیلہ سے دُعا مانگنا بھی جائز ہے اور تم حضرت عمر سے کیسے استدلال کر سکتے ہو، حالانکہ حضرت عمر نے ہی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا مانگی تھی۔ اس دلیل پر شیخ نجدی مبہوت ہو گیا اور اسے کوئی جواب نہ آیا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی بدعقیدگی پر قائم رہا۔

شیخ نجدی کی گمراہی کی بیّن مثال

شیخ نجدی کی بدعقیدگیوں اور گمراہیوں کی مثالوں میں سے چند یہ ہیں:

وہ مسلمانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لیے جانے سے منع کیا کرتا تھا۔ کچھ لوگ احساء سے اس کی اجازت کے بغیر روضۃ الانور کی زیارت کو آئے۔ جب اس کو خبر پہنچی تو اس نے ان مسلمانوں کو بلوا کر ان کی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور ان کو درعیہ سے نکال کر احساء کی طرف بھجوا دیا۔

احادیثِ رسولِ اکرم سے شیخ نجدی کے ظہور کی مذمت کے بارے میں علامہ سید احمد دحلان لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم يخرج ناس من المشرق يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرميه لا يعودون فيه حتى يعود السهم الى فوقه سيماهم التحليق وقوله صلى الله عليه وسلم راس الكفر نحو المشرق والفخر والخيلاء فى اهل الخيل والابل وقوله صلى الله عليه وسلم من ههنا جاءت الفتن واشار نحو المشرق وقوله صلى الله عليه وسلم غلظ القلوب والجفاء بالمشرق والايمان فى اهل الحجاز وقوله صلى الله عليه وسلم اللهم بارك لنا فى شامنا اللهم بارك لنا فى يمننا قالوا

يارسول الله وفى نجدنا قال فى الثالثة هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان وقوله صلى الله عليه وسلم يخرج ناس من المشرق يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم كلما قطع قرن نشاقرن حتى يكون آخرهم مع المسيح الدجال وفى قوله صلى الله عليه وسلم سيماهم التحليق تنصيص على هؤلاء القوم الخارجين من المشرق التابعين لمحمد بن عبد الوهاب فيما ابتدعه لانهم كانوا يامرون من اتبعهم ان يحلق راسه لا يتركونه يفارق مجلسهم اذا اتبعهم حتى يحلقوا راسه ولم يقع مثل ذلك قط من احد من الفرق الضالة التى مضت قبلهم ان يلتزموا مثل ذلك فالحديث صريح فيهم وكان السيد عبد الرحمن الاهدل مفتى زبيد يقول لا يحتاج الناس لتأليف فى الرد على ابن عبد الوهاب بل يكفى فى الرد عليه قوله صلى الله عليه وسلم سيماهم التحليق فانه لم يفعله احد من المبتدعة وكان محمد بن عبد الوهاب يامر ايضا بحلق رؤس النساء اللاتى يتبعنه فاقامت عليه الحجة مرة

امراۃ دخلت فی دینہ وجددت اسلامہا علی زعمہ فامر بحلق راسہا فقالت لہ لم تامر بحلق الرأس للرجال فلو امرتہم بحلق اللحی اساغ لک ان تامر بحلق رؤس النساء لان شعر الراس للنساء بمنزلۃ اللحیۃ للرجال فبہت الذی کفر ولم یجد لہا جوابا۔[1]

احادیثِ رسول سے شیخ نجدی کے خروج کی تعیین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کچھ لوگوں کا (عرب کے) مشرق کی جانب سے ظہور ہوگا، قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور دوبارہ شکار میں واپس نہیں آسکتا، اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو دین میں دوبارہ داخل نہیں ہوسکیں گے ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ سر منڈایا کریں گے۔ نیز حضور پاک نے فرمایا، کفر کا گڑھ مشرق کی جانب ہے اور فرمایا سخت دلی اور سنگ دلی مشرق کی جانب ہے اور ایمان اصل حجاز میں ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے دُعا مانگی، اے اللہ! ہمارے شام میں برکت دے اور ہمارے یمن میں برکت دے۔ صحابہ نے عرض کیا، ہمارے نجد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لیے دُعا نہیں مانگی اور تیسری بار فرمایا، وہاں سے زلزلے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا اور یہ بھی حضور کی حدیث ہے کہ کچھ لوگوں کا (عرب کے) مشرق سے ظہور ہوگا، قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک صدی ختم ہوجائے گی تو دوسری صدی اسی طرح آئے گی، حتیٰ کہ ان کے آخر میں مسیح الدجال کا ظہور ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بدعقیدہ لوگوں کی علامت یہ ہوگی کہ وہ

---

[1] سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی، متوفی ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام ص ۲۳۵/۲۳۴

سر منڈائیں گے، یہ نص صریح ہے۔ ان لوگوں پر جو عرب کی مشرقی جانب سے ظاہر ہوئے اور جنہوں نے محمد بن عبدالوہاب کی پیروی کی، کیونکہ محمد بن عبدالوہاب اپنے پیروکاروں کو سر منڈانے کا حکم دیتے تھے اور زائرینِ مدینہ کی اس وقت تک اس سے جان نہیں چھٹتی تھی، جب تک کہ وہ سر نہیں منڈا لیتے تھے۔

اس سے پہلے جتنے بھی فرقے گزرے ہیں، ان میں سے کوئی بھی فرقہ سر منڈوانے کا التزام نہیں کرتا تھا۔ پس اس حدیث صحیح میں جن بدعقیدہ اور دین سے نکلنے والے لوگوں کی خبر دی گئی ہے، اس کے مصداق صرف شیخ نجدی کے پیروکار ہیں۔ اسی وجہ سے سید عبدالرحمان الاہدل مفتی زبید کہتے تھے کہ محمد بن عبدالوہاب کی گمراہی اور دین سے خروج پر کوئی علیحدہ اور مستقل دلیل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کے فرقے کے بطلان کے لیے یہ امر کافی ہے کہ انہوں نے سر منڈانا اپنا شعار بنالیا ہے، بلکہ ان کے رد کے لیے یہ کافی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب تو ان عورتوں کے بھی بال منڈوا دینا چاہتا تھا جو اس سے بیعت کے لیے آتی تھیں۔

ایک بار ایک عورت اس کے نئے دین میں داخل ہوئی اور پچھلے اسلام سے تائب ہوئی۔ محمد بن عبدالوہاب نے اس کے سر کے بال منڈوانے کا حکم دیا۔ اس عورت نے کہا، تم مردوں کے صرف سر کے بال منڈوانے پر کیوں اکتفا کرتے ہو، اگر تم ان کی ڈاڑھیاں بھی منڈوا دو، تو تم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تم ہمارے سر کے بال کٹوا دو، کیونکہ عورتوں کے سر کے بال بمنزلہ مردوں کی ڈاڑھیوں کے ہیں۔ اس عورت کی یہ بات سن کر شیخ نجدی مبہوت رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد سید احمد دحلان، علامہ سید علوی بن احمد حسن ابن القطب کی کتاب جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام سے چند اقتباسات نقل فرماتے ہیں:

وذكر العلامة السيد علوى بن احمد بن حسن ابن القطب سيدى عبدالله بن علوى الحداد فى كتابه الذى الفه فى الرد على ابن عبد الوهاب المسمى "جلاء الظلام فى الرد على النجدى الذى اضل العوام" من جملة الاحاديث التى ذكرها فى الكتاب المذكور حديثا مرويا عن العباس ابن عبد المطلب رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم سيخرج فى ثانى عشر قرنا فى وادى بنى حنيفة رجل كهيئة الثور لا يزال يلعق براطمه يكثر فى زمانه الهرج والمرج يستحلون اموال المسلمين ويتخذونها بينهم متجرا ويستحلون دماء المسلمين ويتخذونها بينهم مفخرا وهى فتنة يعتز فيها الارذلون والسفل تتجارى بهم الاهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه ولهذا الحديث شواهد تقوى معناه وان لم يعرف من خرجه ثم قال السيد المذكور فى الكتاب الذى مر ذكره واصرح من ذلك ان هذا المغرور محمد بن عبد الوهاب من تميم فيحتمل انه من عقب ذى الخويصرة التميمى الذى جاء فيه حديث البخارى عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ان من ضئضئ هذا او فى عقب هذا قوما يقرؤن القرآن لا يجاوز حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان لئن ادركتهم لاقتلنهم قتل عاد فكان هذا الخارجى يقتل اهل الاسلام ويدع اهل الاوثان ولما قتل على بن ابى طالب رضى الله عنه الخوارج قال رجل الحمد لله الذى ابادهم واراحنا منهم

فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلا والذی نفسی بیدہ ان منھم لمن هو فی اصلاب الرجال ثم تحمله النساء ولیکونن اخرهم مع المسیح الدجال وجاء فی حدیث عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ذکر فیه بنی حنیفة قوم مسیلمة الکذاب وقال فیه ان وادیهم لایزال وادی فتن الی اخر الدهر ولایزال الدین فی بلیة من کذابهم الی یوم القیامة وفی روایة ویل للیمامة ویل لافراق له وفی حدیث ذکره فی مشکوٰة المصابیح سیکون فی اخر الزمان قوم یحدثونکم بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاهم لایضلونکم ولا یفتنونکم وانزل اللہ فی بنی تمیم ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرهم لایعقلون وانزل اللہ فیهم ایضا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی صلی اللہ علیه وسلم، قال السید علوی الحداد المذکور آنفا ان الذی ورد فی حنیفة وفی ذم بنی تمیم ووائل شیئ کثیر و یکفیك ان اغلب الخوارج واکثرهم منهم وان الطاغیة بن عبداللہ[2] من تمیم وان رئیس الفرقة الباغیة عبدالعزیز من وائل وجاء عنه صلی اللہ علیه وسلم انه قال کنت فی مبدأ الرسالة اعرض نفسی علی القبائل فی کل موسم ولم یجبنی احد جوابا اقبح ولا اخبث من رد حنیفة۔[1]

جلاء الظلام کا خلاصہ

علامہ سید علوی بن احمد بن حسن بن القطب سیدی عبداللہ بن علوی الحداد نے ابن

[1] سید احمد ابن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام ص ۲۳۱/۲۳۵

عبدالوہاب کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام، ہے۔ اس میں تقریباً وہ تمام احادیث ذکر کی ہیں جن کو ہم اس رسالہ میں پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ابن عباس سے ایک اور حدیث پیش کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارھویں صدی میں وادی بنی حنیفہ میں ایک شخص کا ظہور ہوگا جس کی ہئیت کذائی بیل کی طرح ہوگی اور وہ خشکی کا تمام چارہ کھا جائے گا۔ اس کے زمانہ میں قتل و خونریزی بہت ہوگی، وہ مسلمانوں کا مال حلال سمجھ کر لوٹ لیں گے اور ان اموال سے تجارت کریں گے اور مسلمانوں کے قتل عام کو حلال سمجھ کر ان کے قتل پر فخر کریں گے۔ یہ ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں ذلیل قسم کے لوگ ابھر کر غالب ہوجائیں گے اور نچلے درجے کے لوگ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے، جیسے کتا اپنے مالک کے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد اور اس کے معنی بہت سے مؤیدات ہیں، اگرچہ اس کی اصل کا پتہ نہیں چلا سکا۔

اس کے بعد سید علوی لکھتے ہیں، اس سے بھی زیادہ صریح بات یہ ہے کہ فریب خوردہ شیخ نجدی بنو تمیم کی پیداوار تھا اور اس لحاظ سے بھی یہ ممکن ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تمیمی کی صلب سے پیدا ہوا ہو جس کے بارے میں صحیح بخاری میں حدیث ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی زمین سے یا فرمایا اس شخص (ذوالخویصرہ) کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے نرخرہ سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کفار سے تعرض نہیں کریں گے۔ اگر میں تھا میں ان کا زمانہ پاتا تو ان کا اس طرح قتل عام کرتا جس طرح قوم عاد کا قتل عام کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ خارجی بھی اہل اسلام کو قتل کرتا ہے اور کفار سے اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہے اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج کو قتل کر دیا، تو ایک شخص نے کہا، الحمد للہ جس نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہمیں

راحت دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ابھی خوارج میں سے وہ لوگ باقی ہیں، جو مردوں کی پشتوں میں ہیں اور عورتوں سے ہنوز وہ پیدا نہیں ہوتے اور انہیں میں سے آخری شخص مسیح الدجال اور حضرت ابوبکر صدیق نے مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: ان کی وادی سے قیامت تک فتنوں کا ظہور ہوتا رہے گا اور دینِ اسلام ہمیشہ کذابوں کی وجہ سے فتنوں میں مبتلا رہے گا۔ اس کے بعد علامہ علوی نے مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث شریف نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک قوم ایسی ظاہر ہوگی جو تم سے ایسی باتیں کرے گی جو نہ تم نے سنی ہوں گی، نہ تمہارے باپ دادا نے پس تم ان سے ہرگز نہ ملنا کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں یا کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں، اور یہ بنو تمیم ہی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین

ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ۴۹/۴

(یہ لوگ آپ کو دروازے کے باہر سے آواز دے کر بلاتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں)

اور یہ آیت بھی بنو تمیم ہی کے بارے میں نازل ہوئی:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ۴۹/۲

(نبی علیہ السلام کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو)

سید علی حداد فرماتے ہیں کہ بنو تمیم، بنو حنیفہ اور وائل کی مذمت میں بہت چیزیں وارد ہوئی ہیں۔ یاد رہے کہ وادی بنو حنیفہ قبیلہ بنو تمیم میں سے اکثر خوارج کا ظہور ہوا اور فرقہ وہابیہ کا رئیس عبد العزیز وائل سے تھا اور قبیلہ وائل کے بارے میں یہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ابتدائی ایام میں حج کے موسم میں مختلف قبائل پر دینِ اسلام پیش فرماتے تھے، آپ فرماتے ہیں، میرے پیغام کے جواب میں کسی قبیلہ نے اتنا قبیح اور خبیث جواب نہیں دیا تھا، جتنا قبیح اور خبیث جواب بنی حنیفہ کے لوگوں نے دیا تھا۔

علامہ جمیل آفندی صدقی زہاوی عراقی

علامہ عراقی شیخ نجدی کے ابتدائی حالات سے انجام کار تک نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما ولادته فقد كانت سنة ۱۱۱۱ وتوفى سنة ۱۲۰۷ وكان فى ابتداء امره من طلبة العلم يتردد على مكة والمدينة لاخذه عن علمائهما وممن اخذ عنه فى المدينه الشيخ محمد بن سليمان الكردى والشيخ محمد حياة السندى وكان الشيخان المذكوران وغيرهما من المشائخ الذين اخذ عنهم يتفرسون فيه الغواية والالحاد ويقولون سيضل الله تعالى هذا ويضل به من اشقاه من عباده فكان الامر كذلك وكذا كان ابوه عبد الوهاب وهو من العلماء الصالحين يتفرس فيه الالحاد ويحذر الناس منه وكذلك اخوه الشيخ سليمان حتى انه الف كتابا فى الرد على ما احدثه من البدع والعقائد الزائغة وكان محمد هذا بادئ بدئه كما ذكره بعض كبائر المولفين مولعا بمطالعة اخبار من ادعى النبوة كاذبا كمسيلمة الكذاب وسجاح والاسود العنسى وطليحة الاسدى واضرابهم فكان يضمر فى نفسه دعوى النبوة الا انه لم يتمكن من اظهارها وكان يسمى جماعته — من اہل سنۃ کا انصار رکھا تھا — من الخارج المهاجرين وكان يامر من حج حجة الاسلام قبل اتباعه ان يحج ثانية قائلا ان حجتك الاولى غير مقبولة لانك حججتها وانت مشرك ويقول لمن اراد ان يدخل فى دينه اشهد على نفسك انك كنت كافرا واشهد على والديك انهما ماتا كافرين واشهد

على فلان وفلان ويسمى له جماعة من اكابر العلماء الماضين انهم كانوا كفارا فان شهد بذلك قبله وامر بقتله وكان يصرح بتكفير الامة منذ ستمائة سنة ويكفر كل من لا يتبعه وان كان من اتقى المسلمين ويسميهم مشركين ويستحل دماءهم واموالهم ويثبت الايمان لمن اتبعه وان كان من افسق الناس وكان عليه ما يستحق من الله ينتقص النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا بعبارات مختلفه منها قوله فيه انه (طارش)، وهو في لغة العامة بمعنى الشخص الذي يرسله احد الى غيره والعوام لا يستعملون هذه الكلمة فيمن له حرمة عندهم ومنها قوله اني نظرت في قصة الحديبية فوجدت فيها كذا وكذا من الكذب الى غير ذلك من الالفاظ الاستخفافية حتى ان بعض اتباعه يقول بحضرته ان عصاي هذه خير من محمد لاني انتفع بها ومحمد قد مات فلم يبق فيه نفع وهو يرضى بكلامه وهذا كما تعلم كفر في المذاهب الاربعة ومنها انه كان يكره الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وينهى عن ذكرها ليلة الجمعة وعن الجهر بها على المنائر ويعاقب من يفعل ذلك عقابا شديدا حتى انه قتل رجلا اعمى موذنا لم ينته عما امره بتركه من ذكر الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد الاذان ويلبس على اتباعه قائلا ان ذلك كله محافظة على التوحيد وكان قد احرق كثيرا من كتب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم كدلائل الخيرات وغيرها وكذلك احرق كثيرا من كتب الفقه والتفسير والحديث مما هو مخالف لاباطيله وكان ياذن لكل من تبعه ان يفسر القرآن بحسب فهمه ۔ له

له علامہ حسا عراقی، الفجر الصادق ص ۱

شیخ نجدی کے ابتدائی حالات

شیخ نجدی ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۷ھ میں فوت ہوا۔[1] تحصیل علم کے لیے شروع میں مکہ اور مدینہ گیا، وہاں شیخ محمد سلیمان کردی اور شیخ محمد حیات سندھی اور دوسرے مشائخ حجاز سے ملاقات ہوئی۔ اکثر مشائخ نے فراستِ ایمانی سے اس کی پیشانی پر گمراہی اور بدبختی کے آثار دیکھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کر دے گا اور اس کی وجہ سے بہت سے بندگانِ خدا گمراہی کے کنوئیں میں جا گریں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح اس کے والد گرامی شیخ عبدالوہاب بھی علماء صالحین میں سے تھے۔ انہوں نے بھی اس کی پیشانی پر بے دینی اور کفر کے آثار دیکھ لیے تھے، چنانچہ وہ مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے، اسی طرح اس کے بھائی شیخ سلیمان نے بھی اس کی بدعقیدگی میں اس کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

بدعقیدگی کی جانب پہلا قدم

ابتداء میں شیخ نجدی جھوٹے مدعیانِ نبوت مثلاً مسیلمہ کذاب، سجاح، اسود عنسی، طلیحہ اسدی اور دوسرے مدعیانِ نبوت کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا اور وہ خود بھی اپنے تئیں نبوت کا مدعی سمجھتا تھا، لیکن اس کو اس دعویٰ کے اظہار پر قدرت حاصل نہ ہو سکی۔ اپنے شہر والوں کا نام اس نے انصار رکھا اور اسی کے دوسرے ہم عقیدہ جو لوگ باہر سے آتے، ان کا نام مہاجرین رکھا جو شخص اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا، اس سے اقرار کراتا کہ تمہاری پچھلی زندگی مشرکانہ تھی اور اگر تم حج کر چکے ہو تو تم پر اب دوبارہ حج کرنا لازم ہے اور اس سے کہتا کہ تم گواہی دو کہ تم پہلے مشرک تھے، تمہارے ماں باپ بھی شرک پر مرے اور گزشتہ اکابر

---

[1] مشہور یہ ہوا کہ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں فوت ہوا۔ (قادری)

علماء دین کا نام لے لے کر کہتا کہ گواہی دو، وہ سب مشرک تھے۔ اگر وہ شخص یہ گواہیاں دیتا تو اس کی بیعت قبول کرتا، ورنہ اس کو قتل کرا دیتا اور شیخ نجدی بتصریح کہتا تھا کہ اب سے چھ سو سال پہلے کی تمام اُمت کافر تھی اور وہ شخص جو اس کی پیروی نہ کرتا، اس کو کافر کہتا خواہ وہ کتنا ہی پرہیزگار مسلمان کیوں نہ ہو اور اس کے قتل کو حلال اور اس کے مال لوٹنے کو جائز سمجھتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا خواہ وہ کیسا ہی فاسق کیوں نہ ہو اس کو مومن کہا کرتا تھا۔

بدعقیدگی کی انتہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مختلف طریقوں سے گستاخیاں کرتا تھا۔ آپ کو طارش کہتا تھا اور طارش کے معنی نجد کی لغت میں ایلچی کے ہوتے ہیں۔ واقعہ حدیبیہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ میں نے اس واقعہ کو پڑھا اور اس میں اتنی جھوٹی باتیں تھیں، نیز اس کے پیروکار اس کے سامنے برملا کہتے تھے کہ ہماری لاٹھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فوت ہو چکے اور ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ یہ باتیں سن کر وہ خوش ہوا کرتا تھا، اور یہ امور مذاہب اربعہ میں کفر ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے جانے کو ناپسند کرتا تھا اور جو مسلمان جمعہ کی رات کو بلند آواز سے درود شریف منبر پر پڑھتے تھے، انہیں روکتا تھا اور سخت ترین ایذائیں پہنچاتا تھا، حتیٰ کہ ایک نابینا مؤذن جو اذان سے پہلے درود شریف پڑھتا تھا اور اس کے روکنے سے نہیں رکتا تھا، اس کو اس نے قتل کروا دیا اور اپنے پیروکاروں کو فریب آفرینی سے یہ سمجھایا کرتا تھا کہ میں یہ سب کام توحید کی حفاظت کیلئے کر رہا ہوں۔

درود شریف کے موضوع پر دلائل الخیرات اور اس جیسی کتنی ہی کتابیں اس نے جلا ڈالیں۔ اسی طرح فقہ اور تفسیر اور حدیث کی جو کتابیں اس کے مزعومات کے خلاف

تھیں، ان سب کو اس نے جلا ڈالا اور اس نے پیروکاروں کو اذنِ عام دے رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں، اپنی عقل سے قرآن کریم کی تفسیر کریں۔

شیخ نجدی نے محمد بن سعود کو جو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بنایا، اس موضوع پر علامہ عراقی لکھتے ہیں:

ثم انه صنف لابن سعود رسالة سماها (كشف الشبهات عن خالق الارض والسموات) كفر فيها جميع المسلمين و زعم ان الناس كفار منذ ستمائة سنة وحمل الآيات نزلت فى الكفار من قريش على اتقياء الامة واتخذ ابن سعود مايقوله وسيلة لاتساع الملك وانقياد الاعراب له فصار ابن عبدالوهاب

مما يقوله ولا يفعلون شيئا

يدعو الناس الى الدين ويثبت فى قلوبهم ان جميع من هو تحت السماء، مشرك بلا مراء۔ ومن قتل مشركا فقد وجبت له الجنة وكان ابن سعود يمتثل كلما يامره به فاذا امره بقتل انسان او اخذ ماله سارع الى ذلك فكان ابن عبدالوهاب فى قومه كالنبى فى امته۔ لا يتركون شيئا الا يامره ويعظمونه غاية التعظيم و يبجلونه غاية التبجيل [1]

محمد بن سعود سے گٹھ جوڑ

شیخ نجدی نے محمد بن سعود کی خاطر کشف الشبہات نامی ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں اس نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور یہ زعم کیا کہ چھ سو سال سے تمام مسلمان کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں، ان کو

---

[1] علامہ جمیل عراقی، الفجر الصادق، ۲۰، ۱۹

صالح مسلمانوں پر چسپاں کیا۔

ابن مسعود نے اس رسالہ کو اپنی مملکت کی حدود وسیع کرنے کے لیے وسیلہ بنالیا تاکہ عرب اس کی پیروی کریں۔ شیخ نجدی لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دیتا اور لوگوں کو ذہن نشین کراتا کہ آسمان کے نیچے اس وقت جس قدر مسلمان ہیں، بلا ریب سب مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا، اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ شیخ نجدی جو بھی حکم دیتا، ابن سعود اس پر عمل کرتا۔ جب شیخ نجدی کسی انسان کے قتل یا اس کے مال لوٹنے کا حکم جاری کرتا، تو ابن سعود اس حکم کی تعمیل کرتا۔ پس نجدیوں کی اس قوم میں محمد بن عبدالوہاب ایک نبی کی شان سے رہتا تھا۔ اس کی ہر بات پر عمل کیا جاتا تھا اور وہ کوئی کام اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے اور نجد کے لوگ شیخ نجدی کی اتنی تعظیم کرتے تھے جتنی تعظیم کسی نبی کی کی جا سکتی ہے۔

شیخ نجدی نے جو ملحدانہ اور انسانیت سوز ظالمانہ کارروائیاں کیں، ان پر قلم اٹھاتے ہوئے علامہ عراقی لکھتے ہیں؛

ومن قبائح ابن عبد الوهاب احراقه كثيرا من كتب العلم وقتله كثيرا من العلماء وخواص الناس وعوامهم واستباحة دمائهم واموالهم ونبشه لقبور الاولياء وقد امر في الاحساء ان تجعل بعض قبورهم محلا لقضاء الحاجة ومنع الناس من قراءة دلائل الخيرات ومن الرواتب والاذكار ومن قرأة المولد الشريف ومن الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم في المنائر بعد الاذان وقتل من فعل ذلك ومنع الدعاء بعد الصلاة وكان يصرح بكفر المتوسل بالانبياء والملائكة والاولياء ويزعم ان من قال لاحد مولانا او سيدنا فهو كافر۔

ومن اعظم قبائح الوهابية اتباع ابن عبد الوهاب قتلهم الناس

حين دخلوا الطائف قتلوا عاما حتى استاصلوا الكبير والصغير واودوا بالمامور والامير، والشريف والوضيع، وصاروا يذبحون على صدر الام طفلها الرضيع ووجدوا جماعة يتدارسون القرآن فقتلوهم عن اخرهم ولما ابادوا من فى البيوت جميعا خرجوا الى الحوانيت والمساجد وقتلوا من فيها

وقتلوا الرجل فى المسجد وهو راكع او ساجد حتى افنوا المسلمين فى ذلك البلد ولم يبق فيه الا قدر نيف وعشرين رجلا تمنعوا فى بيت الفتنى بالرصاص ان يصلوهم وجماعة فى بيت الفعر قدر الاثنين وسبعين قاتلوهم يومهم ثم قاتلوهم فى اليوم الثانى والثالث حتى راسلوهم بالامان مكرا وخديعة فلما دخلوا عليهم واخذوا منهم السلاح قتلوهم جميعا واخرجوا غيرهم ايضا بالامان والعهود الى وادى (وج) وتركوهم هنالك فى البرد والثلج حفاة عراة مكشوفى السوآت هم ونساؤهم من مخدرات المسلمين ونهبوا الاموال والنقود والاثاث وطرحوا الكتب على البطاح وفى الازقة والاسواق تعصف بها الرياح وكان فيها كثير من المصاحف ومن نسخ البخارى ومسلم وبقية كتب الحديث والفقه وغير ذلك تبلغ الوفا مولفة فمكثت هذه الكتب اياما وهم يطؤنها بارجلهم ولا يستطيع احد ان يرفع منها ورقة ثم اخربوا البيوت وجعلوها قاعا صفصفا وكان ذلك، سنة ۱۲۱۷.[1]

شیخ نجدی کی علم اور علماء سے عداوت

شیخ نجدی کے نفرت انگیز کاموں میں سے ایک کام یہ ہے کہ اس نے کثیر تعداد میں

---

[1] علامہ جمیل عراقی، الفجر الصادق، ص ۲۲/۲۱

علمی کتابوں کو جلوا ڈالا۔ دوسرا یہ کہ کثیر علماء کو قتل کرا دیا، اسی طرح عوام وخواص میں سے بے حساب بے گناہوں کے خونِ ناحق سے اس کے ہاتھ رنگین ہوئے اور اس نے ان کے قتل کو حلال اور اموال کو لوٹنا جائز ٹھہرایا تھا۔ تیسرا بدترین فعل یہ ہے کہ اس نے اولیاء اللہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا اور چوتھا اس سے بھی قابلِ نفرت کام یہ کیا کہ احساء میں اولیاء کرام کی قبروں کو بیت الخلاء میں تبدیل کرا دیا۔ لوگوں کو دلائل الخیرات اور دوسرے ذکر واذکار پڑھنے سے منع کرتا تھا اسی طرح میلاد شریف اور مسجد کے میناروں میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا جو مسلمان یہ مبارک اور مستحسن کام کرتے، ان کو قتل کرا دیتا۔ نماز کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتا تھا۔ انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دُعا مانگنے کو صراحۃً کفر قرار دیتا تھا اور کہتا تھا جو شخص کسی کو مولانا یا سیدنا کہے، وہ کافر ہے۔

وہابیہ کے لرزہ خیز مظالم

وہابیہ کے بدترین مظالم میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے طائف پر غلبہ پا کر قتلِ عام شروع کر دیا، یہاں تک کہ بوڑھوں تک سب کو تہ تیغ کر دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے امیر، مامور اور عوام وخواص کا کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ ماں کے سامنے اس کے شیر خوار بچے کو ذبح کر دیتے تھے۔ ایک جگہ کچھ لوگ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے ان تمام لوگوں کو اسی حالت میں قتل کر دیا۔ گھروں سے فارغ ہونے کے بعد دکانوں اور مسجدوں کا رُخ کیا، مسجد میں نمازیوں کو عین نماز کی حالت میں قتل کر دیا خواہ کوئی قیام میں ہو، رکوع میں یا سجدہ میں یہاں تک کہ بیس پچیس کے سوا تمام اہلِ طائف تہ تیغ کر دیے گئے۔ ایک دن میں دو سو ستر مسلمان قتل کیے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی اتنے ہی لوگوں کو قتل کیا۔ تیسرے روز اہلِ طائف کو دھوکے سے بلایا اور ان کو امان دینے کے بہانے سے ان کے تمام ہتھیار لے لیے، پھر ان کو برفانی وادی میں لے گئے اور

مردوں اور عورتوں کے کپڑے اتروا کر ان کو برفانی وادیوں میں تڑپتا چھوڑ گئے اور ان کا مال ومتاع لوٹ لیا اور کتابوں کو سرِ عام پھینک دیا۔ ان میں قرآن کریم کے متعدد نسخے احادیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری حدیث اور فقہ کی دوسری کتابیں تھیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ کافی عرصہ تک یہ کتابیں اپنی عظمت و حرمت کو یونہی صدائیں دیتی رہیں اور نجدی ان مقدس اوراق کو اپنے قدموں تلے روندتے رہے اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ ان اوراق میں سے کوئی ورق اٹھالے۔ پھر انہوں نے طائف کے گھروں میں آگ لگادی اور ایک خوبصورت اور آباد شہر کو برباد کر کے چٹیل میدان بنادیا اور یہ واقعہ ۱۲۱۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

ابو حامد بن مرزوق

علامہ ابی حامد بن مرزوق محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد اور اس کے چند مذموم افعال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

تقدم فی المقدمة ان امہات عقیدته منحصرة فی اربع، تشبیه اللہ سبحانه وتعالیٰ بخلقه وتوحید الالوهیة والربوبیة وعدم توقیرہ النبی صلی اللہ علیه وسلم، وتکفیرہ المسلمین وانه مقلد فیها کلها احمد بن تیمیه وهذا مقلد فی الاولی الکرامیة ومجسمة الحنابلة ومقتد بهما وبالحروریین فی الرابعة، ومخترع توحید الالوهیة والربوبیة الذی تفرع عنه عدم توقیرہ النبی صلی اللہ علیه وسلم وتکفیرہ المسلمین۔

وقد فرق ابن تیمیه تکفیرہ المسلمین فی کتبه تلبیساً وتحت ستار الکتاب والسنة والسلف وائمة السنة والائمه «المزیف»، وهذا

صرح بتکفیرھم وجعل رأی ابن تیمیۃ اصلا بنی علیہ رسائلہ المؤلفۃ فی التوحید قالوا:

کان محمد بن عبد الوہاب ینہی عن الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتاذی من سماعھا، وینہی عن الاتیان بھا لیلۃ الجمعۃ وعن الجہر بھا علی المنائر، یوذی من یفعل ذلک ویعاقبہ اشد العقاب حتی انہ قتل رجلا اعمی کان مؤذنا صالحا ذا صوت حسن، نہاہ عن الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنارۃ بعد الاذان فلم ینتہ فامر بقتلہ فقتل۔

ثم قال ان الربابۃ فی بیت الخاطئۃ، یعنی الزانیۃ اقل اثما ممن ینادی بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنائر، ویلبس علی اصحابہ بان ذلک کلہ محافظۃ علی التوحید واحرق دلائل الخیرات وغیرھا من کتب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویتستر بقولہ: ان ذلک بدعۃ وانہ یرید المحافظۃ علی التوحید، وکان یمنع اتباعہ من مطالعۃ کتب الفقہ والتفسیر والحدیث واحرق کثیرا منھا واذن لکل من اتبعہ ان یفسر القرآن بحسب فہمہ، فکان کل واحد منھم یفعل ذلک، ولوکان لا یحفظ القرآن ولا شیئا منہ، وامرھم ان یعملوا ویحکموا بما یفھمونہ وجعل ذلک مقدما علی کتب العلم ونصوص العلماء۔[1]

شیخ نجدی کے عقائد

---

[1] شیخ ابی حامد بن مرزوق: التوسل بالنبی وجہلۃ الوہابیین، ص ۲۴۵، ۲۴۴

ہم شروع ہی میں بیان کر چکے ہیں کہ شیخ نجدی کے بنیادی عقیدے چار ہیں،

۱۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے مشابہ ماننا۔

۲۔ الوہیت اور ربوبیت کو صفت واحدہ ماننا۔

۳۔ نبی علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنا۔

۴۔ تمام مسلمانوں کی تکفیر کرنا۔

ان چاروں عقیدوں میں شیخ نجدی ابن تیمیہ کا مقلد ہے اور ابن تیمیہ پہلے عقیدے میں کرامیہ اور مجسّمہ کا مقلد ہے اور چوتھے عقیدے میں خوارج کا مقلد ہے، دوسرا اور تیسرا عقیدہ اس کی اپنی اختراع ہے۔ پہلے اس نے الوہیت اور ربوبیت کی وحدت کا عقیدہ تراشا اور اس کے اوپر تیسرے عقیدہ تنقیص رسالت کی بنیاد رکھی۔

شیخ نجدی حضور پر درود شریف پڑھنے کو ناپسند کرتا تھا اور درود شریف سننے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی اور جمعہ کی رات کو خصوصاً درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا اور مسجد کے میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے سے بھی روکتا تھا اور جو شخص درود شریف پڑھتا اس کو سخت ایذا دیتا، یہاں تک کہ اس نے ایک صالح اور نابینا موذن کو صرف اس بات پر قتل کرا دیا کہ اس نے مسجد کے مینار میں اذان کے بعد درود شریف پڑھا تھا۔

ابن تیمیہ نے تکفیر مسلمین کے عقیدہ کو اپنی کتابوں میں کتاب وسنت کی اصطلاحوں اور علماء کی عبارتوں کی اوٹ میں چھپا کر رکھا تھا، لیکن شیخ نجدی نے تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تکفیر مسلمین کا فتویٰ دے دیا اور بناء ابن تیمیہ پر رکھی۔

شیخ نجدی کہتا تھا کہ مسجد کے میناروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا گناہ ایک فاحشہ کسبیہ کے گھر مزامیر بجانے سے زیادہ ہے اور اپنے پیروکاروں کو فریب دیتا تھا کہ توحید کی حفاظت اسی طرح ہوگی۔

شیخ نجدی نے درود شریف کی عام کتابوں اور بالخصوص دلائل الخیرات کو جلوا دیا

اور کہتا تھا کہ یہ بدعت ہیں اور توحید کی محافظت اسی طرح ہوگی اور وہ اپنے پیروکاروں کو فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا کرتا تھا اور ہر شخص کو اس کی عقل کے مطابق تفسیر کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، چنانچہ اس کے متبعین اسی طرح کیا کرتے تھے اور جو کچھ قرآن کریم سے مطالب اخذ کرتے، اسی پر عمل کرتے اور لوگوں سے کراتے تھے۔

علامہ ابن مرزوق نے شیخ نجدی کی دیگر شناعات اور مفاسد میں تقریباً وہی باتیں لکھی ہیں، جن کو علامہ سید دحلان مکی اور علامہ عراق لکھ چکے ہیں، اس لیے ہم نے طوالت کی وجہ سے وہ تمام عبارات ترک کر دیں۔

انور شاہ کشمیری

دیوبندیوں کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فکانه رجلا بلیدا قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت تیز تھا۔ [1]

حسین احمد مدنی

دیوبندی مکتب فکر کے ایک بڑے عالم حسین احمد مدنی نے شہاب ثاقب میں مختلف مقامات پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور اس کے عقائد سے بحث کی ہے، ہم ان سطور پریشاں کو ایک منظم شکل میں حوالہ صفحات کی قید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

[1] انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ص ۱۷۱

۱۔ صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدا تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزارہا آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ غرضیکہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیئے۔ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج و عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔ [۱]

۲۔ محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانانِ دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔ [۲]

۳۔ نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات ان کو برزخ ہے اور احاد امت

---

[۱] حسین احمد مدنی، شہاب ثاقب ص ۴۲۔ [۲] ایضاً، ص ۴۳

کو ثابت ہے ۔ بعض ان کے حفظ جسم نبی کے قائل ہیں ، مگر بلا علاقہ روح ، اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظِ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں ، در بارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے ۔[۱]

۴۔ زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت ، حرام وغیرہ لکھتا ہے ۔ اس نیت سے سفر کرنا محظور اور ممنوع جانتا ہے ، لا تشد والرحال الا الی ثلثۃ مساجد ان کا مستدل ہے ۔ بعض ان میں سے سفرِ زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں ۔ اگر مسجدِ نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ وسلام ذاتِ اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں ۔[۲]

۵۔ وہابیہ مسئلہ شفاعت میں ہزاروں تاویلیں اور گھڑنٹ کرتے ہیں اور قریب قریب انکارِ شفاعت کے بالکل پہنچ جاتے ہیں ۔[۳]

۶۔ وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ ، ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں ، چنانچہ جن لوگوں نے دیارِ نجد کا سفر کیا ہوگا ، یا ان سے اختلاط کیا ہوگا ، ان کو بخوبی معلوم ہوگا کہ فیوضِ روحانیہ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے ۔[۴]

---

[۱] حسین احمد مدنی : شہابِ ثاقب ، ص ۴۵

[۲] " " ص ۴۶ / ۴۵

[۳] " " ص ۴۷

[۴] " " ص ۵۹

۷۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرکت فی الرسالۃ جانتے ہیں اور ائمۂ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے، چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیروکار ہیں۔ وہابیہ نجد و عرب اگرچہ بوقت اظہار دعوی حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل در آمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ خیال کرتے ہیں، اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول ہو گیا ہے۔[۱]

۸۔ مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوا ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے . . . . . علی ہذا القیاس مسئلہ ندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلق منع کرتے ہیں[۲]

۹۔ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ : الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزا اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔[۳]

۱۰۔ وہابیہ تمباکو کو کھانے اور پینے کو حقہ میں ہو یا سگار میں یا چرٹ میں اور اس کے ناس لینے کو حرام اور اکبر الکبائر میں سے شمار کرتے ہیں۔ ان جہلا کے نزدیک زنا اور سرقہ کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر تمباکو کو استعمال کرنے والا ملامت کیا جاتا ہے[۴] اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق و فجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمباکو کو استعمال

---

[۱] حسین احمد مدنی، شہاب ثاقب، ص ۶۲
[۲] " " " ۶۴
[۳] " " " ۶۵
[۴] اب سعودی عرب میں تمباکو کا بکثرت استعمال ہو رہا ہے گویا ان کے نزدیک اس سے مرغوب پاک اور حلال چیز اور ہے ہی نہیں (ا۔ ش)

کرنے والے سے کرتے ہیں ۔[1]

(۱۱) وہابیہ امرِ شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلۂ عدم کے پہنچا دیتے ہیں ۔[2]

(۱۲) وہابیہ سوائے علمِ احکامِ شرائع جملہ علوم اسرارِ حقانی وغیرہ سے ذاتِ سرورِ کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں ۔[3]

(۱۳) وہابیہ نفسِ ذکرِ ولادتِ حضورِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکارِ اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں ۔[4]

خلیل احمد انبیٹھوی

اشرف علی تھانوی، شبیر احمد عثمانی، حبیب الرحمٰن دیوبندی و دیگر اکابرِ دیوبند

خلیل احمد انبیٹھوی نے علماءِ مدینہ کے سوالات کے جواب میں ایک کتاب "التصدیقات لدفع التلبیسات" لکھی جس کی تصدیق و تائید اشرف علی تھانوی، شبیر احمد عثمانی، حبیب الرحمان دیوبندی اور دیگر اکابرِ دیوبند نے کی ۔ اس کتاب میں بھی شیخ نجدی کا ذکر آگیا ہے ۔ علماءِ مدینہ شیخ نجدی کے بارے میں سوال کرتے ہیں :

سوال

محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا، مسلمانوں کے خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا ۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور کیا سلف اور اہلِ قبلہ کی تکفیر کو تم جائز سمجھتے ہو یا کیا مشرب ہے ؟

---

[1] حسین احمد مدنی : شہاب ثاقب ، ص ۶۶

[2] " " " ۶۷

[3] " " " ۶۷

[4] " " " ۶۷

جواب

ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے جو صاحب در مختار نے فرمایا ہے اور خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں ان کا حکم باغیوں کا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لیے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے، اگرچہ باطل ہی سہی اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سرزمینِ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے، مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انہوں نے اہل سنت اور علماء اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی [1]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

غیر مقلدوں کے مشہور امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اپنے فرقہ یعنی غیر مقلدین کو وہابیت سے بری کرنے کے لیے ایک طویل گفتگو کرتے ہیں اور مآل کار لکھتے ہیں،

مردم ہند از برائے تجارت و زیارت بحرمین شریفین میروند و خود مردم آنجا از نام صاحب نجد فروختہ مے گردند زیرا کہ نجدی وہابی بلاہا ئے بر سر ایشاں ریختہ بود پس ہر کہ از مکہ معظمہ و مدینہ منورہ باز پس مے آید وے عداوت محمد بن عبدالوہاب ہمراہ خود مے آرد۔

ہندوستان سے لوگ تجارت اور حرمین شریفین کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں،

---

[1] خلیل احمد انبیٹھوی، التصدیقات لدفع التلبیسات، ص ۱۹/۱۸

کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے، وہ اپنے دل میں محمد بن عبدالوہاب کے خلاف سخت غم و غصے کو لے کر آتا ہے[1]

محمد منظور نعمانی

دیوبندیوں کے مشہور عالم محمد منظور نعمانی شیخ نجدی سے بہت متاثر ہیں اور اپنے مضامین میں انہوں نے شیخ نجدی کی مبالغہ آمیز وکالت کی ہے، اس کے باوجود وہ بعض مسائل میں شیخ نجدی سے اختلاف کرنے پر مجبور ہو گئے، لکھتے ہیں:

اصولی درجہ میں اس توافق اور طرزِ فکر میں بڑی حد تک یکسانیت اور یگانگت کے باوجود بعض نظریات و مسائل میں ہمارے اکابر علماء دیوبند اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے نقطۂ نظر اور رویہ میں کچھ فرق و اختلاف بھی ہے۔ مثلاً وہ حضرات زیارتِ نبوی کو مستحب و مسنون بلکہ افضل اعمال ماننے کے باوجود مشہور حدیث لا تشد الرحال ..... الخ کی خاص زیارت کے لیے مدینہ منورہ کی طرف سفر کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک سفر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے کرنا چاہیئے۔ پھر وہاں پہنچ کر زیارت کی مستقل نیت کریں۔ حدیث لا تشد الرحال الخ کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق صرف مساجد کے لیے سفر کرنے سے ہے۔

اسی طرح دعا میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بالصالحین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین بالکل جائز نہیں سمجھتے اور ہمارے اکابر کے نزدیک وہ ناجائز نہیں ہے، کیونکہ وہ فی الحقیقت توسل باعمالهم الصالحه ہی کی

---

[1] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی: مواثد العوائد من عیون الاخبار والفوائد، ص ۳۸

ایک صورت ہے اور توسل بالاعمال الصالحة بالاتفاق جائز اور ثابت ہے۔
ہاں اگر کوئی جاہل اور گمراہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا کسی اور مقبول و فات یافتہ بندے کے وسیلے سے دُعا کرے اور سمجھے کہ اس وسیلے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر معاذ اللہ کوئی بوجھ اور دباؤ پڑے گا اور وہ قبول ہی کریں گے یا یہ سمجھ کر دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس وسیلے کے بغیر دعا قابلِ سماعت نہ ہوگی، تو بے شک یہ عقیدہ سخت گمراہانہ اور یہ فعل حرام ہوگا۔ (کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ وسیلہ سے عائذ کردہ نظریہ سے مانگتا ہوگا، یہ صورت محض فرضی ہے، واقعی نہیں۔ (قادری غفرلہٗ)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت کے سوال کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین ناجائز بلکہ ایک طرح کا شرک کہتے ہیں جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حوالہ سے گزشتہ قسط میں نقل کیا جا چکا ہے (اس بارے میں ان کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے جو ان حضرات کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے) لیکن ہمارے اکابر اس اصول عقیدہ اور یقین میں ان سے متفق ہونے کے باوجود کہ "قیامت اور آخرت میں کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور صرف اسی بندے کے حق میں شفاعت ہو سکے گی جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی و اجازت ہوگی۔"

زائر کے لیے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت اور استغفار کی استدعا کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اسی طرح کی شفاعت کی ہرگز یہ بنیاد نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کے معاملہ میں "خود مختار" سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا بلاشبہ سخت گمراہی ہے۔ کسی مخلوق کو بھی بارگاہِ خداوندی میں بطورِ خود شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہے اور نہ ہوگا۔
قل للہ الشفاعۃ جمیعا ۴۴/۳۹ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ ۲/۲۵۵

(منظور احمد نعمانی اقرار کرتے ہیں کہ شیخ نجدی دنیا میں حضور سے طلب شفاعت کو شرک قرار دیتے ہیں، بلکہ کشف الشبہات میں شیخ نجدی نے طالب شفاعت کو زمرۂ مشرک بلکہ اس کے قتل کو جائز اور اس کے مال لوٹنے کو مباح لکھا ہے اور اس مضمون میں انہوں نے دُنیا میں حضور سے طلب شفاعت کو جائز لکھ کر شیخ نجدی کا شرک خود اپنی ذات پر جاری کر لیا، بلکہ اپنے قتل اور مال کو بھی مباح کر دیا۔ اس کے باوجود وہ شیخ نجدی کے مداح ہیں، اسی کا نام ہے اندھی عقیدت۔ قادری غفرلہٗ)

(نعمانی صاحب کا ان دونوں باتوں میں منافات نہ سمجھنا خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور انہوں نے شیخ نجدی کے شفاعت طلب کرنے پر فتویٰ شرک کو جو اس بات پر محمول کیا ہے کہ کوئی شخص حضور کو خود مختار سمجھ کر آپ سے شفاعت طلب کرے، اس کو شیخ نجدی شرک کہتے ہیں، تو یہ شیخ نجدی کے اپنے کلام کے خلاف اور توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔

کشف الشبہات ص ۳۷ پر شیخ نجدی نے طالبینِ شفاعت کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: فان قال۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی الشفاعۃ وانا اطلب مما اعطاہ اللہ فالجواب ان اللہ اعطاہ الشفاعۃ ونہاک عن ھذا۔

اگر معترض یہ کہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا مرتبہ دیا ہے، اور میں اسی دی ہوئی شفاعت سے سوال کرتا ہوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شفاعت دی اور تم کو شفاعت طلب کرنے سے روک دیا ہے۔

اس سے بھی واضح صراحت شیخ نجدی کی اس عبارت میں ہے:

کشف الشبہات کے صفحہ ۳۲/۳۱ پر شیخ نجدی لکھتے ہیں:

فان اعداء اللہ لھم اعتراضات کثیرۃ علی دین الرسل

یصدون بها الناس عنه منها قولهم، نحن لا نشرك بالله بل نشهد انه لا یخلق ولا یرزق ولا یغفر الا الله وحده لا شریك له وان محمدا علیه السلام لا یملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا عن عبد القادر او غیره ولکن انا مذنب والصالحون لهم جاه عند الله واطلب من الله بهم۔

دشمنانِ خدا کے دینِ رسول پر متعدد اعتراضات ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں تک صحیح دین پہنچنے سے روکتے ہیں، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ دشمنانِ خدا کہتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے، بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے نہ رازق، اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور ان باتوں میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ عبد القادر یا کوئی اور شخص ہو، لیکن میں ایک گنہ گار شخص ہوں اور صلحاء اللہ کے مقرب بندے ہیں، اس بنا پر میں ان سے سوال کرتا ہوں۔

کیا شیخ نجدی کی اس تصریح کے بعد بھی نعمانی صاحب کی یہ تاویل چل سکتی ہے کہ شیخ نجدی نے حضور اکرم سے اس صورت میں شفاعت طلب کرنے کو منع کیا ہے جو حضور کو خود مختار سمجھتا ہو۔ حیرت ہے کہ نعمانی صاحب خوفِ خدا اور آخرت کے حساب سے بالکل عاری ہو کر شیخ نجدی کے کلام میں تحریف اور بے بنیاد تاویل کرکے یہ ثابت کرنے کی سعی ناکام کر رہے ہیں کہ شیخ نجدی طلبِ شفاعت کو اس صورت میں منع کرتے ہیں جو حضور کو خود مختار مانے جبکہ شیخ نجدی حضور کو عاجز اور ماذون من الشفاعت ماننے کے بعد بھی طلبِ شفاعت پر کفر اور قتل اور مال لوٹنے کا حکم لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس علمی خیانت اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے ہمیں محفوظ رکھے۔ قادری غفرلہٗ

اگلے پیراگراف میں نعمانی صاحب لکھتے ہیں،

اسی طرح ایک اختلاف ان حضرات کے اور ہمارے اکابر کے ردیہ میں یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اشعار وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے استعانت اور استغاثہ کے انداز میں ندا اور خطاب کرتے ہیں' ان کے بارے میں ہمارے اکابر کا موقف یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب و متصرف سمجھ کر ایسا خطاب اور استمداد و استغاثہ کیا جائے' تو بلاشک و شبہ قطعاً شرک ہے' لیکن اگر کسی شخص کا عقیدہ صحیح ہے' وہ رسول اللہ کو نہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے نہ عالم الغیب اور متصرف سمجھتا ہے' بلکہ ایسا سمجھنے کو شرک جانتا ہے لیکن شوقیہ طور پر حاضر فی الذہن سے خطاب کر رہا ہے (جیسا کہ اشعار میں بکثرت ایسا ہوتا ہے) اس امید پر خطاب کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ پیام آپ تک پہنچا دے گا اور آپ انشاء اللہ دعا فرمائیں گے' تو یہ ہرگز شرک نہیں ہے اور اسی بناء پر صاحب قصیدہ بُردہ علامہ بوصیری اور مولانا جامی وغیرہ کے اس طرح کے اشعار کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور یہ ہرگز زبردستی کی تاویل نہیں ہے۔

اس وضاحت کے بعد لکھتے ہیں، لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین اس مسئلہ میں یہ تفصیل نہیں کرتے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی وفات یافتہ بزرگ سے اس طرح کے خطاب کو بہر حال شرک قرار دیتے ہیں۔[1]

نوٹ: اہل سنت حضور پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں کرتے' حضور کو غیب پر مطلع مانتے ہیں حاضر و ناظر کی بحث مولانا غلام رسول سعیدی کی تصنیف "توضیح البیان"[2] میں آچکی ہے اور کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے سنائے بغیر نہیں سن سکتا' نہ کوئی شخص خدا کی دی ہوئی طاقت کے بغیر تصرف کر سکتا ہے اور جو شخص بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کرتا ہے' اسی عقیدہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح حضور اللہ کے دیئے ہوئے غیب کو جانتے ہیں' اس کی دی ہوئی

---

[1] محمد منظور نعمانی: ہفت روزہ المنبر جلد ۲۳' شمارہ ۱۶' ۱۵' ص ۱۶' ۱۵
[2] یہ کتاب حامد اینڈ کمپنی لاہور نے مزید اضافات کے ساتھ شائع کر دی ہے۔ الآباد انڈیا میں بھی چھپ چکی ہے (تابش قصوری)

طاقت سے تصرف کرتے ہیں، اس کے سنانے سے سنتے ہیں۔ ان حقائق کا نعمانی صاحب کو بھی اقرار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ نجدی ہر حال میں ندا کو شرک کہتے ہیں، لہٰذا نعمانی صاحب بھی شیخ نجدی کے فتویٰ کفر سے بچ نہیں سکتے۔ (قادری عفرلہٗ)

شیخ نجدی کا رد کرنے والے اکابرِ اسلام کی اجمالی فہرست

شیخ ابی حامد بن مرزوق نے ان علماء اسلام کی فہرست مہیا کی ہے جنہوں نے محمد بن عبدالوہاب کے عقائد فاسدہ کے رد میں تصنیفاتِ جلیلہ سپردِ قلم فرمائی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

۱۔ شیخ محمد بن سلیمان کردی

۲۔ شیخ نجدی کے استاذ علامہ عبداللہ بن عبداللطیف شافعی، ان کی کتاب کا نام: تجرید سیف الجہاد لمدعی الاجتہاد

۳۔ علامہ عفیف الدین عبداللہ بن داؤد حنبلی، کتاب کا نام: الصواعق والرعود

۴۔ علامہ محقق محمد بن عبدالرحمٰن بن عفالق حنبلی، کتاب کا نام: تہکم المقلدین بمن ادعا تجدید الدین

۵۔ علامہ احمد بن علی القبانی البصری شافعی

۶۔ علامہ عبدالوہاب بن احمد برکات شافعی، احمدی، مکی

۷۔ شیخ عطاء المکی، کتاب کا نام: الصارم الہندی فی عنق النجدی

۸۔ شیخ عبداللہ بن عیسیٰ المویسی

۹۔ شیخ احمد مصری احسائی

۱۰۔ بیت المقدس کے ایک عالم، کتاب کا نام: السیوف الصقال فی اعناق من انکر علی الاولیاء بعد الانتقال۔

۱۱۔ سید علوی بن احمد حداد، کتاب کا نام: السیف الباتر لعنق المنکر علی الاکا

۱۲۔ شیخ محمد بن شیخ احمد بن عبداللطیف الاحسائی

۱۳۔ علامہ عبداللہ بن ابراہیم میرغنی الساکن بالطائف۔ کتاب کا نام : تحریض الاغبیاء علی الاستغاثۃ بالانبیاء والاولیاء۔

۱۴۔ الشیخ محمد صالح زمزمی شافعی۔

۱۵۔ علامہ طاہر حنفی ـــ ، کتاب کا نام : انتصار للاولیاء الابرار

۱۶۔ مذاہب اربعہ کے اکابر کے جوابات کا مجموعہ

۱۷۔ " " " ورسائل پر مشتمل ایک ضخیم۔

۱۸۔ علامہ سید المنعمی

۱۹۔ علامہ سید عبدالرحمٰن

۲۰۔ علامہ سید علوی بن الحداد ، کتاب کا نام : مصباح الانام وجلاء الظلام

۲۱۔ سلیمان بن عبدالوہاب ، کتاب کا نام : الصواعق الالٰہیہ

۲۲۔ علامہ محقق شیخ الاسلام بتونس اسماعیل التیمی المالکی

۲۳۔ علامہ محقق الشیخ صالح الکواش التونسی

۲۴۔ علامہ محقق سید داؤد البغدادی الحنفی

۲۵۔ الشیخ ابن غلبون اللیبی

۲۶۔ سید مصطفیٰ المصری البولاقی۔

۲۷۔ سید الطباطبائی البصری

۲۸۔ علامہ الشیخ ابراہیم السمنودی المنصوری ، کتاب کا نام : سعادۃ الدارین فی الرد علی الفرقتین الوہابیہ ومقلدۃ الظاہریہ

۲۹۔ مفتی مکہ سید احمد دحلان ، کتاب کا نام الدرر السنیہ

۳۰۔ الشیخ یوسف النبہانی ، کتاب کا نام : شواہد الحق فی التوسل بسید الخلق

۳۱۔ جمیل صدقی الزہاوی البغدادی، کتاب کا نام: الفجر الصادق

۳۲۔ شیخ المشرفی المالکی الجزائری، کتاب کا نام: اظہار العقوق ممن منع التوسل بالنبی والولی الصدوق

۳۳۔ علامہ مخدوم مفتی فاس الشیخ المہدی الوازانی

۳۴۔ شیخ مصطفےٰ الحمامی المصری، کتاب کا نام: غوث العباد ببیان الرشاد

۳۵۔ الشیخ ابراہیم حلمی القادری الاسکندری، کتاب کا نام: جلال الحق فی کشف احوال اشرار الخلق۔

۳۶۔ علامہ شیخ سلامۃ العزامی، کتاب کا نام: البراہین الساطعہ

۳۷۔ شیخ حسن الشطی الحنبلی الدمشقی، کتاب کا نام: النقول الشرعیۃ فی الرد علی الوھابیہ

۳۸۔ " " " " مذہب صوفیہ کی تائید میں ایک رسالہ

۳۹۔ شیخ محمد حسنین مخلوف، رسالہ: فی حکم التوسل بالانبیاء والاولیاء

۴۰۔ شیخ حسن خزبک، کتاب کا نام: المقالات الوفیہ فی الرد علی الوھابیہ

۴۱۔ شیخ عطاء الکسم الدمشقی کتاب کا نام: الاقوال المرضیۃ فی الرد علی الوھابیہ،

۴۲۔ علامہ شیخ عبدالعزیز القرشی العلجی، المالکی، الاحساتی [1]

اس فہرست میں ان برصغیر پاک و ہند کے نام شامل نہیں ہیں جنہوں نے اپنی متعدد تصانیف جلیلہ میں شیخ نجدی کے عقائد باطلہ کا رد کیا ہے۔ بہر حال اس فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجدی نے بارھویں صدی میں ایک ایسا فتنہ کھڑا کر دیا جس کو فرو کرنے کے لیے تمام دنیا کے حق پرست علماء کھڑے ہو گئے تھے۔

---

[1] ابی حامد بن مرزوق: التوسل بالنبی وجہلۃ الوہابیین، ص ۲۵۳ تا ۲۴۹

باب ۴

وہابیہ کا پہلا اور دوسرا دور

۱۷۴۵ء ۱۸۹۱ء

maablib.org

وہابیہ کا دَورِ اوّل

۱۸۱۸ء تا ۱۷۴۵ء

اس کتاب کے پہلے باب میں ہم امیر محمد بن سعود متوفی ۱۱۷۹ھ کے سریر آرائے اقتدار ہونے کی مکمل تصویر کھینچ چکے ہیں اور اسی باب میں محمد بن سعود کے بیٹے عبد العزیز بن محمد بن سعود متوفی ۱۸۰۳ھ کے خونیں عہد کا بھی ذکر کیا جاچکا ہے اور اس کے بعد اس خاندان سب سے سفاک اور سنگدل حکمران سعود بن عبد العزیز متوفی ۱۲۲۹ھ کی جانشینی کا ذکر بھی کر چکے ہیں۔

یہ بتلایا جاچکا ہے کہ سعود بن عبد العزیز کی جانشینی کے بارے میں محمد بن عبد الوہاب سے پہلے ہی رائے لی جاچکی تھی؛ چنانچہ عبد العزیز کے مقتول ہونے کے بعد سعود بن عبد العزیز کو سلطنت نجد کا فرمانروا مقرر کر دیا گیا۔

سعود بن عبد العزیز کا اجمالی تعارف مسعود عالم سے سنیے ، لکھتے ہیں۔

سعود زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے نقش قدم پر دعوت وحکومت کی توسیع میں سرگرم ہو گیا اور دور دراز کی فوجی مہمات کی سرکردگی اپنے بیٹے عبداللہ کے سپرد کی، عبداللہ نے ایک طرف حجاز میں خیبر کو سرنگوں کیا اور دوسری طرف بحرین اور راس الخیمہ تک اپنی فتوحات کی دھاک بٹھادی۔ [1]

سعود بن عبد العزیز نے اپنے باپ کی زندگی میں خونریزی کی کس طرح تربیت پائی تھی، اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

سردار حسنی لکھتے ہیں۔

---

[1] مسعود عالم ندوی محمد بن عبد الوہاب ص ۸۴

وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں کربلا معلیٰ پر حملہ کیا اور حضرت امام حسین کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔ کربلا معلیٰ کی بستی کا اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلا قصور تہ تیغ کر دیا۔ کربلائے معلیٰ سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا۔ کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب لوٹ لیا، فتنۂ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم اور فساد کبھی نہ ہوا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں لیکن درعیہ نجد کے دارالسلطنت میں فتح و نصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔

اب وہابیوں نے شریف غالب سے بھی عہد شکنی کی بندرگاہ حالی پر بلا وجہ قبضہ کر لیا، حالی حدود حجاز میں شریف مکہ کی ملکیت تھی۔ احتجاج ناکام ثابت ہوا، وہابی جنگ کے خواہاں تھے، نا قابل قبول شرطیں پیش کیں، جو صرف حقیر اور کمزور دشمن ہی قبول کر سکتا تھا۔[۱]

حرم مکہ کی بے حرمتی

سعود بن عبدالعزیز نے طاقت کے نشہ میں چور ہو کر اور محافظ توحید کا لبادہ اوڑھ کر مکہ میں کیا کیا ستم ڈھائے یہ سردار حسنی سے سنیئے۔!

سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا، حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طائف پر قابض ہو گیا اور وہاں سے گرد و نواح میں افواج بھیجنے لگا۔ شریف کے پاس کوئی قابل ذکر فوج نہ تھی۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدہ چلا گیا۔ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گیا۔ وہابی مدت سے اُدھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو، مٹا دی جائے گی؛ چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے۔ وہابیوں کے معتقدات کے

ـــــه سردار محمد حسنی ۔ بی اے سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل السعود ص ۴۸

مطابق جس قدر شعائر یا رسومات قرآن وسنت کے خلاف تھیں، یک لخت ممنوع قرار دی گئیں۔

مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد وہابی شمال کی طرف بڑھے، جدہ کا محاصرہ کیا گیا، شریف غالب نے جانفشانی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، مدینہ منورہ میں بھی وہابیوں کا مقابلہ کیا گیا۔ [۱]

حرم مکہ کی بے حرمتی کے بارے میں غیر مقلدوں کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں، سعود بن عبد العزیز نے سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو برہنہ کر دیا اور دعوت وہابیت قبول کرنے کو لوگوں پر جبر کیا۔ [۲]

سعود بن عبد العزیز کے بارے میں ایک اور غیر مقلد عالم مرزا حیرت لکھتے ہیں۔

عبد العزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد (سعود) اپنے باپ سے بھی زیادہ پرجوش اور مرد میدان نکلا۔ اس نے اور بھی اپنی فتوحات ملکی کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کو ہلا دیا۔ [۳]

مکہ فتح کرنے کے بعد اس مرد میدان کی شجاعت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مرزا حیرت لکھتے ہیں!

حقہ پینے کی ممانعت بہت سخت تھی، ایک دن اتفاق سے محتسب نے ایک خاتون کو جو حقہ کی حد سے زیادہ عادی تھی، حقہ پیتے دیکھ لیا، وہ ہر چند چاہتی تھی کہ بھاگ کے نکل جاؤں، پر ممکن نہ ہوا، آخر وہ پکڑی گئی۔ الٹے گدھے پر اس کو سوار کیا گیا اور اس کی گردن پر اس کا حقہ رکھا گیا اور گلی در گلی اسے پھیرا گیا تاکہ عورتوں کو سخت

---

[۱] سید سردار محمد حسنی۔ بی۔ اے — سوانح حیات، سلطان عبد العزیز آل السعود — ص ۴۸

[۲] نواب صدیق حسن خان بھوپالی — ترجمان وہابیہ — ص ۲۵

[۳] میرزا حیرت دہلوی — حیات طیبہ — ص ۳۰۲

عبرت ہو اور پھر وہ شہر بدر کر دی گئی۔ [1]

حرم مدینہ کی بے حرمتی

۱۸۰۴ء کے اخیر میں سعود کی قیادت میں وہابیوں نے مدینہ منورہ بھی فتح کر لیا۔ مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں :-

۱۸۰۵ء کے آغاز میں اہل مدینہ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سمع و طاعت کا عہد کیا، حسب دستور مدینہ منورہ میں تمام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں۔ [2]

میرزا حیرت لکھتے ہیں !

۱۸۰۴ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعود بن عبد العزیز کے قبضہ میں آگیا۔ مدینہ کے لینے اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک ابال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا، آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اٹھا دیا، جو آپ کے مزار مقدس پر پڑی رہتی تھی۔ [3]

رشید رضا مصری لکھتے ہیں :-

یہی لوگ (سعود بن عبد العزیز وغیرہ ——— قادری) تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں (یعنی انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں) حرمین شریفین پر قابض ہوتے تھے، لیکن انہوں نے حجرہ شریفہ کو نہیں گرایا، البتہ بعض مورخین کا قول ہے کہ انہوں نے حرم نبوی کے قبہ کے اوپر سے سونے کا ہلال اور کرہ اتار لیا تھا اور وہ قبہ کو بھی گرانا چاہتے تھے، لیکن ان کارکنوں میں سے جو ہلال اور کرہ مذکور کو اتارنے کے لیے

---

[1] میرزا حیرت دہلوی	حیات طیبہ	ص	۲۰۳
[2] مسعود عالم ندوی	محمد بن عبد الوہاب	ص	۸۶
[3] میرزا حیرت دہلوی	حیات طیبہ	ص	۲۰۵

اوپر چڑھے تھے، دو آدمی نیچے گر کر مر گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ گرانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ [1]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:۔

سعود بن عبدالعزیز کا بھی بنی حرب سے حرب کا اتفاق ہوا اور ان کے شہروں میں اس نے بہت خونریزی کی اور شہر ینبوع میں اترا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی، پھر مدینہ منورہ میں گیا اور وہاں کے لوگوں پر جزیہ باندھا اور مزار مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کر دیا اور اس کے خزائن اور دفائن سب لوٹ کر درعیہ کو لے گیا، بعضوں نے کہا کہ ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے خزانہ لے گیا اور ایسا ہی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا اور مدینہ پر تمرین شیخ بنی حرب کو حاکم کیا اور لوگوں کو دعوت وہابیہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور سعود نے قبہ مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا، مگر اس امر کا مرتکب نہ ہوا اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے اور عثمانیوں کو حج سے مانع ہوا اور کئی برس تک لوگ حج سے محروم رہے اور شام اور عجم کے لوگوں کو حج نصیب نہ ہوا اور ان کے خوف سے اکثر حجاج اپنے مقاصد پر فائز نہ ہو سکے۔ [2]

سعود بن عبدالعزیز کی فتوحات

سعود بن عبدالعزیز کی فتوحات کے بارے میں سردار حسنی لکھتے ہیں:۔

موت کے وقت عبدالعزیز کی عمر ۸۲ برس کی تھی، اس کے عہد کی اکثر فتوحات اس کے بیٹے سعود کے ہاتھ پر ہوئی تھیں، چنانچہ سعود باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں وہابی فتوحات کا سلسلہ برابر قائم رہا، حجاز کے شمال سے لے کر عمان

---

[1] سید محمد رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر — نجد و حجاز — ص ۱۱۳ - ۱۱۲

[2] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی — ترجمان وہابیہ — ص ۳۶

تک جزیرۃ العرب نجدیوں کی حکومت میں آگیا۔ عرب کا مشرقی ساحل بھی ان کے قبضہ میں تھا، بحرین بھی فتح ہو گیا، یمن کے سوا سارا ملک بطیب خاطر یا بامر مجبوری وہابی ہو گیا تھا۔[1]

ترکی کی خلافت عثمانیہ کا اقدام

جزیرہ عرب خلافت عثمانیہ کے زیر انتظام تھا اور ترکوں کی طرف سے شریف غالب حجاز کا حکمران اور محافظ حرمین تھا۔ بظاہر یہ بات بہت حیران کن معلوم ہوتی ہے کہ وہابیوں کی اس ساری کارروائی کے دوران ترک خاموش تماشائی بنا رہا، اس کا مقرر کردہ حاکم شریف غالب شکست پر شکست کھاتا رہا اور ترکوں کی طرف سے اس کو کوئی مدد نہ پہنچی، حتی کہ وہابی خلافت عثمانیہ اور وحدت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر کے تمام جزیرہ عرب پر قابض ہو گئے، لیکن اس خاموشی کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ترک کا سلطان اس وقت بین الاقوامی طور پر بہت سی جنگوں میں الجھا ہوا تھا جیسے ہی اس کو ان جنگوں سے ایک گونہ اطمینان ہوا اس کی ایک ضرب نے وہابی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، عبد العزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبد العزیز کے دور میں وہابی سلطنت ابھری اور یہ دور ۱۷۶۵ء ۱۱۷۹ھ سے لے کر ۱۸۱۴ء، ۱۲۲۹ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ آیئے دیکھیں اس دور میں سلاطین ترک بین الاقوامی طور پر کس طرح جنگ و پیکار میں الجھے ہوئے تھے مشہور مورخ ابو العلا سید شاہ محمد کبیر لکھتے ہیں۔

سلطان عبد الحمید خان مصطفیٰ ثالث کا بھائی اور سلطان احمد سوم کا بیٹا تھا۔ ۱۱۳۷ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۸۷ھ میں تخت پر بیٹھا۔ مزاج میں صلح پسندی تھی، تخت پر بیٹھتے ہی عیسائیوں سے صلح کر لی، کیونکہ خانگی اور متواتر جھگڑوں

---

[1] سردار محمد حسنی۔ بی۔ اے سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۱۹۴

دو لٹیروں کی وجہ سے اس کی سلطنت میں نہایت ضعف آگیا تھا اور لشکر اور فوج کی بغاوت سے ملک تباہ ہو رہا تھا۔ صلح کے بعد حسین پاشا کو باغیان عرب کی گوشمالی پر روانہ کیا۔ جس نے قرار واقعی اس فساد کو مٹا دیا اور سرکشوں کو پوری سزا دی، مگر روس اور جرمن نے آپس میں اتفاق کر کے سلطان پر چڑھائی کی، یوسف پاشا اور علی پاشا مقابلہ کے لئے مقرر کئے گئے۔ یوسف پاشا نے پہلے جرمن کی فوج سے مقابلہ کیا اور قلعہ شیش کو مسخر کر لیا اور علی پاشا نے بھی روس سے خوب مقابلہ کیا، اسی بادشاہ کے زمانہ میں کریم خاں زند نے بصرہ کو فتح کر لیا اور مدت سلطنت اس کی پندرہ سال تھی اور عمر ۶۳ سال۔

سلیم خاں ثالث ۱۱۷۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۹۸ء و ۱۲۰۳ھ میں تخت عثمانیہ پر بیٹھا اور اپنی تمام تر ہمت اس نے بری اور بحری فوج کی آراستگی میں مصروف کی تھوڑے ہی دنوں میں ڈیڑھ لاکھ فوج تیار ہو گئی اور شاہان جرمن اور روس سے لڑائی بھی چھڑ گئی، دو مہینہ تک سخت لڑائی رہی۔ ۱۷۹۱ء میں سپہ سالار روس نے صلح کر لی مگر کیتھرائن سلطان روس نے کہ اپنے شوہر پطرس سوم کو مار کر تخت پر بیٹھی تھی اس معاہدہ کو قبول نہ کیا اور جرار لشکر قلعہ اسماعلیہ پر بھیجا، جس میں تیس ہزار رومی فوج رہتی تھی، جب روسیوں نے قلعہ پر یورش کی، توپ اور گولیوں سے اس قدر روسی مارے گئے کہ قلعہ کی خندق لاشوں سے پٹ گئی، چونکہ روسی کثرت سے تھے۔ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور تین شبانہ روز قلعہ کے اندر ایسی لڑائی ہوئی کہ قلعہ کے راستوں میں خون کی ندیاں بہتی تھیں، قلعہ کی عورتوں اور بچوں نے بھی بڑی دلیری اور جرأت کی اور سب مارے گئے۔ صرف ایک شخص اس ہنگامہ سے بچ گیا اور قسطنطنیہ میں جاکر خبر کی رومی لشکر کو یہ خبر سن کر نہایت جوش اور غیظ آگیا اور چاہتے تھے کہ روسیوں پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے ان مقتول بھائیوں کا عوض جو قلعہ میں تھے لیں، مگر انگلستان اور پروش

نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ یوسف پاشا اپنے عہدے سے موقوف کیا گیا اور محمد پاشا کہ چھیاسی برس کا بڈھا تھا، وزارت پر مامور ہوا، اس کے بعد بونا پارٹ شاہ فرانس اور انگریزوں میں لڑائی شروع ہوگئی اور کھیت فرانس کے ہاتھ رہا اور فرانس نے سلطان سے دوستی اور صلح کر لی، سلطان نے بعض لوگ اپنے یہاں کے فرانس روانہ کیے کہ جنگی مدرسوں میں تعلیم پاکر ترکی فوج کی بوضع ولائتی فوج کے تعلیم کریں، مگر سپاہ ینگ چری نے اس کو پسند نہیں کیا اور سلطان کے حکم سے منحرف ہوگئے۔ الغرض ۱۲۱۱ھ میں مسمی اورخان آغا نے فوج باقاعدہ، جس کا نام فوج نظام ہے، ترتیب دی تقریباً دو ہزار فوج باقاعدہ بسرکردگی مسعود آغا قسطنطنیہ میں تیار ہوئی جس نے جنگ کی جگہ میں نہایت بہادری ظاہر کی اور سولہ ہزار فوج نظام قرمان میں بہ تحت وافسری قاضی پاشا تیار ہوئی، جس کو سلطان نے استنبول میں طلب کیا۔ راہ میں ایک شخص قاضی پاشا کے خیمہ میں اس کے مارنے کو گھس آیا، مگر قاضی پاشا نہایت بہادر اور جری سپاہی تھا۔ بیدار ہوتے ہی اس نے دشمن کو ٹھکانے لگا دیا، جب وہ مع لشکر کے قریب پہنچا۔ ینگ چری فوج نے شہر میں غدر مچا دیا۔ چند مکانات میں آگ لگادی اور قہوہ خانہ اور مسجدوں میں جمع ہوکر آمادہ فساد تھے۔ سلطان نے مصلحت وقت کے لحاظ سے قاضی پاشا کو حکم دیا کہ وہ لشکر سمیت قرمان کو چلا جائے، چونکہ انگریز اور فرانس میں صفائی نہ تھی۔ اس لیے انگریز چاہتے تھے کہ سلطان فرانس سے دوستی ترک کر دے، مگر سلطان نے قبول نہ کیا۔ سفیر انگلستان ناکام واپس گیا اور انگریزوں نے غفلت میں اسکندریہ پر قبضہ کر لیا، مگر محمد پاشا والی مصر نے پھر اسکندریہ کو انگریزوں سے چھین لیا، اب انگریزوں نے مصالحت کی پھر جنبانی کی اور اپنے واسطے سے سلطان اور روس سے صلح کرادی، اس واقعہ کے بعد وزارت روم میں بہت تغیر و تبدیلی ہوئی اور کئی پاشا برطرف اور مقرر ہوئے۔ آخر میں حلمی ابراہیم پاشا وزارت

پر مقرر ہوئے۔ ۱۲۲۲ھ میں فوج ینگچری نے غدر کر دیا۔ بہت سے پاشا جو فوج نظام کی ترتیب میں سلطان کے شریک تھے، مارے گئے اور سلطان کو معزول کر کے مصطفیٰ خاں چہارم کو تخت نشین کیا۔ اس بادشاہ نے اٹھارہ سال سلطنت کی اور ۴۸ سال زندہ رہا۔ ؎۱

تاریخ خلفاء عرب و اسلام سے، جو ہم نے اقتباس پیش کیا ہے۔ اس سے قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جس دور میں وہابیہ سرزمین عرب سے خلافت عثمانیہ کی جڑیں اکھاڑ رہے تھے، اس زمانہ میں ترک بین الاقوامی جنگوں کے خلفشار میں مبتلا تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جزیرہ عرب میں بغاوت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے اور مقامات مقدسہ کی علی الاعلان بے حرمتی ہو رہی ہے، تو انہوں نے عرب کی اصلاح احوال کی طرف توجہ کی! چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں!

اس وقت جب کہ سارا عرب ترکی حکومت سے علیحدہ ہو چکا تھا عثمانی سلطان کو بھی اپنے فرائض کا خیال پیدا ہوا۔ یورپ بھی عرب کے حالات سے غافل نہ تھا، نپولین اس زمانہ میں مشرق کی فتوحات کے خواب دیکھ رہا تھا، اسے وہابی تحریک سے بڑی دلچسپی تھی وہ سمجھتا تھا کہ یہ تحریک اس کے لیے سد راہ ہو گی! چنانچہ تاریخی مواد سے یہ امر ثابت ہے کہ اس نے تفتیش حالات کی غرض سے بغداد کے فرانسیسی کونسل کو خاص طور پر مقرر کیا تھا۔ سلطان روم ابھی غور و فکر میں ہی تھا کہ نجدیوں نے عراق کے مقدس مقامات پر پھر یورش کی اپریل ۱۸۰۶ء میں نجف اشرف کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہ مقدس شہر فتح نہ ہو سکا۔ انتقام کے طور پر نجدیوں نے نواح بغداد کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا اسی سال میں شام پر وہابیوں نے حملہ کیا اور حلب کو فتح کر لیا، شامیوں نے دب کر صلح کر لی، لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس زمانہ کے وہابی پیمان شکنی میں طاق تھے،

؎۱ ابوالعلاء سید شاہ محمد کبیر تاریخ خلفائے عرب و اسلام ص ۵۴۲ تا ۵۴۰

معاہدہ کے باوجود بار بار حملہ کرتے رہے۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں وہابی حوران تک جو کہ دمشق سے صرف دو دن کی مسافت پر واقع ہے، بڑھ گئے اور وہاں کے بیسیوں گاؤں کو لوٹ لیا، دمشق کے والی نے ان کے خلاف مہم بھیجی، لیکن وہ وہابیوں کو پسپا نہ کر سکے معلوم ہوتا تھا کہ ترک اس بلائے مبرم کے سامنے بے دست و پا ہیں، پیشتر ازیں ترکی سلطنت نے کبھی ایسی کمزوری کا اظہار نہ کیا تھا، ترک مشرق میں بغداد سے اور شمال میں دمشق سے وہابیوں پر حملہ کر چکے تھے اور بالکل ناکام رہے تھے۔

اب صرف مغرب کی جانب مصر کی راہ سے ترک حملہ آور ہو سکتے تھے، ترکی سلطان نے محمد علی پاشا خدیو مصر کے نام فرمان صادر کیا کہ پاشا موصوف حجاز پر حملہ کرے اور حرمین شریفین کو فتنہ نجدیہ سے نجات دلائے۔ پاشائے موصوف برائے نام تو ترکی کا باجگزار حکمران تھا، لیکن عملاً کامل طور پر آزاد تھا اور اس زمانہ میں خود مملوکین مصر کے بارے میں متفکر رہتا تھا، چنانچہ اول، اول تو تعمیل حکم کرنے میں پس و پیش کرتا رہا، لیکن جب مصر کے تمام خدشے مٹ چکے اور اس کی حیثیت مستحکم ہو چکی تو اسے بھی بیک کرشمہ دو کار دینی خدمت کے علاوہ فتح حجاز کا شوق پیدا ہوا، اس نے ایک جرار لشکر تیار کیا اور سنہ ۱۸۱۱ء میں اپنے بیٹے طوسون پاشا کی قیادت میں حجاز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس فوج میں تقریباً آٹھ سو ترکی رسالہ کے جوان اور دو ہزار البانوی تھے، طوسون مدینہ منورہ کی طرف بڑھا، لیکن اس مقدس شہر کو اٹھارہ سو بارہ عیسوی کے اواخر تک فتح نہ کر سکا۔ اس کے بعد تو مکہ مکرمہ اور طائف بھی فتح ہو گئے لیکن سعود اعظم برابر مقابلہ پر بڑھتا رہا، اس وقت محمد علی پاشا خود فوج کی قیادت کے لیے حجاز میں آگیا۔ طرابہ کے مقام پر جو نجد و حجاز کی سرحد پر واقع ہے اور جو بعد میں عربی تاریخ میں مشہور مقام ہوا۔ سعود اعظم نے محمد علی پاشا کو شکست فاش دی۔ یہ ۱۸۱۳ء کا واقعہ ہے۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد سنہ ۱۸۱۴ء میں سعود مر گیا۔ اس کی وفات کے

ساتھ ہی وہابی کمزور ہو گئے۔ پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ سعود بڑا فاتح گزرا ہے۔ اس نے قریب قریب سارے عرب کو فتح کر لیا تھا اور قرب وجوار کے علاقوں کو بھی مکمل کر تاخت و تاراج کیا تھا، لیکن اس کی موت کے بعد اس کے جانشین حکومت کو سنبھال نہ سکے۔

محمد علی پاشا نے طرابہ کے مقام پر شکست اٹھانے کے بعد وہابیوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر ایک چال چلی، زر و مال کے ذریعے سے بدویوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ بدوی حال ہی میں جبراً وہابی کئے گئے تھے۔ یہ لوگ دولت کے لالچ میں ہر وقت بے وفائی کرنے کے لیے تیار رہتے تھے؛ چنانچہ انعام و اکرام کے لالچ میں جوق در جوق محمد علی پاشا کی افواج میں شامل ہوتے گئے۔ ۱۸۱۴ء میں بوصال کے مقام پر جو طائف کے قریب ہی ایک مختصر سا گاؤں ہے۔ محمد علی پاشا نے وہابیوں کو فاش شکست دی، جس میں وہابی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ عبداللہ سعود اعظم کا جانشین ہوا تھا، لیکن وہابی حکومت کو بربادی سے بچا نہ سکا۔ طوسون بے صوبہ قاسم کی طرف بڑھتا گیا اور وہاں کے صدر مقام راس کو فتح کر لیا، وہابیوں کے وفادار قبائل اطاعت سے پھر گئے، مجبوراً امیر عبداللہ نے صلح و امن کا پیغام بھیجا اور آخر کار عارضی صلح ہو گئی۔

صحرائی جنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جاتی تو مدت تک بند نہیں ہوتی؛ چنانچہ محمد علی پاشا نے عبداللہ سے صلح تو کر لی، لیکن منشا محض یہ تھا کہ ہمیشہ کے لیے وہابیوں کا قلع قمع کر دیا جائے؛ چنانچہ ۱۸۱۵ء میں پھر جنگ شروع ہو گئی، اب محمد علی پاشا کا دوسرا بیٹا ابراہیم پاشا جو لائق اور مشہور و معروف جرنیل تھا، سپہ سالار مقرر ہوا، ترکی، مصری فوجوں کی یلغار دیکھ کر عرب کے بہت سے قبائل حملہ آوروں سے مل گئے؛ چنانچہ باری باری مطیر، عتیبہ، حرب وغیرہ نے وہابیوں

کی اطاعت چھوڑ دی۔ وہابی فوجیں مختلف مقامات پر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئیں، حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وہابی سلطنت کے تمام علاقے چھین لیے، یہاں تک کہ ۱۸۱۸ء میں درعیہ دار السلطنت پر بھی قبضہ کر لیا۔ مجبور ہو کر امیر عبداللہ نے اپنے تئیں فاتحین کے حوالے کیا، انہوں نے درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ امیر عبداللہ کو اسیر کر کے پہلے قاہرہ بھیجا گیا، پھر قسطنطنیہ محمد علی پاشا نے عثمانی سلطان کے حضور میں سفارش کی کہ امیر عبداللہ کی جان بخشی کر دی جائے، لیکن ترکوں نے سلطان کے حکم کے مطابق مجمع عام کے روبرو امیر عبداللہ کو مسجد ایا صوفیہ کے چوک میں بڑی ذلت سے تہ تیغ کیا۔ اس طرح پر وہابی سلطنت کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا۔[1]

۱۷۴۵ء سے لے کر ۱۸۱۸ء تک نجد کے ایک مختصر رقبہ سے لے کر پورے جزیرے عرب پر امیر محمد بن سعود سے لے کر امیر عبداللہ تک وہابی انتہائی ظلم اور تشدد سے جابرانہ حکومت کرتے رہے، بالآخر ترکوں کے ایک ہی وار سے ظلم اور استبداد کی دیوار منہدم ہو گئی۔

---

[1] سید سردار محمد حسنی بی۔ اے سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۵۱، ۴۹

وہابیہ کا دورِ ثانی

۱۸۲۳ء ۱۸۹۱ء

اس سے پہلے ہم سلطنت عثمانیہ کے بین الاقوامی حالات لکھ چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ اسلام کی یہ عظیم سلطنت کس طرح بین الاقوامی سازشوں کا شکار رہتی اور یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں عظیم ترکی کو کسی پل چین سے بیٹھنے نہ دیتیں تھیں، ایک بار جزیرہ عرب میں وہابیوں کی بغاوت کچلنے کے بعد ترکی پھر بین الاقوامی جنگوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان میں نکل آیا۔ ادھر وہابیوں کے خاکستر میں سے کچھ چنگاریاں پھر اُبھر رہی تھیں اور یہ چنگاریاں سازگار وقت کے انتظار میں ایک بار پھر شعلہ جوالہ بنا چاہتی تھیں، سردار حسنی وہابیوں کی اس بیداری اور ماحول سازگار دیکھ کر ان کی دوسری کامیابی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

اس وقت نجد بھی حجاز کی طرح مصر کا ایک باجگذار صوبہ ہو گیا تھا، وہابیت کی تحریک خاک سیاہ کر دی گئی تھی، لیکن اس میں کچھ شرارے ابھی باقی تھے اور مشتعل ہونے کے لیے مساعد حالات کے منتظر تھے، امیر عبداللہ کے مارے جانے کے کئی برس بعد نجد میں مصری حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی، ریاض میں جو مصری لشکر موجود تھا، باغیوں کی تلوار نے اسے ٹھکانے لگایا ۱۸۲۱ء میں امیر عبداللہ کے بیٹے امیر ترکی نے مصریوں کو نجد سے نکال باہر کیا اور خود نجد، الحصاء، اور عمان کا امیر بن گیا، لیکن امیر ترکی کی اس حکومت کو وہابی سلطنت نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ امیر ترکی مصر کو خراج ادا کیا کرتا تھا۔

وہابیوں کی حقیقی طاقت و سطوت کا یہ بیشتر ہی خاتمہ ہو چکا تھا، اب خانہ جنگی بھی شروع ہو گئی۔ سعودی خاندان کے افراد آپس میں بغض و عناد کرنے لگے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ زوال و انحطاط کی بدترین مثال تھی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود فیصل کے عہد میں، جو کہ امیر ترکی کا لڑکا تھا، پھر وہابیوں کی حکومت میں جان کی رمق پیدا ہوئی

امیر فیصل ترکی کا بیٹا ۱۸۳۳ء میں احصا کا نظم و نسق کر رہا تھا کہ مشعری بن عبدالرحمٰن نے جو کہ خاندان سعود کا ہمجد تھا، امیر فیصل کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کی اور ترکوں کو ساتھ ملا کر امیر ترکی کو قتل کر دیا۔ امیر فیصل کو بے حد رنج ہوا اور ریاض میں واپس آ کر قریباً، دو مہینے بعد مشعری کا خاتمہ کر دیا۔ اس کارروائی میں ایک شخص عبداللہ ابن رشید نامی فیصل کا دست راست تھا۔ فیصل نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر حائل کی صوبہ داری اس کے حوالہ کر دی، یہ شخص حائل کے مشہور خاندان رشید کا مورث تھا، اس خاندان کی حکومت نے رفتہ رفتہ اتنی ترقی کی کہ انیسویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں عرب بھر میں کوئی حکمران سطوت و اقتدار میں آل رشید سے بڑھ کر نہ تھا۔

امیر فیصل کچھ تو سلطنت کے اندرونی معاملات کی اصلاح میں مشغول رہا، کچھ اس کی نیت بھی مصری حکومت کے ماتحت رہنے کی تھی۔ اس لیے سالہا سال تک اس نے مصر کو خراج ادا نہ کیا۔ اس وقت کی مصری حکومت میں ابھی طاقت باقی تھی مصریوں نے ۱۸۳۷ء میں امیر فیصل پر حملہ آور ہو کر اسے اپنے تئیں حوالے کرنے پر مجبور کیا اور اس کے خاندان کو بغاوت اور سرکشی سے اجتناب کرنے کا سبق سکھانے کے لیے انہوں نے فیصل کو قاہرہ پہنچا دیا۔ اس کے بعد مصر کی طرف سے براہ راست نجد کے والی مقرر ہوتے رہے؛ البتہ کبھی کبھی مصلحت کے لحاظ سے خاندان سعود کے بعض افراد بھی نجد کے صوبہ دار مقرر کر دیئے گئے۔

۱۸۴۳ء میں فیصل قاہرہ کے محبس سے بھاگ نکلا اور آتے ہی ریاض کا امیر بن گیا، بعد ازاں اس نے اپنی حکومت کو بحر عمان، الحصا، قاسم اور جبل شمار تک وسیع کر لیا۔ حقیقت میں یہ امیر عظیم شخصیت رکھتا تھا اور وہ وہابی سلطنت میں پہلی سی آن بان پیدا نہ کر سکا، لیکن اپنی وفات تک بڑی کامیابی سے حکمرانی کرتا رہا۔ اس کی موت ۱۸۶۷ء میں واقع ہوئی۔

فیصل کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ تخت نشین ہوا یہ شخص کمینہ خصائل رکھتا تھا اور نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے بھائی سعود نے ۱۸۷۱ء میں اسے تخت سے اتار دیا اور خود امیر بن بیٹھا، لیکن خانہ جنگی کے سلسلے میں صوبہ جات قاسم اور جبل شمار سے وہابی حکومت اٹھ گئی۔

معزول شدہ عبداللہ نچلا نہیں بیٹھنا چاہتا تھا، وہ سعود سے انتقام لینے کا خواہاں تھا، حالانکہ عثمانی ترک آباؤ اجداد کے وقت سے سعودی خاندان کے مخالف تھے، لیکن عبداللہ نے انتقام کے مذموم جذبے کے ماتحت ترکوں سے کمک طلب کی، ترکوں نے موقع کو غنیمت جانا اور عبداللہ کو اپنی طرف سے نجد کا والی قرار دے کر اس کی مدد کے لیے ایک مہم تیار کی اور صوبہ الحصار کو فتح کر لیا۔

سعود ترکوں سے مقابلے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں اس نے ترکوں سے مفاہمت پیدا کرنے کے لیے، اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بغداد بھیجا، ترک سعود کی پیش قدمی سے خوش تو کیا ہوتے، الٹا عبدالرحمٰن کو دو برس قید کر دیا۔

سعود ۱۸۷۵ء میں مر گیا اور معزول شدہ عبداللہ اس کے بجائے تخت نشین ہوا۔ عبداللہ آٹھ برس حکومت کرتا رہا، لیکن فرمانروائی کی پوری صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ سعود کے دونوں بیٹے محمد اور سعود اس سے حسد رکھتے تھے اور فتنہ و فساد

برپا رکھتے تھے۔ آخرکار انھوں نے اس کو تخت سے اُتار کر قید کر دیا۔

اسی زمانے میں محمد ابن رشید کی شخصیت اور کارہائے نمایاں معرضِ وجود میں آئے، ان کی مختصر کیفیت کسی اور مقام پر بیان ہوگی۔

اس پرشکوہ بادشاہ نے نجد کو مسخر کر لیا اور عبداللہ کو قید خانہ سے نکال کر اس کے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ حائل بھیج دیا۔ ۱۸۸۶ء میں دونوں کو ریاض واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ دونوں بھائی خاموشی سے اپنے آبائی دارالسلطنت میں مقیم ہو گئے اور یہیں ۱۸۸۹ء میں عبداللہ مر گیا۔ طبعی طور پر عبدالرحمٰن کی توقع یہ تھی کہ عبداللہ کی جگہ ان کو ریاض کا حاکم بنا دیا جائے گا، لیکن محمد ابن رشید اس تجویز کے موافق نہ تھا۔ اس نے سلیم ابن سبحان کو ریاض کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد محمد بن رشید کو خاندان سعود کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی اس نے سلیم کو حکم دیا کہ اس خاندان کے تمام افراد کو قتل کرا دے۔ کسی طرح پر عبدالرحمٰن کو اس حکم کی اطلاع مل گئی۔ سلیم تعمیل حکم کی کوشش میں تھا کہ آل سعود نے اس پر حملہ آور ہو کر جان سے مار دیا اور ریاض میں اپنی حکومت جمالی، اس وقت ریاض پر تو ان کا قبضہ ہو گیا لیکن نجد پر ابن رشید کا اقتدار بحال تھا۔ چند ماہ یہ لوگ صوبہ الاریہ پر جہاں ریاض واقع ہے، حکومت کرتے رہے، لیکن جنوری ۱۸۹۱ء میں محمد بن رشید نے بریدہ کے مقام پر سعودی افواج کو شکست فاش دی اور مزید گوشمالی کے لیے ریاض دارالسلطنت کی طرف بڑھا۔

آخرکار عبدالرحمٰن نے محسوس کیا کہ وہ ابن رشید سے مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے وہ اہل و عیال لے کر اندرونِ عرب سے چلا اور مدت تک صحرانوردی کرنے کے بعد والیِ کویت کے ہاں جا کر پناہ گزیں ہو گیا۔ اس خاندان کے بعض افراد قیدی کر کے حائل پہنچا دیئے گئے۔ ؎

سنہ ۱۸۲۳ء سے لے کر سنہ ۱۸۹۱ء تک نجد کے بعض علاقوں سے لے کر جزیرہ عرب کے کچھ حصوں پر امیر ترکی سے لے کر امیر عبدالرحمٰن تک وہابیوں کا دوبارہ اقتدار قائم ہو گیا تھا، لیکن ترکوں کی پیش قدمی اور آل رشید کی زبردست مخاصمت سے اس گرتی ہوئی دیوار کو ایک بار پھر سے منہدم کر دیا۔

باب۵

وہابیہ کا تیسرا دور

maablib.org

۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء سے لے کر ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء تک ابن سعود ترکوں اور اس کے حلیف عربوں سے برسرپیکار رہا۔ اس دوران بدقسمتی سے ترک اتحادی فوجوں کے ساتھ بین الاقوامی جنگوں میں الجھا ہوا تھا ادھر سعودی خاندان کو برطانوی استعمار سے نقد روپیہ اور اسلحہ کی وافر مقدار مل رہی تھی۔ دوسری طرف کرنل لارنس سالہا سال سے عرب میں ترکوں کے خلاف عرب قومیت کا پراپگینڈہ کر رہا تھا جس کے نتیجے میں عام عرب آبادی بھی ترکوں کے خلاف مشتعل ہو گئی تھی۔ جنگ عظیم کے موقع پر شریف حسین نے بھی ترکوں سے غداری کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ تمام عناصر مل کر ابن سعود کو تقویت پہنچا رہے تھے اور ترکوں کے لئے حالات دن بدن ناسازگار ہوتے جا رہے تھے۔ بین الاقوامی جنگوں میں الجھنے کی وجہ سے ترکوں کے لئے عرب کو کنٹرول کرنا ممکن نہ رہا۔ جس کے نتیجے میں سعودی طاقت بڑھتی گئی، انہوں نے پہلے ترکوں کے حلیف آل رشید کو شکست دی، پھر خود ساختہ خلیفہ شریف حسین کو سرزمین عرب سے نکلنے پر مجبور کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء میں تمام جزیرہ عرب پر ابن سعود کی سلطنت کا اعلان عام کر دیا گیا۔

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے تفصیل کے لئے ہم ایک غیر مقلد اہل قلم محمد صدیق قریشی کی تحریر پیش کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں!

موجودہ سعودی سلطنت کے بانی شاہ عبدالعزیز تھے۔ وہ ۲۴ دسمبر ۱۸۸۰ء (۲۹ ذوالحج ۱۲۹۷ھ) کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عبدالرحمان بن فیصل اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ کویت میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کویت پہنچ کر امیر کویت کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی مملکت واپس لینے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے جس کہ انہیں

انہیں ۱۸۹۱ء میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بحرین میں پناہ لینے کے لئے بھیجنا پڑا۔

۱۸۹۵ء میں ترک حکومت نے نجد کے ابن رشید کی بڑھتی ہوئی قوت میں توازن پیدا کرنے کے لئے امیر عبدالرحمان کو کویت میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دے دی اور ان کی گزر اوقات کے لئے ساٹھ (۶۰) پونڈ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ یہاں ان کی رہائش گاہ تین کمروں پر مشتمل تھی۔ یہ زمانہ بڑی تنگی ترشی سے گزرا۔ الاؤنس نہایت قلیل تھا اس پر طرہ یہ کہ باقاعدگی سے ادا نہ کیا جاتا۔ اس تنگدستی کا اس وقت شدت سے احساس ہوا جب امیر عبدالعزیز کی شادی محض رقم نہ ہونے کی وجہ سے چالیس دن تک ملتوی کرنا پڑی۔ تا آنکہ ایک دیرینہ دوست یوسف ابراہیم نے اس یوسف بے کارواں کی اعانت کی تب کہیں امیر عبدالعزیز دولہا بنے۔

کویت کے دوران قیام میں امیر عبدالعزیز اپنا وقت گھوڑسواری میں صرف کرتے۔ کبھی کبھار وہ شتر سواری کرتے ہوئے دور صحرا میں نکل جاتے اور عقابوں سے شکار کرتے۔ شام کو آگ کے آلاؤ کے آگے بیٹھ جاتے۔ کافی کا دور چلتا اور مجاہدین کے قصے دہرائے جاتے کہ ——— لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ ——— امیر عبدالعزیز پر صرف ایک دھن سوار تھی وہ یہ کہ اپنے حریف کو نیچا دکھائیں، لیکن دشمن تر نوالہ نہ تھا، وہ ہر دم چوکنا رہتا۔

۱۶ فروری ۱۹۰۱ء کو امیر عبدالعزیز کا ابن رشید کے ساتھ پہلی مرتبہ تصادم ہوا، لیکن سعودیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگجو عبدالعزیز نچلا بیٹھنے والا نہ تھا۔ اگلے سال شعبان کے اوائل میں اس نے چالیس نوجوان ساتھ لئے لمبا چکر کاٹا اور کاروانی راستوں سے ہٹ کر صحرا ربع الخالی کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بہت سے بدو بھی شریک ہو گئے تھے، لیکن وہ راستہ میں چھٹتے چلے گئے۔ ابو جیفان کے کنوؤں کے مشرق میں انہوں نے عید الفطر منائی اور پھر اسی رات مشرق کی طرف بڑھے۔ حتیٰ کہ ... تک

لق و دق ریگزار تھا۔ اگلا دن انہوں نے سطح مرتفع جبیل کی نچلی وادیوں میں چھپ کر گزارا۔ جونہی سورج غروب ہوا اور تاریکی پھیل گئی یہ لوگ پھر چل کھڑے ہوئے۔ اب ریاض کے باغات اور فصیل کے ہیولے نظر آنے لگے۔ یہاں نوجوان عبدالعزیز نے چھ ساتھی منتخب کئے اور باقی افراد کو حکم دیا کہ اگر انہیں اگلے دن دوپہر تک ان کی خبر نہ ملے تو کویت کی طرف کوچ کر جائیں۔ اکیس سالہ طویل القامت (چھ فٹ پانچ انچ) سالار کے اس دستہ میں ان کے بھائی محمد اور چچیرے بھائی عبدالعزیز فہد اور عبداللہ بھی تھے۔ جواں سال سالار اس قدر محتاط تھا کہ اس نے اپنے ہمراہیوں کو بھی اپنے مشن سے آگاہ نہ کیا۔

ریاض سامنے نظر آ رہا تھا جس کے در و دیوار جنگ گزیدہ تھے جس کی آبیاری امیر عبدالعزیز کے آباؤ اجداد نے اپنے لہو سے کی تھی۔ پورا شہر نیند کی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ لوگ شہر پناہ کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ فصیل ابھی تک شکستہ حالت میں ہے سعودی آسانی سے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ رات دو بجے کا عمل ہوگا۔ سردی بڑھ گئی تھی اور لوگ اپنے گھروں میں لحافوں میں دبکے پڑے تھے۔ شہر کے وسط میں رشیدیوں کا قلعہ تھا جہاں رشیدی گورنر عجلان رات بسر کیا کرتا تھا اس کی رہائش گاہ قلعہ کے واحد گیٹ کے بالمقابل واقع تھی۔ امیر عبدالعزیز نے دروازے پر دستک دی۔ ایک خاتون برآمد ہوئی جملہ آور جھپٹے اور چشم زدن میں مکینوں کی مشکیں کس کر انہیں ایک کمرے میں محبوس کر دیا۔ یہ مکین خواتین اور خدام تھے۔ ایک تنومند محافظ ان پر تعینات کر دیا گیا۔

ادھر امیر عبدالعزیز کے ساتھی چھت پر پہنچ کر جھری کی اوٹ میں قلعہ کے دروازے پر نشست باندھ کر بیٹھ گئے تاکہ شکار نکلے اور یہ شاہین خوگر جھپٹ کر اسے اپنی آہنی گرفت میں لے لیں۔ اس دوران یہ کافی کا تلخ جرعہ حلق میں اتارتے اور تلاوت قرآن کرتے رہے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ وہ خدا کے حضور سربسجود ہو گئے۔ نماز فجر سے فارغ

ہوکر انہوں نے فتح اور نصرت کی دعا مانگی۔

رشیدی گورنر کا دستور تھا کہ وہ علی الصبح قلعہ سے نکل کر گھر کی راہ لیتا حسب معمول دروازہ کھلا اور گورنر اپنے خدام حشم کے ساتھ باہر نکلا۔ ابھی وہ آدھا راستہ ہی طے کر پایا تھا کہ امیر عبدالعزیز اور ان کے بپھرے ہوئے جانباز ان پر ٹوٹ پڑے۔ عجلان مقابلہ کرنے کے بجائے الٹے پاؤں واپس بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ ابن جلوی نے اپنے چھوٹے سے نیزے سے اس کا نشانہ باندھا لیکن نشانہ چوک گیا۔ نیزے کا پھل ٹوٹ گیا اور پھاٹک کے دائیں ہاتھ لکڑی کے نقش و نگار میں پیوست ہوگیا۔ تاہم عجلان پھاٹک کی کھڑکی میں قلعہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ دروازہ بند ہوتا عبداللہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گیا اور عجلان سے گتھم گتھا ہوکر اسے قتل کر ڈالا اس اثنا میں امیر عبدالعزیز اور ان کے باقی ساتھی بھی قلعہ کے اندر پہنچ چکے تھے۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ قلعے کے محافظ اور عجلان کے باڈی گارڈ بھونچکے کھڑے دیکھتے رہے۔ اتنے میں ابن سعود کے آدمیوں نے پھاٹک کھول دیا اور باقی ساتھی بھی اندر پہنچ گئے۔ خونریز جنگ چھڑ گئی۔ عجلان کے چالیس ساتھی مارے گئے۔ باقی چالیس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ امیر عبدالعزیز کے دو ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر دو گھرانوں کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا۔ یہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔

اسی روز امیر عبدالعزیز نے امیر نجد اور تحریک اسلامی کے امام کا خطاب اختیار کیا۔ اس طرح سعودی مملکت کی تاریخ کا تیسرا دور شروع ہوا۔ امیر عبدالعزیز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کویت سے اپنے والد کو بلایا۔ امیر عبدالرحمٰن صرف کی لڑائی کے بعد اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہوگئے تھے ان کے سامنے کٹھن منزلیں تھیں۔ انہیں اپنی مملکت کو مستحکم بھی کرنا تھا اور جو علاقے ابھی تک حریف کے قبضے میں تھے انہیں واگزار بھی کرانا تھا ان کے شب و روز اکثر دارالحکومت سے باہر معرکہ آرائیوں میں گزرتے

امیر عبدالعزیز کی غیر حاضری میں نیابت کے فرائض امیر عبدالرحمن کے سپرد ہوئے۔ امیر عبدالرحمن بارہ برس کے بعد ریاض میں داخل ہوئے تو ان کی آنکھوں سے اشک مسرت موتی بن کر ٹپکنے لگے۔ جب وہ یہاں سے بھاگ کر کویت میں پناہ گزین ہوئے، تو سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ وہ دوبارہ اپنی سرزمین میں لوٹیں گے، تو ان کا قابل فرزند یہاں کا حکمران ہوگا۔ امیر عبدالرحمن نے زمانے کی تکلیفیں برداشت کی تھیں وہ جب انفرادی سرد وگرم جانتے تھے۔ اگلے پچیس برس امیر عبدالرحمن اپنے عظیم فرزند کی ہر اہم اور مشکل مرحلے میں رہنمائی کرتے رہے۔ مملکت کو مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ امیر عبدالعزیز اسلام کو عملی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا تھا، کیونکہ یہی ان کی قوت کا اصل سرچشمہ تھا۔ اسی سے ان کے ولولوں کے سوتے پھوٹتے تھے۔ اب یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ عرب معاشرے میں جن بدعتوں اور کمزوریوں نے سر اٹھایا تھا اس کی سرکوبی کریں وہ دلیر بھی تھے اور ذہین و فطین بھی! چنانچہ وہ جلد ہی عظیم المرتبت شخصیت بن گئے، لیکن یہاں تک پہنچنے کے لیے انہیں کئی برس تک پیہم جدوجہد کرنا پڑی اور ان گنت مصائب سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے رشیدیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے سب سے پہلے بدوؤں کو ایک عملی تحریک کے پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ یہ لوگ اخوان کہلاتے تھے۔ نجد کے بدو ان کی شخصیت کے سحر سے بے حد مرعوب تھے۔ امیر عبدالعزیز نے اخوان کے مقصد کو اپنے ایک تاریخی جملے میں سمو دیا "خدا ہمارے ساتھ ہے اور عالم اسلام کو اصلاح کی تطہیر کے لئے اب بھی اسلامی تحریک کی اشد ضرورت ہے!"

۱۹۰۴ء تک ابن سعود نے جنوب میں اپنی پوزیشن مستحکم کرلی۔ اسی سال ترکوں نے ابن رشید کی مدد کے لیے گیارہ رجمنٹیں اور چودہ توپیں بھیجیں۔ ترکی فوج کا قائد احمد فیضی پاشا تھا۔ ابن سعود کو عارضی طور پر ریاض کی طرف پسپا ہونا پڑا، لیکن جلد ہی انہوں نے اپنی قوت یکجا کرلی اور اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ

بھاگ گیا۔ پورا صوبہ قصیم ان کے قدموں تلے تھا قصیم کی گورنری اپنے برادرِ صغیر سعد کے حوالے کرنے کے بعد ۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء کے موسم بہار میں امیر عبدالعزیز ابن سعود ریاض کی طرف لوٹ رہے تھے کہ پتہ چلا ابن الرشید بریدہ سے بیس میل شمال میں فوج لے کر پہنچ گیا ہے۔ ابن سعود نے شب خون مارا زبردست لڑائی ہوئی ابن رشید کے جسم پر بیس گولیاں لگیں اور وہ مارا گیا۔ اس مختصر مگر خونریز لڑائی کے بعد نجد سے ترکوں کا اثر مکمل طور پر ختم ہو گیا۔

آنے والے چھ سالوں میں قدرے سکون رہا اگرچہ کبھی کبھار جھڑپیں ہو جاتیں۔ ۱۹۱۰ء کا سال ابن سعود کے لئے نامبارک سال تھا۔ ابن سعود کے چچا سعود کے پوتوں نے خرج اور حریق کے علاقے میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ ادھر مکہ کا شریف حسین ایک زبردست فوج کے ساتھ صوبہ قصیم میں آدھمکا۔ اور عتیبہ قبیلے کے حقوق کا محافظ بن بیٹھا۔ عبداللہ کا موقف یہ تھا کہ ابن سعود نے عتیبہ کے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ اس نے ابن سعود کے بھائی سعد کو یرغمال بنا لیا۔ شریف حسین نے مطالبہ کیا کہ ابن سعود ترکی کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کرے وہ سالانہ چار ہزار پونڈ حکومت مکہ کو دے اور اہل قصیم کو اپنا گورنر منتخب کرنے کی آزادی دے۔ ابن سعود حالات میں کچھ اس طرح گرفتار ہوا کہ اپنے بھائی کو آزاد کرنے کے لئے اس نے حسین کے لکھے ہوئے معاہدے پر دستخط کر دیئے اور سعد آزاد ہو گیا۔ لیکن ابن سعود نے اس معاہدے پر بھی عمل نہ کیا اس کا موقف یہ تھا کہ معاہدہ دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ والی مکہ نے جنوبی نجد میں ہونے والی بغاوت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور ابن سعود کے لئے ان شرائط کو تسلیم کرنے کے سوائے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

عبداللہ کے رخصت ہوتے ہی ابن سعود دو دو ہاتھ کرنے کے لئے خرج اور حریق کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بغاوت کو سختی سے کچلا اور باغیوں کا نجد کے قریہ قریہ

ہیں تعاقب کیا گئے باغیوں عتیبہ کو ان کی شرارت کا مزا بھی چکھایا جنہوں نے عبداللہ کو ابن سعود کے خلاف بغاوت دی تھی۔ پھر اہل قسیم کی باری آئی جن سے ابن سعود نے شمشیر و سیاست کاری دونوں حربے استعمال کئے۔ ۱۹۱۴ء میں ابن سعود نے الحصار کی طرف توجہ دی۔ الحصا کبھی نجد کا حصہ تھا اور محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح و تجدید دین کا پرجوش پیروکار۔ اقتصادی لحاظ سے بڑا پرکشش تھا اور ابن سعود اپنی مملکت کے معاشی استحکام کے لئے اسے واپس لینا ناگزیر سمجھتے تھے۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے۔ ان دنوں بلقان کی جنگ زوروں پر تھی اور اندرون ملک قبائل کی صفوں میں انتشار تھا۔ لشکر کشی کا بڑا عمدہ موقع تھا، جسے ابن سعود ایسا ماہر سیاستدان ضائع نہ کرسکتا تھا۔ کارروائی کے لئے بہانہ بھی موجود تھا۔ ہفوف کے علاقے میں ان کے باغی رشتہ داروں نے پناہ لے رکھی تھی اور انہیں ابن سعود کے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ ایک اندھیری شب ابن سعود نے پندرہ سو تیز رفتار شتر سواروں کی مدد سے حصار پر حملہ کر دیا۔ قلعہ میں ایک ہزار ترک پیادہ فوج موجود تھی۔ اس کے پاس توپیں بھی تھیں۔ دس دن کے اندر اندر قطیف کے غرور کا بت ابن سعود کے قدموں میں پاش پاش ہو چکا تھا۔ قطیف کے ترک گورنر اور فوج کو جنگی اعزاز کے ساتھ مارچ کرانے کے بعد عقیر کی بندرگاہ لے جایا گیا۔ جہاں سے کچھ بصرہ چلے گئے باقیماندہ نے قطر کا رخ کیا۔

رشیدیوں اور ترکوں کے ساتھ آویزش جاری تھی کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور ترک جنگ میں شریک ہو گئے ۔ ابن سعود نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رشیدیوں سے ٹکراتے اور اپنی قوت مضبوط کرتے رہے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء میں برطانیہ اور ابن سعود کے درمیان معاہدۂ دارین طے پایا۔ معاہدہ پر شاہ برطانیہ کی طرف سے خلیج فارس کے علاقے میں مقیم چیف پولٹیکل ریذیڈنٹ سر پرسی کاکس نے دستخط کئے اس معاہدہ کی رو سے ۔

(۱) برطانیہ نے ابن سعود اور ان کی اولاد کو نجد کا حکمران تسلیم کر لیا۔

(۲) بیرونی جارحیت کی صورت میں ابن سعود کو برطانیہ کی اعانت حاصل ہو گئی۔

(۳) ابن سعود کے بیرونی معاملات پر برطانوی سیادت تسلیم کر لی گئی۔

(۴) ابن سعود نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنا علاقہ یا اس کا کچھ حصہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی طاقت کے حوالے نہ کریں گے۔

(۵) ابن سعود اپنے علاقے میں حاجیوں کے قافلے کے راستے کھلے رکھیں گے۔

(۶) ابن سعود نے وعدہ کیا کہ وہ کویت بحرین اور ساحلی امارتوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

معاہدے کا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں ایسی کوئی دفعہ نہ تھی کہ ابن سعود شریف حسین کے علاقے پر حملہ نہ کریں گے۔ بعد ازاں کاکس کی استدعا پر ابن سعود نے ستمبر ۱۹۱۴ء میں کویت کے شیخ جابر الصباح عنیزہ کے شیخ فہد اور محمرہ کے شیخ خزال سے بصرہ میں ملاقات کی یاد رہے کہ شیخ مبارک الصباح کا ۱۹۱۵ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس ملاقات کے نتیجے میں ابن سعود کو برطانیہ سے ۶۰۰۰ ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی امداد ملنے لگی۔ آگے چل کر یہ رقم ایک لاکھ پونڈ مقرر کر دی گئی۔ علاوہ ازیں انہیں تین ہزار رائفلیں اور تین مشین گنیں بھی تحفے میں دی گئیں۔

جنگِ عظیم کے دوران ابن سعود اور شریف حسین کے مفادات کا کئی بار تصادم ہوا جولائی ۱۹۱۴ء میں شریف حسین نے عثمانی بالادستی کا جوا اتار پھینکا اور ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ اسی مہینے شریف حسین نے ایک اور اقدام یہ کیا کہ ینبوع کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹؍ اکتوبر کو عرب کی آزادی اور پھر عرب مملکت کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے تلخی بڑھی۔ اتحادی اسے حجاز کا بادشاہ تسلیم کرتے تھے لیکن عرب ملکوں کا بادشاہ ماننے میں انہیں کوئی

منطق نظر نہ آئی۔ ابن سعود نے شروع میں تو شریف حسین کے ان اقدامات پر خاموشی اختیار کی لیکن ۱۹۱۸ء کے موسم گرما میں خرمہ کے سرحدی نخلستان میں دونوں کی افواج میں مسلح تصادم ہو گیا۔ برطانیہ جنگ میں بری طرح الجھا ہوا تھا، تو ادھر توجہ ہی نہ دے سکا۔ شریف حسین کا بیٹا عبداللہ بن شنب و روز خرمہ پر دادِ شجاعت دیتا رہا، مگر پھر خالد بن لوی کی کمان میں اخوان دستے پہنچ گئے۔ اخوان کا حملہ اتنا شدید تھا کہ عبداللہ بھاگ نکلا۔ اخوان نے اس کے خیمے، توپیں، رائفلیں اور اسلحہ کے ذخائر اپنے قبضے میں لے لئے اس طرح ابن سعود کے ہاتھ بے پناہ مالِ غنیمت لگا۔

عالمی جنگ میں شریف حسین نے برطانیہ کا ساتھ دیا، یہی معاملہ ابن سعود کا بھی تھا لیکن موخرالذکر کا حصہ محض برائے نام تھا۔ عملاً وہ اپنی حکومت کے استحکام ہی کی طرف متوجہ رہے۔ داخلی مصلحتوں کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابن سعود کو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے احساسات کا پورا پورا احترام تھا، جنہیں خلافت کے نظام سے والہانہ محبت تھی، اس کے برعکس شریف حسین نے جون ۱۹۱۶ء میں ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ترکوں کو حجاز، عراق اور شام و فلسطین سے نکالنے کے لئے برطانیہ کا مقدور بھر ساتھ دیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالنے سے پہلے اخوان اور ابن سعود کے باہمی تعلقات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اخوان تحریک کا مقصد درحقیقت بدوی قبائل کو مستقل بستیوں میں بسانا اور ان کی طاقت کو منظم کر کے سعودی مملکت کے لئے مفید قوت بنانا تھا۔

۱۹۱۴ء میں ابن سعود نے اپنا مشہور فرمان اہلِ بادیہ کے نام جاری کیا کہ وہ اخوان تحریک میں شامل ہو جائیں۔ اس تحریک میں شامل ہونے کے لئے دو چیزوں کا اقرار ضروری تھا۔

(۱) خداوند کی عبادت اس میں درج ذیل باتیں بھی شامل تھیں۔

الف: خدا کا شریک نہ ٹھہرانا۔

(ب) زکوٰۃ دینا۔

(ج) رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا۔

(د) دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا۔

(ہ) حج کرنا۔

(۲) تمام سچے مسلمانوں میں بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دینا۔

الف: اپنے وطن سے محبت کرنا۔

(ب) امام کی کامل اطاعت کرنا۔

(ج) دوسرے اخوان بھائیوں کی مشکل کے وقت مدد کرنا۔[۱]

جنگ عظیم میں سعودی حکومت کا کردار

جنگ عظیم کی صورتحال سے ابن سعود نے کس طرح فائدہ اٹھایا یہ صدیق حسن قریشی سے سنیئے:۔

جنگ نے اتحادیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ ترکوں کو شکست کیا ہوئی، عثمانیہ خلافت کی کمر ٹوٹ گئی۔ جنگ کے دوران میں تو انگریز عرب کی سیاست کی طرف توجہ نہ دے سکے تھے۔ اب پھر ادھر متوجہ ہوئے اور علی الاعلان شریف حسین کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اس نے جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ شاید یہ اس کا معاوضہ تھا۔ شریف حسین امید لگائے بیٹھا تھا کہ جنگ کے بعد برطانیہ اسے پورے عرب کا بادشاہ بنانے کا وعدہ پورا کرے گا۔ اسی زعم میں اپنے آقا کا اشارہ پا کر شریف حسین نے ۱۹۱۹ء میں ابن سعود کی مملکت پر حملہ کر دیا۔ تربہ کے مقام پر دونوں افواج کا مقابلہ ہوا۔

---

[۱] محمد صدیق قریشی فیصل ص ۱۹ تا ۲۰

فتح نے ابن سعود کے قدم چومے۔ شریف حسین کے تین ہزار سے زائد آدمی مارے گئے۔ باقی فرار ہو گئے۔ ابن سعود نے شمال کا رخ کیا اور رشیدیوں کے مرکز حائل کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۹۲۰ء میں عبداللہ بن متعب بن عبدالعزیز نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے رشیدیوں کو آخری فیصلہ کن شکست دی۔ جبل الشہر اور حائل کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال محمد بن طلال نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح پورا نجد سعودیوں کے زیرنگیں آ گیا۔

کمال اتاترک نے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر کے آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید اور ان کے خاندان کو جلاوطن کر دیا۔ تو سات مارچ ۱۹۲۴ء کو شریف حسین نے اپنے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کا خیال تو یہ تھا کہ لوگ فوراً ان کی بیعت کر لیں گے لیکن اس اعلان کا ردّ عمل عرب سے باہر ناخوشگوار ہوا خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں سخت مخالفت کی۔

آخر شریف حسین کا خدشہ مٹانے کے لیے ابن سعود نے حجاز پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۴ر اگست ۱۹۲۴ء کو حملہ کا آغاز ہوا۔ ابن سعود کی فوجوں نے طائف کو گھیر لیا۔ شدید مزاحمت کے بعد طائف فتح ہو گیا۔ اب سعودی افواج مکہ کی طرف بڑھیں۔ ۳ر اکتوبر کو شریف حسین نے تخت سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا۔ پندرہ روز بعد مکہ معظمہ پر بھی سعود کا پھریرا لہرانے لگا۔ اب شریف حسین کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔ اس نے جدہ کو دارالحکومت بنایا۔ پانچ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ۱۰ مہینے کے محاصرہ کے بعد مدینہ منورہ فتح ہو گیا اور ۲۳ر دسمبر کو سعودی فوج نے جدہ پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ ۹ر دسمبر ہی کو جدہ سے نکل گیا تھا۔ شریف حسین قبرص جا چکا تھا۔ اب ابن سعود اپنی مملکت کے بلا شرکت غیرے حکمران تھے۔ ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو انہوں نے مملکت کا نام سعودی عرب رکھا اور خود بادشاہ بن گئے۔ یمن کے ساتھ سرحدی علاقوں کا تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں دونوں

ملکوں کے درمیان جنگ کی نوبت آئی۔ سعودی افواج فاتحانہ یمن میں داخل ہوگئیں۔ آخر مذاکرات شروع ہوئے اور جون کے وسط میں معاہدہ طے پاگیا۔ جس کی رو سے نجران کے زرخیز نخلستان اور یام کا علاقہ سعودیوں کو واپس مل گیا اور عسیر پر بھی ان کا دعویٰ یمن نے درست تسلیم کرلیا۔

اس طرح ابن سعود نے تیس سال تک جاں گسل جد وجہد کے بعد وہ مملکت قائم کی جو آج مملکت سعودی کہلاتی ہے اور عرب اور عالم اسلام کی ایک ممتاز مملکت شمار کی جاتی ہے۔ سعودی مملکت کے قیام سے ابن سعود کی زندگی کا ایک اہم مقصد پورا ہوگیا۔ انہوں نے عربوں کو جو مختلف قبائل میں بٹے ہوئے اور طوائف الملوکی کا شکار تھے۔ ایک منظم کتاب و سنت کے قوانین پر مبنی مملکت میں متحد کردیا۔[1]

جنگ کے دوران وہابیہ کے مظالم

سعودی افواج نے طائف، مکہ اور مدینہ منورہ کی فتح کے دوران جو سنگدلانہ اور بہیمانہ انسانیت سوز مظالم کئے ہیں۔ تاریخ کی سطروں سے اب تک ان مظالم کا لہو ٹپک رہا ہے۔ سردار حسنی لکھتے ہیں:۔

جنگِ طائف کے خونیں واقعات

مئی ۱۹۱۹ء میں ابن سعود نے شریف حسین پر حملہ آور ہونے کی تیاری شروع کردی۔ واکٹ ہال میں ایک اور کانفرنس ہوئی اور ابن سعود کے وظیفہ کو پانچ ہزار پونڈ سے گھٹا کر پچیس پونڈ کردیا گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ابن سعود کو نہ ہوئی۔ وہ تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا مستقبل اسی ایک معرکے پر منحصر ہے۔

---

[1] محمد صدیق قریشی — فیصل ۲۱ تا ۲۹

ابن سعود کے خلاف شریف نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار تیار کیا۔ لشکر کے ساتھ بہت سے بدوی لوٹ کے لالچ سے ساتھ ہو گئے۔ چار ہزار نوجوان نظامی فوج کے تھے۔ جن کے عراقی اور شامی افسران ترکی حکومت کے تربیت یافتہ تھے اور جنگ عظیم کے تجربات نے انہیں جدید اسلحہ کا استعمال خوب سکھا دیا تھا۔ شریفی فوج کی تیاریاں ماہ اپریل کے اواخر میں مکمل ہو گئیں۔ طائف سے یہ لشکر حشم و وقار کے ساتھ طرابہ کی طرف چلا۔ یہ گاؤں خرما سے چالیس میل کے فاصلے پر جانب جنوبی مغرب میں واقع ہے۔ طرابہ پہنچ کر امیر عبداللہ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ یہاں بھی دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ امیر نے ان سب کو تہ تیغ کر دیا۔ مقتولین کے ورثا بظاہر تو شریف کی اطاعت کا دم بھرتے رہے، لیکن خفیہ طور پر یہاں کے استحکامات و انتظامات کا حال خرما والوں کو کہلا بھیجا۔

ابن سعود اس وقت اپنی افواج لئے خرما سے کئی میل دور جانب مشرق میں موجود تھا۔ طرابہ والوں کا پیغام خالد بن لوی والی خرما کو پہنچا۔ اس شجاع مرد نے نہ ابن سعود کو اطلاع دی اور نہ ہی باضابطہ اجازت حاصل کرنی ضروری سمجھی۔ اپنے گاؤں کی کارآزمودہ جماعت کو لے کر ۲۴ مئی کی رات کو طرابہ پر چڑھ دوڑا اور رات کے اندھیرے میں جبکہ شریفی افواج آرام و اطمینان کی میٹھی نیند سو رہی تھی، ان کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ وہ قتل و خون ہوا کہ الاماں الاماں وہابیوں کی یہی شجاعت و بسالت تھی جس نے ایک صدی پیشتر عالم اسلام کو متحیر و مبہوت کر دیا تھا۔ بہت سے شریفی ابھی بستر ہی پر تھے کہ قتل کر دیئے گئے، بعض اٹھ کر سنبھلنے نہ پائے تھے کہ تہ تیغ ہو گئے۔ پانچ ہزار شریفی افواج میں سے صرف ایک صد آدمی اس خونچکاں سرگزشت کو بیان کرنے کے لئے زندہ رہے۔ امیر عبداللہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس کی زبان سے شریف حسین کو فوج کی مکمل تباہی و بربادی کا حال معلوم ہوا۔ اگلے دن پچیس مئی کو ابن سعود اپنے عساکر کو لے کر بنفس نفیس طرابہ پہنچا اور مقتولین کے انبار بچشم خود ملاحظہ کئے۔ کشتگان کی اتنی تعداد شاید اس نے بھی نہ دیکھی تھی۔ بے نظیر شجاعت

کے باوجود نرم دل واقع ہوا ہے۔ اس قدر کشت و خون پر بے حد متاسف ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے حسرت بھری آہ لے کر کہنے لگا۔

اللہ نے یہ بار شاقہ مجھ پر ڈالا ہے۔ مشرکین کو (یعنی وہ ہاشمی مسلمان جو ابن سعود کے وہابی عقائد سے متفق نہ تھے۔ قادری) راہ راست پر لانے کی ذمہ داری میرے مقدر کر دی گئی ہے کاش میں ایک معمولی سپاہی ہوتا۔[۱]

نوٹ! ابن سعود نے جو یہ الفاظ کہے ہیں۔ نبی کے علاوہ اور کوئی شخص ان الفاظ کے کہنے کا مجاز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نبی کے علاوہ اور کسی شخص پر یہ بار شاقہ نہیں ڈالتا ——— (قادری غفرلہ)

مولانا محمد علی جوہر طائف کے مظالم کے بارے میں لکھتے ہیں!
مرکزی خلافت کمیٹی کو حسب ذیل تار مکہ معظمہ سے وصول ہوا:۔

"گیارہ ستمبر باشندگان مکہ معظمہ آج کعبۃ اللہ کے سامنے جمع ہوئے ہیں جس میں تقریباً بیس ہزار مسلمان باشندگان۔ جاوا، ہندوستان، سوڈان، الجزیریا، روس شامل تھے اور انہوں نے متفقہ طور پر مذہبی دنیا کو یہ بتایا کہ وہابیوں نے شہر طائف پر حملہ کیا اور فوج ہاشمی نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا۔ باشندگان مکہ اور حکومت ہاشمی نے جس کی حمایت عام طریقہ پر کی جا رہی ہے ہر ممکن کوشش اس امر کی کی ہے کہ بے گناہ باشندگان اور غیر ملکیوں کو بچایا جائے۔ لیکن وہابیوں نے بجائے اس کے وہ باقاعدہ طور پر قبضہ کرتے نہایت وحشیانہ طریقہ اختیار کیا اور وہاں کے باشندوں اور غیر ملکی رعایا پر جو وہاں مقیم تھی انتہائی ظلم کیا ہے اور جیسا کہ خود ان غیر ملکیوں سے دوستی رکھنے والی سلطنتوں کو ان تمام حادثات کی خبر دی ہے۔ (یہ واقعہ ہے) کہ وہابیوں نے حضرت ابن عباس کے مزار کو پھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کیا جس میں بچے، عورتیں اور بوڑھے سب شامل تھے

---

[۱] سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۱۰۱ تا ۱۱۶ سید محمد سردار حسنی ۱۰۰، ۱۰۷ ماخوذ

یعنی مختصر الفاظ میں ساری رعایا اور کل غیر ملکی باشندے مارے گئے۔ انسانیت، تہذیب اور انصاف کے نام پر جس کی لیگ اقوام علمبردار ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان مظالم کا خاتمہ کیا جائے اور ان وحشیانہ حرکات کو جن سے تہذیب اور انسانیت تھراتی ہے جلد سے جلد سخت ترین کارروائی کر کے ختم کیا جائے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء

منجانب شہر کا جلسہ

عبدالغفار صوفی۔ عبدالساتانی، ابن قاری عبداللہ سروح سوڈانی، موتادی۔ بدرالدین، ہدایت اللہ آذربائیجان۔ سولانا غفار بن قریشی، سولانا محمد داؤدی امرالغتانی۔ احمد بن امادائی، ابوالجولاتی، محمد عبداللہ بن زیدان الشکینی، محمد حبیب اللہ شوکنی۔ عمر یونسی المراکشی۔ محمد مختار بن عالم ت، ناظم الرواۃ ایرانی، محمد بن عبدالکریم۔ محمد عطار بن سلمان، محمد اسماعیل بن خلفلای۔ عبداللہ بن یعقوب، ابن صحیح سماری۔ بخاری عبدالغنی۔ بدرالدین محمد عارف، محمد مظہر۔ ابوطالب۔ (نوٹ۔ تار فرانسیسی زبان میں تھے اس لئے بہت سے نام صاف نہیں پڑھے گئے۔)

جنگ کے دوران وہابیوں کے مکہ مکرمہ پر مظالم

طائف میں وہابیوں نے جس درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا تمام دنیا میں انسانیت کے نام پر ان مظالم کی مذمت کی گئی، اس کے بعد مکہ اور مدینہ میں ان لوگوں نے احتیاط سے کام لیا۔ تاہم احتیاط کے دوران ان کی فطری درندگی سے جو مظالم ظہور میں آئے وہ سردار حسنی سے سنیئے۔

یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابن سعود کے احکام اس وقت اہالیان مکہ کے کام آئے۔ شہر میں قتل وغارت نہ ہوا۔ طائف کے کشت وخون کے متعلق انگریزوں نے زبردست احتجاج کیا تھا۔ اور سلطان ابن سعود نے ارادہ کر لیا تھا کہ حجاز کے متعلق بقیہ کارروائیاں اس

سلہ سولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۰ تا ۲۰

کی ذاتی نگرانی کے ماتحت ہوں! چنانچہ شہر میں امن وامان کا اعلان کر دیا گیا اور سلطان ابن بجاد شیخ غطغط نے عارضی طور پر شہری نظم ونسق سنبھال لیا، لیکن امن وامان قائم ہوجانے کے باوجود اخوان بپھرے ہوئے تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ اگر مکہ کے مشرکین (یعنی وہ مسلمان جو عقائد میں نجدیوں سے متفق نہ تھے۔ (قادری) بچ جائیں، تو بچ جائیں لیکن مقابر ومزارات ضرور منہدم کردیئے جائیں گے اور مساجد کی آرائشیں ضائع کردی جائیں گی، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ان چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے چنانچہ حرم کے وہ تمام مقدس مزارات، جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے آن کی آن میں نباہ برباد کردیئے گئے۔ وہ تمام رسوم وشعائر جن کی سند وہابیوں کے اعتقاد کے مطابق قرآن وسنت میں موجود نہ تھی بیک جنبش قلم ممنوع قرار دے دیئے گئے اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں تنفر اور اضطراب کی لہر اٹھی، ایران کے شیعوں اور ہندوستانی مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ لوگ وہابیوں سے بدگمان تو پہلے ہی سے تھے جو کچھ ان کے متعلق کہا گیا بلا تحقیق وتفتیش بر صحیح تسلیم کرلیا گیا۔ وہابی اس فعل کو قرآن وسنت کے مطابق سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے غم وغصہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنے کام سے کام رکھا۔[1]

[redacted] مکہ مکرمہ کے مقامات مقدسہ اور مزارات صحابہ کو پامال کرتی ہوئی جب وہابی فوجیں مدینہ منورہ پر یلغار کرتی ہوئی پہنچیں، تو انہوں نے جس شقاوت قلبی کے ساتھ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کی وہ سردار حسنی سے سنیئے۔ لکھتے ہیں!

اگست میں نجدی افواج مدینہ کی طرف بڑھیں۔ اسی مہینہ کی ۲ تاریخ کو امیر علی کے حکام نے اقصائے عالم میں یہ خبر مشہور کردی کہ نعوذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس مرقد پر نجدی گولہ باری کر رہے ہیں، نجدیوں کی طرف سے تردید تو شائع ہوئی لیکن بعد

---

[1] سید سردار محمد حسنی بی اے حیات سلطان ابن سعود ص ۱۵۵

از وقت پہنچی۔ مسلمانوں میں پھر غیظ و غضب برپا ہوا۔ مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے فرداً فرداً مسلمان اس (روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) (قادیم) کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ای [redacted] کے اواخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضہ کے گنبد میں پانچ گولیاں لگی ہیں۔[1]

اس سے پہلے سعود بن عبد العزیز کے دور حکومت میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سعود نے گنبد خضرا سے سونے کا ہلال اور کرہ اتار دیا تھا اور وہ قبہ کو بھی گرانا چاہتے تھے لیکن ان کارکنوں میں سے جو ہلال اور کرہ مذکورہ کو اتارنے کے لئے اوپر چڑھے تھے، دو آدمی نیچے گر کر مر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ گرانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ان دونوں تاریخی واقعات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابن سعود کے دور میں روضہ منورہ پر گولیوں کی بوچھاڑ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ وہابی حضرات دیدہ دانستہ گنبد خضرا کی توہین کرنا چاہتے تھے۔

ابن سعود کی ترکوں سے مخاصمت

خلافت عثمانیہ کے تحت تمام اسلامی علاقے ایک وحدت میں منسلک تھے۔ وہابیوں نے جزیرہ عرب کو خلافت عثمانیہ سے نکالنے کی دو بار کوشش کی اور ناکام رہے۔ تیسری بار جب کہ ترک جنگ عظیم میں جرمنی کے حلیف تھے اور اتحادیوں سے برسر پیکار تھے۔ وہابیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور انگریزوں کے حلیف بن گئے اور جب اتحادیوں کے مقابلہ میں ترکوں کو شکست ہو گئی تو ابن سعود کو انگریزوں کی طرف سے بطور انعام صحرائے عرب دے دیا گیا۔ ادھر سالہا سال سے کرنل لارنس عرب میں قومیت

[1] سید سردار محمد حسنی۔ بی۔ اے ۔ حیات سلطان ابن سعود ص ۱۵۷

کی جو تحریک پیدا کر رہا تھا۔ اس تحریک کا اثر تھا کہ عرب یک جہتی سے ترکوں کے حلیف ابن رشید سے لڑے۔

[redacted]

ترکوں کو دوسری شاندار فتح قط العمارہ کے محاصرہ میں حاصل ہوئی۔ ۲۹، اپریل ۱۹۱۶ء کو جنرل ٹاؤنسینڈ نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے وہ اور اس کی تمام فوج قید کر لی گئی۔ اس کامیابی نے عراق میں ترکوں کی متعدد شکستوں کی ایک حد تک تلافی کر دی تھی، مگر ۲۳، فروری ۱۹۱۷ء کو انگریز دوبارہ قط العمارہ پر قابض ہو گئے۔

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخر ش بار آور ہوئیں اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں اور عرب نیشنلزم کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کو شریف حسین نے اپنے شاہ حجاز ہونے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ نے فوراً باضابطہ طور پر اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ اس کا لڑکا امیر فیصل عرب فوجوں کو لے کر ترک افواج کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف بڑھا اور برطانیہ کی مدد سے ترکوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ پان اسلامزم کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اسی افسوں سے جرمنی کام لینا چاہتا تھا مگر برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لا کر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کر دیا۔[1]

نجدیوں نے برطانیہ سے ساز باز کر کے جس طرح خلافت عثمانیہ کو نقصان پہنچایا ہے اس موضوع پر بہاؤ الحق قاسمی (دیوبندی) نے فتنہ نجدیت اور تحریک نجدیت کے نام سے دو رسالے لکھے۔ اس باب میں ہم فتنہ نجدیت کو من وعن نقل کر رہے ہیں اور تحریک نجدیت کے بعض اقتباسات آئندہ ابواب میں پیش کریں گے۔

[1] سٹینلے لین پول، سلاطین ترکیہ ص ۴۸۴، ۴۸۶

نجدیوں کے سیاہ اعمال نامہ کا ایک ورق
شریف حسین اور ابن سعود کی غداری

نجدی عقائد فاسدہ کا مختصر مرقع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ذی الکرم والاحسان والمنن۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد الذی اخبرنا بظھور الزلازل والفتن و علی الہ واصحابہ الذین تحملوا لاعلاء کلمۃ اللہ المصائب والمحن :-

سید حسین سابق شریف مکہ نے ترکوں سے بغاوت کر کے اور دشمنان اسلام سے یارانہ گانٹھ کر جیسی عبرت خیز اور سبق آموز ذلت حاصل کی ہے اس کے فقط تصور سے منتقم حقیقی کی قدرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آج اس بدقسمت کا وجود ہی اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ قہار و جبار خدا جب کسی ظالم کو سزا دینا چاہتے ہیں، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو بچا نہیں سکتی۔ شریف کے مکہ معظمہ سے نکل جانے کے بعد اس کا بیٹا وہاں مسلط ہوا۔ باغی وہابیوں کی حریصانہ نگاہیں حرمین شریفین کی طرف عرصہ سے اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے طائف شریف کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ پر حملہ بول دیا اور آخر وہاں قابض ہو گئے۔ رہ گیا یہ سوال کہ وہابی اتنے طاقتور کہاں سے ہو گئے کہ پہلے طائف میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کر کے وہاں قابض ہو گئے اور پھر مکہ معظمہ پر بھی بغیر کسی دقت اور دشواری کے مسلط ہو گئے تو اس سوال کا جواب ہر متفطن اور سمجھدار انسان یہی دے گا کہ

نجد کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

نجدیوں کے تسلط ہی کے وقت ارباب فراست بھانپ گئے تھے کہ اب صورت حالات روبہ اصلاح ہونے کی بجائے اور زیادہ خطرناک اور پیچیدہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ قوم سخت وحشی واقع ہوئی ہے۔ بربریت اور درندگی اس کے خمیر میں داخل اور انصاف پروری ورواداری کی ان کو ہوا تک نہیں لگی ہے ان کے عقائد میں اس درجے کا غلو، تشدد اور تجاوز پایا جاتا ہے کہ وہ مرکز اسلام پر حکومت و قیادت کرنے کی قطعاً اہلیت نہیں رکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب آنجہانی کے عہد نحوست سے لے کر اس وقت تک یہ لوگ آستانۂ خلافت سے باغی رہے بلکہ موجودہ نجدی حکومت دشمنان اسلام کی انگشت نمائی اور برانگیخت سے ترکوں کے ساتھ برسرپیکار اور معروف پیکار رہ چکی ہے اور موجودہ امیر نجد عبدالعزیز ابن سعود بھی شریف کی طرح انگریزوں کا منظور نظر پٹھو اور خاص وظیفہ خوار ہے۔ ان واقعات و حقائق کی بنا پر ارباب بصیرت نے نجدیوں کے تسلط کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا لیکن افسوس کہ ہندوستانی مسلمانوں میں سے کسی نے سنہری اور روپہلی مصلحتوں کے تحت بعض نے نجدیوں کے ہم عقیدہ ہونے کے باعث کسی نے شریف کے مظالم سے تنگ آکر اور کسی نے زبان دراز اور منہ پھٹ لوگوں کی گالیوں کے خوف سے ان تمام حقائق ثابتہ سے آنکھیں بند کر کے نجدیوں کی تعریف و توصیف کے پل باندھنے شروع کر دیئے۔

یہ لوگ جہاں نجدیوں کے عقائد کی خوبیاں بیان کرتے نہیں تھکتے۔ وہاں چیخ چیخ کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابن سعود نجدی شریف کی طرح انگریز پرست نہیں بلکہ "اسلام پرست" ہے۔ حالانکہ انہیں میں کے ذمہ دار لوگ کچھ مدت پہلے اپنی تحریروں اور تقریروں میں باضابطہ صریحاً اقرار کر چکے ہیں کہ نجدی حکومت برطانیہ کی

"وظیفہ خوار، مقرب مہیٹوا ورترکوں کی سخت دشمن واقع ہوئی ہے۔

میں ذیل میں ذمہ دار حامیان نجدیہ ہی کی تقریروں اور تحریروں سے ابن سعود اور موجودہ نجدی حکومت کی غداری، نصاری پرستی اور اسلام کش حکمت عملی کے چند واقعات عرض کرتا ہوں اور اس کے بعد وہابیوں کے کافرسازانہ اور مشرک گرانہ عقائد ہی کی کتابوں سے نقل کر کے فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں وہ خود اندازہ لگالیں کہ نجدیوں کی حمایت میں جو آج کل ہنگامہ خیز مظاہرات ہو رہے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟

بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

غدار ابن سعود کی سیاسی کہانی اخبار زمیندار کی زبانی

اخبار زمیندار لاہور بابت ماہ فروری ۱۹۲۲ء کے متعدد پرچوں میں ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا، جس کے تین عنوان تھے "حکومت برطانیہ اور عراق عرب" "اسرار کا انکشاف" "حقیقت کی چہرہ کشائی" اس مضمون میں برطانیہ کی ان ریشہ دوانیوں کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے جو اس نے عراق عرب میں ترکوں کے خلاف اور اپنا اقتدار قائم کرنے کی غرض سے عربوں کو سیم وزر کا لالچ دینے کی صورت میں روا رکھیں، میں ذیل میں اس مضمون سے وہ اقتباسات نمبروار نقل کرتا ہوں جن میں ابن سعود نجدی اور اس کی حکومت کی غدارانہ سازشوں اور مسلم قوم کے خلاف بدعملیوں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔

(۱)

تلک الامثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون

ٹائمز کا نامہ نگار مقیم طہران لکھتا ہے کہ:-

"ترک ہمارے (برطانیہ کے) دشمن تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ہم اس کوشش میں مصروف رہتے تھے کہ ترکی کی بدنظمی کی کوئی بات ہمارے ہاتھ لگے، جسے ہم اتحادیوں کے فوجی مقاصد کے لئے مفید بنا سکیں۔ عربوں کے جذبات کی کوئی قدر اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن ہم ترکی کے نقائص کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے اور اس کے ستائے ہوئے لوگوں سے تو وہ کسی طرح سلوک تغافل نہیں کر سکتے تھے جو جرمنی نے آئرلینڈ سے کیا ہے۔ حامیان عرب کے لئے یہ نادر موقع تھا جس طرح حکومت جرمنی کے پاس اس کے متبحر ماہرین علوم اور مستشرقین موجود تھے جن کا ظن غالب یہ تھا کہ آئرلینڈ میں جمہوریت کے اقوام و قیام کا امکان ہے اور ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کے لئے بغاوت انگیزی ضروری ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں بسنے والے اتحاد عرب کے حامی ترکی کی حکومت کو کانٹ کر عربوں کی حکومت پر مصر تھے۔ اس لئے یہ بات قدرتی اور ناگزیر تھی کہ حکومت ان لوگوں کو آلۂ کار بر آری بنائے۔

وہابیوں کا خروج

اس لئے اب یہ سوال پیدا ہوا کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف کس طرح برانگیختہ کیا جائے۔ سنوسی تو کسی کام کے نہیں تھے، کیونکہ وہ اس حکومت عرب میں حصہ دار نہیں بن سکتے، جس کے ہم حامی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مصر درمیان میں حائل ہے۔ علاوہ ازیں وہ ہمارے مخالف بھی ہیں۔ ادریسی اور امام یمن بہت کام دے سکتے تھے۔ رشید امیر حائل ترکوں کے ساتھ مل گئے۔ اب صرف دو ایسی ہستیاں رہ گئیں جو ہمارے یعنی گورنمنٹ برطانیہ کے شہنشاہی اقتدار کے آخر میں آسکتی تھیں انہیں ہم سرمایہ دے سکتے تھے اور ان سے یہ وعدہ کر سکتے تھے کہ اگر ہماری اعانت کی جائے گی تو ہم بہت سا صلہ انعام دیں گے۔ یہ معزز

ہستیاں، حسین شریف اعظم مکہ اور ابن سعود وہابی امیر نجد کی ہستیاں تھیں۔

اس حقیقت نفس الامری سے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ان کے اغراض و مقاصد میں بعد المشرقین ہے اور ان کے پیرو مذہب کی تلوار سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں بہت پیچیدگی پڑ گئی۔ محمد بن عبد الوہاب اٹھارویں صدی میں علم اسلام لے کر اٹھا اس نے ۱۷۶۰ء میں سعود حاکم نجد کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا۔ اسی زمانے میں بہت سے چھوٹے شیوخ نے جو پہلے ایک دوسرے کے مخالف تھے یہ مذہب قبول کر لیا۔

ان شیوخ اور دیگر عقیدتمندوں کی مدد سے سعود اور اس کا جانشین سعود ابن سعود وسط عرب میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو سکے۔

سعود ثانی کے بیٹے نے ۱۸۰۱ء میں کربلائے معلی کے مقدس شہر کی بے حرمتی کی۔ ۱۸۰۳ء میں فوجیں لے کر مشرق کی طرف بڑھا اور مکہ معظمہ کے حرم مقدس پر قبضہ کر لیا اور اس مقام مقدس کی جو شیعہ اور سنیوں دونوں کے لئے یکساں واجب الاحترام ہے بے حرمتی کی۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں ۱۸۱۳ء تک وہابیوں کے قبضے میں رہے۔ ۱۸۱۱ء میں مصر کے مشہور و معروف پاشا محمد علی نے نجد کے دارالسلطنت درعیہ پر قبضہ کر لیا اور اسے تباہ کر ڈالا۔ اس وقت وہابی سلطنت کچھ مدت کے لئے مٹ گئی، لیکن ایمان کا زائل ہونا تو ناممکن تھا۔ سلطنت کی ویرانی و تباہی میں بھی ایمان کا جذبہ موجود رہا۔ ۱۸۴۰ء میں خاندان سعود نے پھر سر اٹھایا۔ درعیہ کے کھنڈروں کے نزدیک ایک نئے دارالسلطنت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس شہر کا نام ریاض تھا پھر اس مملکت نے عروج حاصل کیا۔ لیکن تیئیس سال گزرے خاندانی تنازعات سے یوں پھر ملیا میٹ ہو گئی اور خاندان ابن رشید جو جبل شمار سے تعلق رکھتا ہے غالب آگیا لیکن آخر اسے بھی روز بد دیکھنا پڑا۔ ابن سعود کا خاندان سخت جان ہے۔ ۱۹۰۱ء میں موجودہ امیر نجد جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ پندرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں شہر میں جا گھسا۔ پو پھٹتے ہی ابن رشید کے مقرر کردہ عامل کو قتل کر ڈالا اور

ابن سعود کا جھنڈا نصب کر دیا۔ اس کے بعد امیر نجد کا لقب اختیار کر کے اس نے اپنی آبائی سلطنت کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس نے الحصا میں سے ترکوں کو نکال دیا اور شرق کی طرف ان بندرگاہوں تک جو بحرین کے مقابل واقع ہیں۔ شمال میں شیخ کویت کے ملک کی سرحد تک جا پہنچا لیکن مغرب میں شریف اعظم مکہ نے اس کا مقابلہ کیا اور ۱۹۱۰ء میں نجد پر حملہ کیا۔ اگرچہ شکست کھائی اور اپنے ملک کی حد تک واپس ہوا لیکن باہمی مغائرت و مناقشت کا سلسلہ جاری رہا اور دونوں ایک دوسرے کی مخالفت پر تلے رہے۔

زمیندار صفحہ اول بابت ۱۸ فروری ۱۹۲۲ء

انگریزوں سے دوستی ترکوں سے جنگ

"ابن سعود نے تحریک اخوان سے جو ایک روحانی برادری کی تحریک تھی۔ وہابی مسلک کو وہ تقویت بخشی جو آج کل اس مسلک کو حاصل ہے۔ شیعہ اور سنیوں کے احیاء کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ وہ علی الاعلان تبا کو نوشی کرتے تھے اور شراب بھی پی لیا کرتے تھے۔ ابن سعود کے آباو اجداد تو اتنے فطرتی نہ تھے کہ ان کے خلاف مذہب افعال کو گوارا کرتے، وہ ان کے لئے ضرور سزا دیا کرتے تھے۔ لیکن اس نے اپنی مملکت کے قرب و جوار اور مملکت میں بسنے والے شیعہ اور سنیوں کو ان افعال کے لئے سزا دینے کی کوشش بہم نہیں کی۔ اس نے اخوان کی بستیاں قائم کیں وہ اس قدر آدمیوں کو ہم عقیدہ بناتے تھے کہ تلوار کے زور سے پہلے کبھی اس حلقہ مسلک میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان کے مبلغوں کی سرگرمیاں مکہ والوں کو بے چین اور مضطرب کیا کرتی تھیں۔ ابن سعود ایک حد تک حج میں بھی مداخلت کیا کرتے تھے اور اس روپیہ کو جو اس طرح شاہ حسین کے خزانہ میں بھی جاتا تھا روکتے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک اور بت پرستی ہے وہ ان شیعوں سے جو ان کے علاقے میں سے گزرا کرتے تھے۔ تاوان یا جزیہ لیا کرتے تھے۔

حکومت برطانیہ کی کارگزاری

جب جنگ کا آغاز ہوا اس وقت ملک کی یہ حالت تھی۔ ہم نے شریف مکہ اور ابن سعود دونوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی اور انہیں ترکوں کے خلاف برانگیختہ کیا۔

وہابی اور ابن سعود تو پہلے ہی ہمارے یا یوں کہیئے کہ حکومت ہند کے دم ساز تھے۔ ۱۸۶۵ء کا واقعہ ہے کہ اس زمانے میں ایک برطانوی وفد بسرکردگی کرنیل لیوس بیلی ریاض گیا تھا۔ اس وفد نے خاندان ابن سعود سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی پاسداری ہمیشہ ملحوظ رہی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ عہدنامہ مرتب نہیں کیا گیا تھا لیکن اس پر بھی وہابیوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس معاہدہ کی تکمیل اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

موجودہ ابن سعود اور اس کا والد عبدالرحمٰن جو ضعیف العمر اور واجب الاحترام بزرگ ہے۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۱ء تک کویت میں مقیم رہے۔ یہ شیخ کویت ان کا حامی و مددگار تھا۔ اسی کی برکت ہے کہ یہ پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے باہر نکلے جس زمانے میں یہ خاندان کویت میں تھا اس زمانے میں برطانی پولیٹیکل افسر اور ریذیڈنٹ بوشہر سے ان کے تعلقات تھے، جب یہ خاندان ریاض پہنچا اس وقت بھی یہ تعلقات دوستانہ قائم رہے۔ کپتان شکسپیئر آنجہانی پولیٹیکل افسر کویت عربوں کے مداح اور گہرے دوست تھے۔ ان کی وساطت سے سلسلہ تعلقات مربوط و مضبوط، الغرض ہمارے اور ابن سعود کے درمیان باہمی اتحاد اور اعتماد کا سلسلہ تو پہلے ہی سے قائم تھا۔ ترک تو آباؤ اجداد سے اس کے دشمن چلے آتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے چھڑنے سے پیشتر اس نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا اور اس میں یہاں تک کامیابی حاصل کی تھی کہ الحسا پر قبضہ کر لیا تھا۔ جبل شمار کے لینے والے بھی اس کے دشمن تھے۔ اس لئے ابن سعود نے شریک جنگ ہونے میں تامل نہیں کیا۔ جنوری ۱۹۱۵ء میں وہ میدان جنگ میں اترا،

لیکن شومیٔ قسمت! کپتان شکسپیئر جو اس کے ساتھ تھا جنگ جراب میں مارا گیا۔ اور ابن سعود کی پیادہ فوج میں دغا بازوں نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس جنگ میں جس کا آغاز فاتحانہ تھا سخت شکست کھانی پڑی۔ اس واقعہ کے بعد ہماری اور ابن سعود کی ہمت ٹوٹ گئی اور مدت تک ہم میدان جنگ میں نہیں اترتے۔

(زمیندار صفحہ اول، ۸ رفروری ۱۹۲۲ء)

(۳)

اشرفیوں کی تھیلی

نامہ نگار مذکور مجلس قاہرہ اور سر پرسی کاکس کے مرتبہ قانون انتخاب کے ذکر میں لکھتا ہے کہ:۔

جب کثرت رائے سے انتخاب عمل میں آئے گا۔ اس وقت دیکھ لیں گے۔ امیر عراق عرب میں محض اجنبی آدمی کی وقعت رکھتا ہے لہٰذا وقت آئے گا کہ وہ ہمارے سامنے ٹھہر نہ سکے گا۔ بس جو عزم کرنا ہے حکومت نے سوچا وہ یہ ہے کہ امیر فیصل کو پہلے ملک میں بھیجا جائے مصمم ہوگیا کہ یہ ہونا ہی چاہیئے تیاریاں ہونے لگیں ساتھ ہی اس عزم کے اس امر کی بھی پوری کوشش کی گئی کہ عوام کی نظر سے اس حقیقت کبریٰ کو پوشیدہ رکھا جائے کہ برطانیہ کا ہاتھ اس میں نہیں ہے اور فوراً نظام عمل اس کے لئے مرتب ہونے لگا وہی نظام عمل جو کبھی سر پرسی کاکس نے اپنے لئے بنایا تھا ابن سعود کو کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، لیکن انجمن اتحاد عربی کے پاس ایک سیدھا سادھا نسخہ تھا اور وہ اشرفیوں کی تھیلی تھی۔

زمیندار صفحہ اول ۱۰ فروری ۱۹۲۲ء)

(۴)

اشرفیوں کا توڑا

"ایک دوسرے حقیقت نگار نے اس حقیقت سے بحث کرتے ہوئے کہ دو برس

سے بھی کم میعاد میں کرنل. لارنس نے وہاں بیس ہزار اشرفیاں تقسیم کر دیں، یہ کہا تھا کہ اس کا تو تعجب نہیں کہ انہیں وہاں اقتدار حاصل ہوا بلکہ اس کا تعجب ہے کہ اب مطلق اقتدار نہیں رہا اور اگر بجائے ان کے میں ہوتا تو کبھی عرب نظم ونسق نہ کرتا، بلکہ میں خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ ابن سعود کو اس طرح باطمینان اشرفیوں کا توڑا حوالہ کر کے ٹال دیا۔"

(زمیندار صفحہ اول ۱۱، فروری ۱۹۲۲ء)

(۵)

ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت

ترکوں کی ناکہ بندی

"پھر بھی انہوں (نجدیوں) نے ہمیں جنگ کے آخری دور میں ترکوں کی ناکہ بندی میں معقول مدد دی۔ جو جبل شمار اور بندر کویت کے راستہ اشیائے رسد حاصل کر رہے تھے۔ اور ۱۹۱۸ء میں ابن رشید کے ملک پر چڑھ دوڑے۔"

اس سال انہوں نے سر پرسی کاکس کے پاس بغداد میں ایک سفارت بھیج کر یہ ظاہر کیا کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے یا تو شاہ حسین کو اپنا رویہ بدلنے کے لئے خاص تنبیہہ کر دی جائے ورنہ ہم انتقام گیری پر مجبور ہو جائیں گے۔ امیر فیصل کو بغداد میں شاہی تخت پر بٹھانا مزید ظلم تھا۔ ابن سعود نے صاف صاف کہہ دیا کہ میرے گرد دو بھٹیاں سلگا دی گئی ہیں پھر میں کیسے ہاتھ پاؤں توڑ کر خاموش بیٹھ سکتا ہوں۔ مزید براں ایک تیسری خطرناک ترصیت یعنی عبداللہ ماورائے یردن پر قابض ہے۔ سر پرسی کاکس نے اس احتجاج کے جواب میں اسے "شاہ نجد" کے نام سے مخاطب کیا اس خوشامد تملق اور ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت سے جو ماہ بماہ ادا ہوتی رہے گی۔ ابن سعود کو خاموش رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔

(زمیندار صفحہ اول بابت ۱۲، فروری ۱۹۲۲ء)

ابن سعود نجدی اور اس کی حکومت کی "اسلام پرستی" اور "نصاریٰ کشی" کا یہ اجمالی نقشہ ہے جسے وہی اخبار شائع کر چکا ہے جو آج "نجدیت نوازی" کے علمبرداروں میں چوٹی کا "مجاہد" سمجھا جاتا ہے۔

صاحبو: آپ نے دیکھ لیا کہ نجدی باغی کس طرح مخالفین اسلام سے مل کر ترکوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ؎

دشمن کے دوست دوست کے دشمن ہیں بے سبب: دیکھو وہابیوں کی یہ عادت عجیب ہے

وہابیوں کی صلیبی لڑائیاں

زمیندار کی شہادت

اوپر جو اقتباسات میں درج چکا ہوں۔ وہ میں نے خود "زمیندار" کے پرچوں سے نقل کئے ہیں۔ ذیل میں معزز روزنامہ "سیاست" لاہور کے حوالہ سے "زمیندار" کی رائے جو اس نے ہٹر لونگ سے پہلے ظاہر کی تھی درج کرتا ہوں۔

"جناب مفتی حمایت اللہ صاحب سیکرٹری انجمن معین الاسلام لاہور نے ۰۲ جون ۱۹۲۰ء کا زمیندار پڑھ کر سنایا جس میں وہابیوں کو منفری لکھا گیا ہے اور وہابیت کے لفظ کو بغاوت اور کذب و بہتان کا مترادف ظاہر کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ ابن سعود انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے اور اسلام کی نہیں بلکہ صلیب کی لڑائیاں لڑتا ہے"۔

("سیاست" بابت ۱۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

برطانیہ کا پٹھو ابن سعود

مسٹر محمد علی صاحب کا فتویٰ

مشہور لیڈر جناب مسٹر محمد علی صاحب ایڈیٹر ہمدرد "کامریڈ" نے (جو آج کل ابن سعود کے خاص نعت خوانوں میں داخل ہیں) اس تقریر میں جو آپ نے خلافت کانفرنس کراچی میں فرمائی تھی۔ ابن سعود کے متعلق فرمایا کہ:۔

اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے برخلاف ہو جائیں تو بنظر حفظ ما تقدم ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کر لیا ہے اور وہ ابن سعود ہے جسے ساٹھ ہزار پونڈ (۹ لاکھ روپیہ) سالانہ . . . . .

دیئے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اس کو شریف کی جگہ بٹھا دیا جائے:

(تقاریر مسٹر محمد علی صاحب مطبوعہ غنی المطابع دہلی حصہ دوم صے ۶۷)

غرض جو لوگ آج ابن سعود کو "فرشتہ رحمت" ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں وہی کچھ عرصہ پہلے اس کو غدار برطانیہ کا پٹھو اور نصاریٰ پرست وغیرہ خطابات دے چکے ہیں۔ اب مجھ پر تو کسی صاحب کو ناراض نہ ہونا چاہیئے۔ ناراض ہونے والے صاحبوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی قلم اور اپنی زبان کو مارے غصہ کے کاٹ کھائیں جس سے قبل از وقت "شریفی پروپیگنڈہ" ہو چکا ہے اور اب وہ اپنے اس جرم کی کوئی صفائی نہیں پیش کر سکتے ؎

دل کی نہیں تقصیر مکدّر ہمیں ہیں ظالم
یہ جا کے نہ لاتیں وہ گرفتار نہ ہوتا!

نجدیوں کی مذہبی کہانی

ان کی اپنی زبانی

مدعی! لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نجدیوں کے باطل اور فاسد عقائد اس قدر واضح ہیں کہ بڑے بڑے اکابر علماء ومحدثین ان کی تردید میں کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ خود شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حقیقی بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اپنے گمراہ بھائی کی تردید کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن آج تک نجدیوں کے ہندوستانی چیلے یہی کہتے رہے کہ جن عقائد کو نجدیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ ان سے بری الذمہ ہیں مگر باطل پر کب تک پردہ رہ سکتا ہے۔ قدرت نے خود نجدیوں کے ہاتھوں اس کو چاک کرا دیا ہے

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
نجدی کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا

عبدالعزیز ابن سعود موجودہ امیر نجد نے مکہ معظمہ پر قابض ہونے کے بعد اپنے مخصوص عقائد کے پراپیگنڈا کے سلسلے میں کتاب "مجموعۃ التوحید" کو شائع کر کے گزشتہ حج کے موقع پر مفت تقسیم کیا۔ اس مجموعہ میں مختلف رسائل ہیں جن کے نام بھی مختلف ہیں، مگر صفحات کا نمبر مسلسل ہے یہ کل مجموعہ ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ہے میں اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر سکا، کیونکہ میں نے یہ کتاب ایک صاحب سے عاریتہً لی تھی اس لئے کافی وقت تک میرے پاس نہ رہ سکی۔ تاہم متفرق مقامات کے مطالعہ کے بعد چند عبارات مل گئیں جن سے نجدیوں کے عقائد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک اور مستقل رسالہ "الہدیۃ السنیۃ" کے نام سے ابن سعود کے حکم سے شائع ہوا ہے۔ لیکن

بخوف تطویل نمونہ کے طور پر صرف مجموعہ مذکورہ کی چند عبارتیں مع ترجمہ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

نبی کریم سے توسل ناجائز

فلو جاز ان یتوسل عمر واصحابہ بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ لما صلح منہم ان یعدلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی العباس علم ان التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ لایجوز :-	(ترجمہ) پس اگر حضرت عمر اور صحابہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آپ کے انتقال کے بعد توسل کرنا جائز ہوتا تو وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد وسیلہ بنا ناجائز نہیں۔
(مجموعۃ التوحید مطبوعہ ام القری مکہ معظمہ ص ۲۱ سنہ ۱۳۲۲ھ)	

اسئلک بانبیائک کہنا بھی مکروہ

ویکرہ ان یدعو اللہ الا بہ فلا یقول اسألک بفلان او بملائکتک او بانبیائک ونحو ذلک۔	(خلاصہ) خدا کو کسی کا واسطہ دے کر پکارنا مکروہ ہے پس یوں نہ کہے کہ اے خدا میں فلاں یا تیرے فرشتوں یا تیرے نبیوں کی طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں! (یہ عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہے)
حوالہ مذکورہ	

نبی کریم سے طلب شفاعت حرام

فطلب الشفاعۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم او غیرہ بعد وفاتہ وبعد الدعی الداعی لایحبہ اللہ تعالیٰ ولا یرضاہ "	(ترجمہ) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غیر سے شفاعت طلب کرنا ان کی وفات کے بعد اور آپ کے دور ہونے کے وقت دعا کرنے والے سے اس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔
(مجموعۃ التوحید صفحہ ۲۲۳)	

نجدی نے جس حدیث کو آڑ بنایا ہے اس کا وہ مطلب ہی نہیں سمجھے اور اس طرح ان صحیح احادیث کو پس پشت ڈال دیا جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے آپ کے انتقال کے بعد توسل جائز ثابت ہوتا ہے۔

کفری ٹکسال کے نئے نئے سکے

وہابیوں کے بنائے ہوئے "کافروں" کی مختصر فہرست

نجدی طائفہ مسلمانوں کو کافر بنانے کا جس قدر شوق رکھتا ہے وہ تمام کافر گروں کے جذبات تکفیر سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ان کے مخترعہ عقائد کی کسوٹی پر نہ صرف بریلوی، نہ صرف دیوبندی، نہ صرف فرنگی محلی، بلکہ ہمارے ہاں کے غیر مقلدین، ارکان خلافت اور حامیان نجدیہ بھی مسلمان ثابت نہیں ہو سکتے، بلکہ میں عرض کرتا ہوں کہ خود نجدی طائفہ بھی اپنے عقائد کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے۔ میں ان کے ایسے عقائد کی نہایت مختصر فہرست ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:۔

(۱) کافروں سے مدارات کرنے والا کافر (۲) کافروں کے کہنے پر عمل کرنے والا کافر۔ (۳) کافروں کو امرائے اسلام کے پاس لے جانے والا اور ان کو ہم مجلس بنانے والا کافر (۴) کافروں سے کسی امر میں مشورہ کرنے والا کافر (۵) مسلمانوں کے امور میں سے کسی ایک مسئلہ امارت (خلافت) وغیرہ میں کافروں سے کام لینے والا کافر (۶) کافروں کے پاس بیٹھنے اور ان کے ہاں جانے والا کافر (۷) کافروں سے خوش مزاجی کے ساتھ پیش آنے والا کافر (۸) کافروں کا اکرام کرنے والا کافر (۹) کافروں سے امن طلب کرنے والا کافر (۱۰) کافروں کی خیر خواہی . . . . . کرنے والا کافر (۱۱) کافروں سے مصاحبت و معاشرت رکھنے والا کافر (۱۲) کافروں کو سردار کہنے والا کافر (۱۳) علم طب جاننے والے کو "حکیم" کہنے والا کافر (۱۴)

کافروں کے ملک میں ان کے ساتھ رہنے والا کافر، یہ مختصر فہرست ہے ان لوگوں کی جو نجدیوں کے نزدیک کافر ہیں۔ یہ فہرست کتاب مذکور کے صفحہ ۴۸، ۴۷، ۵۰ سے نقل کی گئی ہے بنظر اختصار اصل عبارتیں نہیں لکھی گئیں۔ اصل کتاب دیکھ کر ہر شخص تشفی کر سکتا ہے۔

میں ان کے مذکورہ مسائل پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ خدا نے جس شخص کو تھوڑی سی عقل بھی عطا فرمائی ہے وہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ نجدی اپنے خیالات و مذہب پر قائم رہ کر ہم مسلمانوں کو کسی طرح بھی مسلمان نہیں سمجھ سکتے اور واقعات اس کی تائید کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک جانتے ہیں، چنانچہ طائف شریف میں ان لوگوں نے سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو کافر اور مشرک سمجھ کر شہید کیا، جیسا کہ علمائے دیوبند بھی اس کی تصدیق فرما چکے ہیں۔

ہاتھی کے دانت

میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو نجدیوں کا اس قدر تشدد کہ کافروں سے ہر قسم کا مشورہ کرنا اور ان سے خوش مزاجی کے ساتھ پیش آنا بھی کفر، اور دوسری جانب ان کا یہ طرز عمل کہ انگریزوں سے رشوت لے کر ترکوں پر حملے کئے، ان کی ناکہ بندی کی۔ خلیفۂ اسلام سے بغاوت و غداری کرتے رہے۔ برطانیہ کے دوست بنے رہے اور حال ہی میں خبر آئی ہے جو "زمیندار" وغیرہ میں بھی شائع ہو چکی ہے کہ جدہ میں عنقریب ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، جس میں نمائندگان حجاز و نجد و برطانیہ جمع ہوں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب ہر امر میں کافروں سے مشورہ طلب کرنا کفر ہے تو مسئلہ حجاز ایسے مذہبی معاملہ میں برطانیہ کی شرکت کو منظور کر لینا کہاں کا اسلام ہے؟ ؎

اے قاسمی وہ دھوم تھی نجدی کے "زہد" کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

نجدی توحید کی کرشمہ سازیاں

امام رازی و دیگر اکابر امت کی تکفیر

"وھذا لایمنع کونہ جاھلا بالتوحید کما جھلہ من ھو اعلم واقدم منہ ممن لہ تصانیف فی المعقول کالفخر الرازی وابی معشر البلخی ونحوھما ممن غلط فی التوحید"

(مجموعۃ التوحید صفحہ ۲۲۰)

(ترجمہ) اور یہ خالد ازہری شارح "توضیح" کے توحید سے جاہل ہونے کو مانع نہیں، جیسے کہ وہ لوگ بھی توحید سے جاہل تھے جو خالد ازہری کی نسبت زیادہ علم والے تھے اور معقول میں ان کی تصانیف ہیں، مثلاً فخر رازی اور ابو معشر بلخی وغیرہ جنہوں نے توحید کے مسئلے میں غلطیاں کیں۔

ف: اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے کہ "ان الرجل لایکون مسلماً الا اذا عرف التوحید" یعنی کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید کا عارف نہیں، مطلب یہ کہ اگر توحید سے جاہل ہوگا، تو کافر ہے اور یہاں چونکہ امام رازی وغیرہ کو توحید سے جاہل کہا گیا ہے اس لئے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نجدیوں کے نزدیک معاذ اللہ کافر ہیں (قاسمی عفا اللہ عنہ)

مصنف قصیدہ بردہ شریف پر کفر کا فتوےٰ

"وقد حاول ھذا الجاھل المعترض صرف ابیات البردۃ عما ھو صریح فیما نص فیما دلت علیہ من الشرک فی الربوبیۃ والالوھیۃ ومشارکۃ اللہ فی علمہ وملکہ وھی لاتحتمل ان تصرف عما ھی نص فیہ من

(ترجمہ) یہ جاہل معترض قصیدہ بردہ کے ابیات کو ان کے صحیح مفہوم سے پھیرنا چاہتا ہے۔ ان ابیات میں وہ مضامین صریح ہیں جو شرک فی الربوبیہ شرک فی الالوہیۃ اور اللہ کے علم اور اس کے ملک میں مشارکت پر دلالت کرتے ہیں

ذٰلك الشرك والغلو" اور ان میں شرک اور غلو اس درجہ کا ہے کہ اس

(حوالۂ مذکورہ) کے خلاف معنی مراد لئے جانے کا احتمال بھی نہیں:

ناظرین کرام! دیکھئے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ستون اسلام اور دوسرے بزرگوں کو کس طرح صاف الفاظ میں "توحید سے جاہل" قرار دے کر نجدیوں نے اپنی خباثت کا ثبوت دیا ہے اور کس طرح قصیدہ بردہ شریف کو شرک کہہ کر اس کے بزرگ مصنف اور اس کے پڑھنے والوں کو جن میں ہزاروں علماء و صلحا بھی داخل ہیں مشرک بنا کر کفر پروری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ بہ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ان عبارات کو پڑھ کر شیخ الاسلام علامہ زینی دحلان محدث شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ نجدی چھٹی صدی کے بعد کے تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ ع

کانوں سے سنا کرتے تھے جادو بھی ہے اک شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھا دیا

نجد میں نئی شریعت

اس مجموعہ کے صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ میں نجدیوں نے سوال و جواب کے طرز پر اپنا ایک عقیدہ لکھا ہے جو ان کے بدترین اور خطرناک تشددات میں سے ایک ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھ کر اس کا صرف ترجمہ درج کرتا ہوں۔ اصل مقصد کے بیان کرنے میں اگر میری کوئی خیانت ثابت کردے گا تو میں اعلانیہ اس اپنی خیانت کے اعتراف کا وعدہ کرتا ہوں۔

اس کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے:۔

اس شخص کے حق میں آپ کا کیا فتوی ہے جو اسلام میں داخل ہوا اور اس سے محبت کرتا ہے لیکن مشرکوں سے عداوت نہیں کرتا یا عداوت کرتا ہے لیکن ان کو کافر نہیں کہتا یا اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں مگر لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو میں کافر نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ اس کے معنی نہ سمجھتے ہوں اور اس شخص کے متعلق آپ کیا فتوی دیتے ہیں جو اسلام میں داخل ہوا اور اسلام سے محبت کرتا ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں قبوں کو نہیں گراتا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ قبے نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، مگر میں اس سے تعرض نہیں کرتا (یعنی ان کو نہیں گراتا)، پس ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ توحید کو نہ سمجھے اور اس کے موجبات پر عمل نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرے۔ ان امور میں جن کی آپ نے خبر دی اور جس کام سے آپ نے منع فرمایا اس سے رک نہ جائے اور جس کام کے کرنے کا آپ نے حکم فرمایا وہ نہ کرے اور آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے احکام پر ایمان نہ لائے پس جس شخص نے کہا کہ میں مشرکوں سے عداوت نہیں کرتا یا وہ ان سے عداوت کرتا ہے مگر ان کی تکفیر نہیں کرتا یا اس نے کہا میں لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے

تعرض نہیں کرتا اگرچہ وہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہوں اور دین الٰہی سے عداوت رکھتے ہوں یا اس نے کہا کہ میں قبوں سے تعرض نہیں کرتا (یعنی ان کو نہیں گراتا) تو ایسا شخص مسلمان نہیں۔ بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالك سبیلا۔ اولئك هم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مهینا۔

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں۔ یہی ہیں ٹھیک کافر اور ہم نے کافروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک غور طلب نکتہ

نجدی مفتی اس عبارت میں صاف نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہو کر اسلام سے محبت کرتا ہو اور اس کا یہ بھی اعتقاد ہو کہ قبے نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، لیکن وہ ان کو نہیں گراتا تو فقط اس "جرم" کے باعث قطعاً و یقیناً کافر ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر جو گنبد خضرا ہے وہ بھی دوسرے بزرگوں کے مزارات کے قبوں کی طرح ایک قبہ ہے۔

اب دو صورتیں ہیں یا تو (خاک بدہن اعداء) اس کو گرا دیا جائے گا۔ اس صورت میں ابن سعود کے وعدوں کی مٹی پلید ہو جائے گی اور یا وہ اس کو نہیں گرائے گا لیکن اس صورت میں طائفہ نجدیہ اپنے قول کے مطابق قطعاً کافر اور یقیناً جہنمی ہوگا۔ ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلےٰ و فرقت لیلےٰ

خاتمہ سخن

میں نے یہاں تک بخدی جماعت کی سیاسی و مذہبی حالت پر ایک اجمالی بحث کی ہے۔ اہلِ اسلام خود اندازہ لگالیں کہ ایسی خطرناک جماعت کا مرکز اسلام پر تسلط مقاصد اسلامیہ کے لئے کس حد تک مفید ہوسکتا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم خاندان شریف کو حجاز سے نکال کر اس کا انتظام مسلمانان عالم کے سپرد کردیں گے۔ سو ظاہر ہے کہ ایک ملک پر قابض ہوجانے کے بعد کون اس کو چھوڑ سکتا ہے۔ سہ

ہم کو معلوم ہے وعدہ کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو بیشک یہ خیال اچھا ہے

نجدیت کا پول

اس نام کا ایک چھوٹا سا رسالہ جناب مولوی محمد بہاؤ الحق قاسمی امرتسری نے تالیف فرمایا ہے جو رسالہ حنفی کے ساتھ شائع ہوا ہے اور اس کی علیحدہ کاپیاں بھی تعداد کثیر میں چھاپ لی گئی ہیں تاکہ وہ لوگ جنہیں رسالہ حنفی کے ملاحظہ کا اتفاق نہیں ہوتا مطالعہ فرماسکیں۔

اس رسالہ میں دو عنوان ہیں۔ ایک سیاسی دوسرا مذہبی۔ سیاسی عنوان جس قدر لکھا گیا ہے۔ وہ "زمیندار" کے ۱۹۲۲ء کے فائل سے لیا گیا ہے اور اس کے متعلق جس قدر کمائی ضبط تحریر میں آئی ہے وہ زمیندار کی زبانی ہے اور مذہبی عنوان کے نیچے خود قرن الشیطان ابن سعود مردود کی شائع کردہ کتاب مجموعۃ التوحید سے اقتباسات لئے گئے ہیں جو نجدی ملعون مذکور نے مطبع ام القریٰ مکہ معظمہ میں چھپوا کر مفت تقسیم کی ہے اس کتاب یا مجموعے میں قرن الشیطان اول محمد بن عبدالوہاب اور اس کی ذریت کے تصنیف کردہ چند رسالے

ہیں۔ ہندوستان کے شیطانی اخبارات متعدد مضامین میں نجدی ملعون کے اعتقادات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرچکے ہیں اور ہر زبان کی مستند تاریخوں کو عموماً اور علامہ زینی دحلان جیسے محقق وقائع نگار اور شیخ سلیمان نجدی اور محمد بن عبدالوہاب کو خصوصاً جھٹلانے کی ناکام سعی ہوچکی ہے مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ ضرور انہیں کا آقا اور ولی نعمت قرن الشیطان ثانی ان کی ساری کوششوں پر ایک دم پانی پھیر دے گا اور خود ایک کتاب کے ذریعے سے اپنے ہندوستانی چیلوں، ایجنٹوں اور دلالوں کا منہ کالا کردے گا۔

پہلے عنوان کے مطالعہ سے ناظر کتاب ان نتائج پر پہنچتا ہے کہ:۔

(۱) خاندان شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ اپنے خروج کے زمانہ سے اب تک سلطنت عثمانیہ کا باغی رہا۔ برسر پرخاش رہا حتیٰ کہ ۱۹۱۲ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے وہ بلدلد کپتان شکسپیئر انگریزی افسر ترکوں کو شکست دے چکا تھا اور الحصار ترکوں سے چھین کر اپنے قبضے میں کرچکا تھا، مگر دفعتہً کپتان شکسپیئر کے مارے جانے سے نجدیوں کی فتح مبدل بہ شکست ہوگئی۔

(۲) موجودہ قرن الشیطان ملعون جیسے ابن سعود علاوہ ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ کے اشرفیوں کی تھیلیاں بطور رشوت صرف اس غرض سے لے چکا ہے کہ ترکوں کے مفاد کو نقصان پہنچے۔

(۳) پہلے یہ خاندان اپنے جدید مذہب کو تلوار کے زور سے پھیلاتا تھا، مگر موجودہ قرن الشیطان نے حجبت سے اپنے مبلغین کے ذریعہ سے اشاعت کی اور کامیابی حاصل کی۔

پہلے دو امور کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان امور کو پہلے بھی قارئین کرام اسی اخبار الفقیہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، اگر شیطانی اخبارات نے مسلمانوں سے ان امور کو مخفی رکھنے کی کوشش کی اور ان کا ذکر تک اخبارات میں نہ کیا۔ شیطانی ایجنٹ

جانتے تھے کہ اگر ان کے اخباروں کے مطالعہ کرنے والے ان حقیقتوں سے واقف ہو گئے اور اصل معاملہ ان کے سامنے کھل گیا تو شیطانی پراپیگنڈہ کو شکست ہو جائے گی اور تارو پود بکھر کر رہ جائے گا اور شیطانی ایجنٹوں کے تنور شکم کے لئے ایندھن کا مہیا ہو جانا بے حد دشوار ہو جائے گا۔ اگر یہ لوگ شیطانی ایجنٹ و دلال نہ ہوتے اور غیر جانبدارانہ حیثیت رکھتے تو تمام حقیقتوں کی چہرہ کشائی ان کا فرض منصبی ہوتا، مگر ان کی سنہری و روپہلی مصلحتوں نے انہیں دیانتداری سے روکا اور یہ لوگ اگرچہ بظاہر خاموش تھے مگر زبان حال سے پکار کر کہتے تھے۔

اے دیانت بر تو لعنت از تو بخے یافتم
وے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

تاہم ہمیں لاہور کے شیطانی اخبار عرف زمیندار سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ جب ۱۹۲۲ء کے ماہ فروری تک تم اس اپنے آقا اور ولی نعمت ملعون شیطان نجدکو بے ایمان باغی مسلمانوں کا دشمن اسلام کا بدخواہ سلطنت برطانیہ کا پٹھو سمجھتے تھے تو آج کون سی منطق کی بنا پر وہ شیطان غازی اور سلطان اور اس کا جم غفیر مجاہدین اسلام بن گئے اور پھر اسی شیطان کو جو صدیوں سے دشمن اسلام رہ چکا ہے نو سال کے باغی پر کس دلیل خرمی سے ترجیح ہو سکتی ہے۔

امر سوئم کے متعلق ہم اپنے قارئین کرام کی توجہ شیطانی پروپیگنڈا کے اس جزو کی طرف منعطف کراتے ہیں، جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ شیطانی گروہ حنبلی مذہب کا پیرو ہے اور ہم شیطانی گروہ سے جو ان کو حنبلی بنا رہا ہے پوچھتے ہیں کہ حنبلی تو اس علاقہ کے لوگ ہمیشہ سے چلے آتے ہیں، مگر وہ کون سا جدید مذہب ہے جس کی اشاعت شیطانی گروہ پہلے تلوار سے کر رہا تھا بعد میں محبت و اخوت کے ذریعے سے۔ اس کا جواب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حنبلی مذہب کی اشاعت تھی، کیونکہ سارا نجد اور اس کے قرب و جوار کا

عوذ محمد بن عبدالوہاب ملعون قرن الشیطان اول کے پیدا ہونے سے مدتوں پہلے حنبلی تھا۔ زمیندار دسمبر ۱۹۲۲ء میں یہ ظاہر کرچکا ہے کہ وہ اپنے نئے مذہب کی اشاعت کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیطانی ایجنٹوں کا یہ بیان کہ وہ حنبلی مذہب رکھتے ہیں بالکل محض کذب بیانی اور عامۃ المسلمین کو دھوکا دینے کی غرض سے ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ شیطانی جماعت کی روسیاہی کے لئے کافی ذریعہ ہے اور جو حضرات اسے غور نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شیطانی جماعت اپنے روحانی مورث اعلیٰ شیخ نجدی اور موجودہ قرن الشیطان کی حمایت اور شیطانی پروپیگنڈہ کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی بے ایمانی دروغ بافی کذب بیانی روا رکھتی ہے۔

باب ۶

مرکزی خلافت کمیٹی کی رپورٹ

مرکزی خلافت کمیٹی کی رپورٹ کی تلخیص

جس وقت نجدیوں کی فوجیں حجاز میں تاخت کر رہی تھیں۔ مقدس مزارات منہدم کیے جا رہے تھے۔ اس وقت تمام عالم اسلام کے مسلمانوں میں عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں میں خصوصاً اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ رہی تھی، چنانچہ اس کے تدارک کے لیے مرکزی خلافت کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے مضامین کو رئیس احمد جعفری نے ترتیب دیا اور ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن نے [illegible] میں شائع کیا۔

مقامات مقدسہ کے احترام کا وعدہ

سلطان نجد کا تار مرکزی خلافت کمیٹی کے نام

بحرین۔ ۱۰ اکتوبر کو حسب ذیل تار پرائیویٹ سیکرٹری سلطان نجد بحرین سے موصول ہوا۔ اعلیٰ حضرت سلطان نے مجھے ہدایت کی کہ میں آپ کے تار کے جواب میں آپ کو اس کا یقین دلا دوں کہ مقامات مقدسہ کا پورا احترام کیا جائے گا اور جملہ مراسم جاری رکھے جائیں گے اور اس میں کسی قسم کا فرق نہ آئے گا۔ ہم نے حجاز میں محض اس لیے دست درازی کی ہے کہ اسلامی مقامات اور حرمین شریفین کو غیر مسلم مداخلت سے محفوظ رکھ کر دینی عبادات میں سہولت بہم پہنچائی جائے اور حجاج کو آرام دے کر تمام دنیائے اسلام کے اطمینان کا باعث بنیں ——— پرائیویٹ سیکرٹری سلطان نجد[1]

مولانا شوکت علی صاحب کا تار سلطان نجد کے نام

---

[1] مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۳۶

صحابہ کرام کے مزارات کی بے حرمتی کے متعلق پریشان کن افواہیں مشہور ہو رہی ہیں مہربانی کرکے صحیح حالات کی اطلاع دیجیے۔ (شوکت علی)

سلطان نجد کا جواب مولانا شوکت علی صاحب کے نام

"اسلامی مزارات ہمارے لیے قابل احترام ہیں"

اسلامی مزارات اور خصوصاً صحابہ کے مزارات ہمارے لیے بہت زیادہ قابل احترام ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے ہماری فوجیں مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔

عبدالعزیز سلطان نجد ؎۱

جو وفد امیر علی اور سلطان ابن سعود کے پاس جدہ گیا تھا۔ اس کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ روانگی کے وقت وفد کو حسب ذیل ہدایات دی گئیں۔

نقل ہدایت وفد حجاز زیر سرکردگی سید سلیمان صاحب ندوی۔

۱۔ مسلمانان ہند چاہتے ہیں کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں پر جمہوری حکومت قائم کی جائے، جس میں حجاز کی اندرونی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانان عالم کی مرضی و مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ مندرجہ بالا جمہوریت کی کشکش کے لیے ایک ایسی اسلامی موتمر کا انعقاد کیا جائے جس میں تمام اسلامی حکومتوں کے نمائندہ شامل ہوں۔ ؎۲

(اسی قسم کی سات اور ہدایات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ قادری)

رپورٹر نے بیت المقدس کے حوالہ سے ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو لندن سے ایک تار بھیجا جس نے قدرۃً ہر ایک مسلمان کے قلب کو سخت صدمہ پہنچایا اور دوسرے ممالک

؎۱ مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۸

؎۲ " " " ۴۲ - ۴۳

کے مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ تار کے الفاظ یہ تھے۔ لندن ۲۲، اگست بیت المقدس۔

موثق اطلاع ملی ہے کہ وہابیوں نے مدینہ پر حملہ شروع کر دیا ہے۔ دو دن ہوتے کہ گولہ باری بھی ہوئی ہے جس سے بہت نقصان ہوا ہے۔ مسجد نبوی کے قبہ کو جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہنچا ہے اور سیدنا حمزہ (رسول اللہ کے چچا) کی مسجد شہید کر دی گئی ہے۔

تازہ ترین اطلاع یہ موصول ہوئی ہے کہ قبر مبارک پر گولیوں کے نشانات ہیں۔

گزشتہ صدی کے حرکات اور ان عقائد کی بناء پر جو عام طور پر اہل نجد سے منسوب کیے جاتے تھے، ان کو اہل نجد کے خلاف اس قدر غلو تھا کہ وہ واقعہ دریافت کرنے کے لیے تحقیقات کو بھی قطعاً غیر ضروری سمجھتے تھے، برعکس اس کے خلافت کمیٹی ان اطلاعات کی بناء پر جو بعد میں موصول ہوئیں۔ مزید تحقیقات کو ضروری سمجھتی تھی۔ نیز مدینہ منورہ کے مقابر و مآثر کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی احتیاط کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی، دوسری طرف جوں جوں جنگ ختم ہونے کے قریب پہنچتی جاتی تھی، حجاز میں جمہوریت کے قیام اور موتمر کے انعقاد سے مسائل زیادہ اہمیت اختیار کرتے ہوتے تھے۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے کمیٹی نے فیصلہ دیا کہ حسب ذیل اصحاب کا ایک وفد بسر کردگی مولانا سید سلیمان ندوی حجاز بھیجا جائے۔

۱ سید سلیمان ندوی (رئیس وفد)

۲ مولانا محمد عرفان

۳ مولانا ظفر علی خان

۴ سید خورشید حسین

مولانا محمد علی جوہر   بیانات محمد علی   ص ۶۳ - ۶۲

۵ مولانا عبد الماجد صاحب ، بدایونی

بد قسمتی سے سید سلیمان ندوی صاحب رئیس الوفد ، مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی اور سید خورشید حسن ہمراہ نہ جا سکے ۔ سا

"وفد نے کیا کیا"

وفد ۱۸ ر نومبر کو رابغ پہنچا ۔ سلطان ابن سعود اور حجاز اور نجد کے مختلف حلقے کے اشخاص اور صاحب الرائے لوگوں سے ملا اور مکہ ، مدینہ ، جدہ اور ان بلاد کے درمیان کے علاقہ کے حالات بچشم خود دیکھنے کے بعد ان وجوہات کی بناء پر جن کا ذکر وفد کی رپورٹ میں ہے ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو جدہ سے روانہ ہو کر ۹ فروری کو واپس بمبئی میں آگیا ۔ وفد کے ذمہ تین کام تھے ۔

۱ مقابر و مشاہد کے باب میں حسب مسلک مجلس سعی و اہتمام

۲ مستقبل حجاز کے متعلق خلافت کمیٹی ۵ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جس مسلک کا اعلان کر چکی ہے ۔ اس کے واسطے مقبولیت عامہ حاصل کرنے کی سعی اور کوشش ۔

۳ موتمر اسلام کے طلب اور انعقاد کے مہمات پر گفتگو کرنا ۔ اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کے گنبد مبارک اور مسجد سیدنا حمزہ وغیرہ کے متعلق جو اطلاعات آئی تھیں ۔ ان کے متعلق تحقیقات ۔

اول کے متعلق سلطان ابن سعود کی طرف سے نہ صرف یہ اطمینان دلایا گیا کہ مدینہ منورہ کے مشاہد و مقابر ان صدمات سے محفوظ رہیں گے ، جو کہ معظمہ کے مشاہد و مقابر کو پہنچے تھے ، بلکہ حافظ وہبہ نے ۲۶ نومبر ۱۹۲۵ء کو سرکاری طور پر آکر وفد کو اطلاع دی کہ مسجد ابو قبیس کی تعمیر ہو گئی ہے ۔ مزار نبوی کی تعمیر کا کام دوسرے دن صبح

---

۱ مولانا محمد علی جوہر — نگارشات محمد علی — ص ۶۴

سے شروع ہو جائے گا اور دیگر مقامات کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہوں گے، جن پر وفد نے تمام ارکان کے دستخط لیے۔

۴۔ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حسب ذیل تار بھیجا!

۴ ۲۔ نومبر کو مکہ پہنچے اور سلطان سے ملاقات کی ۲۶ کو مدینہ جا رہے ہیں جہاں سے واپسی پر تمام معاملات پر گفتگو ہوگی۔ مسجد بو قبیس کی تعمیر ہو گئی۔ مزار نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دوسرے مشاہد، مقابر و مآثر کے تحفظ کے لیے وسائل اختیار کیے جا رہے ہیں، مدینہ کے متبرک مقامات کے بارے میں سلطان نے اپنے لڑکے کو جو وہاں کمانڈر ہیں۔ یہ حکم بھیجا ہے کہ ہماری ہدایت کے مطابق عمل کریں۔

سلطان نے ایک خط اپنے لڑکے امیر محمد کے متعلق بھی بھیجا کہ مدینہ میں فوجوں کے داخلہ کے وقت مقابر و مشاہد کا پورا اہتمام کیا جائے۔ ان کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچے اور ان مقامات کے متعلق وفد خلافت کے مشورہ پر عمل کیا جائے، امیر محمد نے ان ہدایات کی پوری پابندی کی اور مدینہ منورہ کی مساجد، مآثر، مقابر اور قبوں وغیرہ کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھا، اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے حسب ذیل تار کے ذریعہ دنیائے اسلام کو اس کی اطلاع بھی خود اپنے نام سے دی۔

آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ مدینہ انتہائی امن و امان سے تسلیم ہو گیا۔ تمام مقامات مقدسہ محفوظ ہیں اور ان کا احترام کیا جاتا ہے۔

وفد خلافت نے جو اس وقت مدینہ میں مقیم تھا۔ مسلمانان عالم کے ان جذبات کا احترام کرنے کے لیے جو مدینہ منورہ کے مقابر و مشاہد سے وابستہ تھے، سلطان کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ جب تک دنیائے اسلام حجاز کے مستقبل کا آخری فیصلہ نہ کرے، حجاز سلطان کے ہاتھ میں بطور امانت رہے گا سلطان اسی قابل تعریف اصول پر کاربند رہیں گے۔[1]

---

[1] محمد علی جوہر بنگا ثبات محمد علی ص ۶۶ - ۶۴

مدینہ جاتے ہوئے رابغ میں وفد کی قیادت دولت ایران کے قونسل معینہ شام، معین الملک، جو سرکاری حیثیت سے گنبد خضرا، وغیرہ کے متعلق افواہوں کی تحقیق کے لیے آئے تھے نے کی معلوم ہوا کہ سلطان ابن سعود نے سفیر ایران کے ذریعہ دولت ایران کو تحریری وعدہ دیا ہے کہ اگر مکہ معظمہ کے منہدم شدہ مقابر و مآثر کو کوئی تعمیر کرنا چاہے، تو سلطان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ امسال حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید تصدیق ہوئی، اب اس خط کی عکس نقل حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا ہے اور امید ہے کہ بہت جلد ہم تک پہنچ جائیں گی۔ ؎۱

اقتباس از خط مولانا ظفر علی خان مورخہ یکم جنوری ۱۹۲۶ء، جدہ :۔

جمعیت مرکزیہ خلافت کی ہدایات اور کاغذات سے بھی، جو ہمارے کام کی اساس میں اور جنہیں میں نے بنظر غائر دیکھا ہے، یہی واضح معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس خصوص میں، یعنی مسئلہ مابہ البحث میں عظمت السلطان، سے گفتگو کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ پٹنہ کی قرارداد اور متعلقہ وفد کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

حجاز کے مستقبل اور مجوزہ موتمر اسلامی کے مسئلوں پر غور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت مرکزیہ خلافت کی طرف سے جلد از جلد ایک، وفد حجاز بھیجا جائے، جو زیادہ سے زیادہ چھ ارکان پر مشتمل ہو، تاکہ سلطان ابن سعود کے ساتھ موتمر اسلامی کے انعقاد، اور اس انعقاد کے ابتدائی ضروری انتظامات کے متعلق استشارہ کرے۔ وفد کو اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جمعیت مرکزیہ خلافت نے مستقبل حجاز کے متعلق پانچ، اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جو حکمت عملی وضع کی تھی، اسے عالمگیر طور پر تسلیم کرا لیا جائے۔ نیز حسب ضرورت جمعیت خلافت کے عام مسلک کی مطابقت میں۔ قبتوں اور مقبروں کے تحفظ کی سعی کرنی چاہیئے۔

اس کے بعد قرارداد میں یہ مضمون درج ہے کہ اگر ضرورت پڑے، تو وفد تا قیام موتمر

؎۱ مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۶۷

حجاز میں ٹھہر سکتا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ جمعیت خلافت کے منعزم صدر (مولانا ابوالکلام آزاد) جمعیت کی قرار دادوں اور مسلک کے مطابق ایک مفصل یادداشت مرتب کریں، جو بعد میں وفد کے حوالہ کی جائے۔ اسی قرار داد کے خط کشیدہ الفاظ جمہوریت کے باب میں گفتگو کی اساس بن سکتے ہیں، لیکن عظمت السلطان کے ساتھ نہیں، بلکہ دنیائے اسلام کے وفود اور نمائندوں کے ساتھ۔"

جمہوریت کے فوری قیام کی نسبت بھی میرے دل میں بعض شبہات بدستور باقی ہیں اور پھر میرے نزدیک مجلس خلافت اور مسلمانان ہند کی عزت و حرمت کا اقتضا یہ ہے کہ اس مسئلہ کو مزید استشارہ کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔

اقتباس از جواب شعیب قریشی مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۶ء (جدہ)

رزولیوشن کے الفاظ نہ صرف ہم کو خلافت کمیٹی کے رزولیوشن کو (متعلق جمہوریت۔) پیش کرنے کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ حکم دیتے ہیں رزولیوشن تحکمانہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "وفد کو چاہیے کہ تبدیلیت عام حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ وہ دفعہ جس میں مفصل عربی یادداشت مرتب کرنے کا ذکر ہے، رزولیوشن کے نہ مانع ہو سکتی ہے اور نہ ہے۔ خلافت کمیٹی کی پالیسی حجاز میں جمہوری حکومت کے متعلق کامل طور پر مسلمانوں کے مختلف الخیال طبقوں سے مشورہ اور مسئلہ کے ہر پہلو کو سوچنے کے بعد طے کی گئی تھی۔ بدیں وجہ اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے مزید برآں خلافت کمیٹی کی پالیسی فرقہ وارانہ پالیسی نہیں اور چونکہ اس کی بنیاد اصول پر ہے، لہذا سقوط مدینہ ینبوع یا جدہ جیسے واقعات کا اس پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ خلافت کمیٹی مٹ جائے گی، لیکن اس پالیسی کو نہ چھوڑے گی۔"

سلطان ابن سعود کی ملوکیت کے اعلان کے دیگر اسباب جو کچھ بھی ہوں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا ظفر علی صاحب کا :- قابل افسوس رویہ بھی اس کا بہت بڑا

باعث ہوا غرضیکہ ۸ر جنوری ۱۹۲۶ء کو جب کہ وفد خلافت جدہ ہی میں موجود تھا۔ سلطان ابن سعود نے یہ غلط عذر پیش کر کے کہ دنیائے اسلام نے دو مہینہ تک ان کی دعوت مؤتمر کا کوئی جواب نہیں دیا اور اہل حجاز نے ان کو بادشاہ حجاز ہونے پر مجبور کیا اپنی بادشاہت حجاز کا اعلان کر دیا اور ان تمام عہدوں کی مسولیت کا اعلان کر دیا۔ جو انہوں نے ریاض سے نکلتے وقت، اور مدینہ منورہ اور جدہ کے سقوط سے بیشتر مکہ میں بالتکرار و بالتصریح خلافت کمیٹی کو بالخصوص اور دنیائے اسلام کو بالعموم دیتے تھے۔ ان مزارات اور اس کے ساتھ اہل نجد کے فتنہ کے ڈر کی بے حقیقتی جس کا اضافہ سلطان نے ایک ہفتہ بعد کیا۔ کیا تیسرے وفد کی حجازی رپورٹ سے صاف ثابت ہے، جس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں اور اپنے ذاتی تحقیقات اور مشاہدہ کے بعد ہم اس کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔

اب رہا اعلان ملوکیت اور اہل حجاز کا سلطان کو اس پر مجبور کرنے کا مسئلہ تو ہم بکثرت اہل حجاز سے ملے، مکہ والوں سے ملے، اہل جدہ سے ملے، بدوؤں سے ملے، غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں سے ملے اور ان کے خیالات دریافت کیے اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہ خاندان شریف کی حکومت چاہتے ہیں۔ نہ سلطان ابن سعود کی اور صرف یہ کہنا ان پر اتہام ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیرون حجاز کے مسلمانوں کو جن کو سلطان نے ان کی زبان سے اغیار و اجانب کہا ہے۔ ہمارے سیاسی انتظام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کی دلی خواہش ہے کہ دنیائے اسلام ان کے مسلک کے نظم و نسق میں حصہ لے لیکن ہم نے محض اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان اشخاص سے جا کر ملے، جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ اس تحریک میں پیش پیش تھے اور ان سب نے بیان کیا کہ ان کو اس واقعہ کا زیادہ سے زیادہ ایک شب پہلے علم ہوا اور یہ کہ وہ اس فعل پر خوف سے مجبور ہوئے کہا جاتا ہے کہ ینبوع - علی - تبوک میں بھی سب لوگوں نے برضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ ایسا کیا، بلکہ اوروں کے ساتھ مل کر سلطان کو مجبور کرنے میں حصہ لیا اور

واقعہ یہ ہے کہ جمعرات کے دن، ان سب جگہ لاسلکی کے ذریعے ہدایات بھیجی گئیں کہ وہ جمعہ کے دن بعد نماز بیعت کریں اور خود مسٹر فلبی کو اس امر کا جمعرات ہی کے دن علم تھا حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے دل میں یہ بات پہلے ہی سے موجود تھی اور اگر اس کو مزید تقویت کی ضرورت تھی، تو ان کے شاہی وزراء وغیرہ نے اس کو قوی کر دیا اور انہی کی ابتداء انہوں نے اس اعلان سے کی جو بیعت سے قبل ام القریٰ میں انہوں نے شائع کیا جس میں انہوں نے سوائے خلافت کمیٹی کے تمام دنیائے اسلام پر دو مہینے تک ان کی دعوت مؤتمر کا جواب نہ دینے کا الزام لگایا ہے، حالانکہ جیسا ہم لوگ اوپر لکھ چکے ہیں۔ اول تو دعوت نامہ نامکمل تھی۔ دوسرے دو مہینے جواب آنے کے واسطے ہرگز کافی نہ تھے علاوہ بریں یہ وہ زمانہ نہ تھا کہ جدال و قتال جاری تھا، خود جنگ کا نتیجہ اگر غیر یقینی نہ تھا تو کم از کم اتنی جلد جنگ کے ختم ہو جانے کی کسی کو توقع نہ تھی، تو پھر ایسی مدت تک جواب نہ آنے پر جو صرف مکتوب جانے اور آنے ہی کے لیے کافی تھی ہے۔ عالم اسلام کو ملزم قرار دینا کہاں تک قریب انصاف ہے۔

پھر بیعت کے بعد کے اعلانات کو لیں۔ پہلے اعلان میں صرف یہ درج ہے کہ ہم کو حجازیوں نے ملوکیت پر مجبور کیا لیکن جب اس پر دنیائے اسلام کو اطمینان نہ ہوا اور مختلف جگہوں سے استفساری تار آئے، تو دوسرا بیان نکلا کہ ایک طرف تو حجازیوں نے مجبور کیا اور دوسری طرف سلطان کے بیٹے فیصل نے اپنی فوج کے ساتھ فتنہ کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر تم نے بادشاہت قبول نہ کی، تو ہم تم کو خود غرض سمجھیں گے۔ اس دلیل کے انوکھے پن سے ہمیں سروکار نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نجدیوں میں سے خود شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب جو قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام ہیں اور مکہ میں موجود تھے۔ اس امر کا عین وقت بیعت تک کوئی علم نہیں تھا۔ انہوں نے خود اس امر کو ہمارے سامنے تسلیم کیا اور دوسری طرف امیر فیصل سے ہماری گفتگو ہوئی، تو انہوں نے اپنے والد کے اعلان ملوکیت

کی وجہ صرف اہل حجاز کا جبر بتایا۔ ام القریٰ کے ایڈیٹر یوسف یٰسین نے بھی جو خود سلطان کے کاتب سیکرٹری ہیں اور سلطان کی طرف سے تمام اعلانات لکھتے ہیں، اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اس غلطی کا اعتراف کیا، جو سلطان نے اعلانِ ملوکیت کی وجہ سے کی ہے۔ اس کے بعد سلطان کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ کمیٹی خود اندازہ کر سکتی ہے لیکن جیسا کہ ان کے رویّہ ماقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے توقع کی جا سکتی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اعلان ملوکیت کے بعد سلطان کے فعل کے لیے معذرات، تاویل و توجیہہ پیش کرنے اور ملوکیت کی کھلم کھلا حمایت کرنی شروع کر دی، چنانچہ اپنی رپورٹ میں سفارش کی۔

میری رائے میں کم از کم بحالات موجودہ حجاز کے اندر اچھے انتظام کی یہ واحد صورت تھی، جس حد تک بیعت کا تعلق ہے۔ میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی جبر کا استعمال نہیں ہوا، اس لیے کہ جو لوگ ذی رائے کہلانے کے مستحق ہیں، وہ پہلے ہی اس طرف مائل تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی (سلطان کی) ذات عرب کے لیے علی العموم اور حجاز کے لیے علی الخصوص نہایت عظیم الشان اور زائدہ برکات کا سرچشمہ بنے گی۔ انشاءاللہ العزیز
میری رائے میں اصلاح احوال عرب و حجاز کا اقتضاء یہ ہے کہ موجودہ صورت انتظام کو قبول کر لیا جائے۔

برعکس اس کے حجازی رپورٹ میں یہ سفارش کی گئی۔

ہماری رائے میں اصولاً۔ اخلاقاً، قانوناً اعلیٰ اسلامی مفاد کے حق میں عرب قومیت کے مستقبل اور آزادیٔ عرب کے لحاظ سے ہم کو اس فعل پر اظہار ناراضی کرنا ہے اگر ہم عرب میں امن و امان چاہتے ہیں، تو حجاز کو شخصی اژدہوں کے دائرہ سے باہر رکھنا چاہیے۔ حکومت جمہوری کے علاوہ مسئلہ حجاز کا اگر کوئی اور حل کیا گیا، تو وہ عرب میں فتنہ فساد کے دروازے کھول دے گا اور اس طرح وہاں اغیار کو اثر قائم کرنے کا موقع ملے گا۔ حجاز میں جمہوریت نہ صرف یہی قرینِ مصلحت اور اعلیٰ مقاصدِ اسلامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے

ضروری، بلکہ عملاً ممکن ہے اور انتظام حجاز کے لیے روشن خیال ایماندار ذی اثر وطن اور اسلام سے محبت کرنے والے بھی لالچ اور ذاتی اغراض سے بالاتر حجازی یقیناً کم از کم اس تعداد میں ضرور مل سکتے ہیں۔ جتنے سلطان ابن سعود کو نجد اور حجاز دونوں کے انتظام کے لیے نجد سے مل سکے۔ حجاز کی آمدنی کثیر ہے کیونکہ صرف محصول درآمد و برآمد ہی چھ لاکھ پونڈ سالانہ وصول ہوتا ہے۔ حجاز سے مختلف ٹیکس کے ذریعے جو روپیہ وصول ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے اور یہ کثرت حجاج کے ساتھ برابر بڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ زکوٰۃ کی مد بھی ہے، جو آج سلطان ابن سعود بھی حاصل کر رہے ہیں۔ نجد کی اس فوج کا خرچ آج بھی حجاز ہی پر پڑ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ بعض مصارف جو خاص نجد سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی حجاز ہی نے ادا کیے، ان کے علاوہ ان کثیر اوقاف کی آمدنی جو دنیائے اسلام کے مختلف حصوں میں حجاز کے لیے ہیں۔ یہ سب مل کر ہماری رائے میں حجاز کے اخراجات کے لیے کافی ہونے چاہئیں۔ اس پر بھی مزید تجربہ کے بعد تھوڑی بہت امداد کی ضرورت پڑے تو دنیائے اسلام بخوشی دینے کے لیے تیار رہے گی۔

ہم ہرگز نہیں کہتے کہ سلطان ابن سعود انگریزوں کے ہاتھ بک گئے ہیں، مگر ان پر انگریزی اثر ضرور ہے، لہٰذا سیاسی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے احتیاط شرط ہے اور نہ حجاز میں اجاروں کے حصول کی کوشش اب بھی جاری ہے اگر ذمہ داری کا پورا احساس اور بروقت کام نہ کیا گیا، تو اس کے نتائج کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی ساری جماعت میں ان کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جو اپنے ملک نجد کی حفاظت اور تنظیم کر سکے۔ چہ جائیکہ، وہ حجاز میں قیام حکومت کا ذمہ دار ہو۔ اگر خدانخواستہ سلطان عبدالعزیز دنیا سے رخصت ہو جائیں، تو ان کے تیرہ لڑکوں اور بھائیوں میں حجاز تقسیم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دوسرے امراء کی طرح ان میں بھی ہر ایک انگریزوں کا ملازم ہوگا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ حجاز کی موجودہ حکومت کی طرف

پورے طور پر توجہ کر کے آئندہ کے تمام خطرات کا انسداد کر دیا جائے۔

اگر مذہبی رواداری کوئی چیز ہے، تو اس لحاظ سے بھی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حجاز پر کسی ایک فرقہ کو مسلط کیا جائے۔ خاص کر ایسے فرقہ کو جو اپنے عقائد میں انتہا درجے کا غلو رکھتا ہو۔ غرضیکہ ہر پہلو سے ہم یہی مشورہ دیں گے کہ خلافت کمیٹی مستقبل حکومت حجاز کے متعلق اپنے فیصلہ پر بدستور قائم رہے کہ وہی بہترین چیز ہے۔

دونوں رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ سنہ ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل رزولیوشن پاس کی۔

مرکزی خلافت کمیٹی افسوس کے ساتھ اس طرزِ عمل سے اپنا اختلاف ظاہر کرتی ہے، جو حکومت حجاز کے تعین و اعلان کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ کمیٹی کے نزدیک اس کا صحیح طریقہ وہی تھا، جو خود سلطان موصوف نے اپنے بار بار کے اعلانات میں ظاہر کیا تھا، یعنی مجوزہ اسلامی مؤتمر منعقد ہو اور وہ اہالی حجاز کے مشورہ کے بعد حکومت حجاز کا فیصلہ کرے۔

مرکزی کمیٹی ان عظیم الشان اسلامی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جن کا حصول سرزمین حجاز اور عالم اسلامی کی وابستگی پر موقوف ہے، سلطان موصوف کو ان کے اعلانات پر از سر نو توجہ دلاتی ہے اور امید کرتی ہے کہ وہ مجوزہ و موعودہ مؤتمر کو جلد از جلد طلب فرمائیں گے اور عالم اسلامی کی ان امیدوں کی کامیابی کا ذریعہ ہوں گے، جو آج ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔

اس سلسلہ میں مرکزی کمیٹی یہ بات بھی ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اس مسلک پر بدستور قائم ہے، جس کا اظہار مجلس عاملہ کی تجویز نمبر ۵، اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء مصدقہ خلافت کانفرنس بلگام میں کر چکی ہے۔ کمیٹی کے نزدیک سرزمین حجاز کے امن و نظام اور عالم اسلامی کے مفاد و مصالح کے لیے ضروری ہے کہ آئندہ حجاز میں جو حکومت بھی قائم ہو، وہ عالم اسلامی کی رائے عامہ کے مطابق ہو اور ملوک سلاطین کی مستبدانہ حکومت کی جگہ خلافت راشدہ

اسلامیہ کے نمونہ پر ہو، جس میں کسی خاص خاندان یا نسل کی جگہ اہل حل وعقد کے انتخاب پر امیر کے نصب وعزل کا دارومدار ہوتا ہے۔ خلافت کمیٹی نے اپنی تجویز متذکرہ صدر میں اسی لیے جمہوریت کا لفظ استعمال کیا تھا، کیونکہ اس مقصد کے اظہار کے لیے موجودہ زمانہ کی بول چال میں یہی لفظ اقرب ہے۔

انعقاد موتمر کی تاریخ کا تعین

بین الاسلامی مسئلہ، کانفرنس کے مسئلہ کی عملی طور پر ابتدا اس تار سے ہوتی ہے جو مرکزی خلافت کمیٹی نے ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سلطان ابن سعود اور امیر علی کی جنگ کے سلسلہ میں متحاربین کے نام روانہ کیا تھا اس نے لکھا تھا کہ

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ مذکورہ بالا اصول پر اس وقت اراکین حجاز کی ایک عارضی جمہوری حکومت قائم کی جائے (یعنی حجاز پر جو تمام دنیائے اسلام کا مرجع ہے کوئی بادشاہ یا سلطان حکمرانی نہیں کر سکتا، بلکہ وہاں ایک ڈیمقراطی ریپبلکن حکومت ہونی چاہیئے، جو غیر مسلموں کے اثر سے بالکل پاک ہو، اور مستقبل حکومت کا مسئلہ موتمر اسلامی کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔

اس میں موتمر کے انعقاد اور اس کے غایت وغرض دونوں کا بالتصریح تذکرہ کر دیا گیا ہے، اس کے جواب میں جو تار سلطان نے ۲۴/ اکتوبر کو براہ بحرین بھیجا، اس میں خلافت کمیٹی کے اصول متعلق طرز حکومت حجاز کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے تجویز انعقاد موتمر اور اس کی غرض وغایت سے ان الفاظ میں اتفاق کیا کہ "آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے اختیار میں ہے۔"

لگے مہینہ سلطان نے اپنی اس تقریر میں، جو انہوں نے ریاض سے مکہ چلتے وقت کی تھی، اور جس کا خلاصہ عبداللہ بن بلیہد صاحب نے بذریعہ تار ۲۲، نومبر ۱۹۲۴ء کو

کمیٹی کے نام بغرض اطلاع عام بھیجا تھا، اس امر کو اور واضح کر دیا تھا۔ تار کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

"آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی۔ چونکہ اس مسئلے سے جملہ مسلمانان عالم کا تعلق ہے، اس لیے یہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ ہم جملہ عالم اسلام کے نمائندگان کی ایک کانفرنس مکہ میں منعقد کریں گے اور ہر اس مسئلہ پر رائے دی جائے گی جس سے بیت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔"

چنانچہ اسی غرض سے سلطان نے خلافت کمیٹی کے نمائندوں کو بذریعہ تار مرسلہ ۲، نومبر ۱۹۲۴ء مکہ آنے کی دعوت دی اور کمیٹی سے درخواست کی کہ وہ ان کی طرف سے دوسرے ملحقہ اسلامی ممالک کو بھی دعوت پہنچائے۔

مکہ پہنچنے کے بعد سلطان نے موتمر اسلامی کو دعوت دی، جو دسمبر میں ہندوستان پہنچی، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

دعوة ابن سعود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلطنة النجدیه وملحقاتها عدد ۲۲

مکة المکرمة ۸ ربیع الآخر سنه ۱۳۴۴ من عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل فیصل آل السعود الی حضرة صاحب الدولہ۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته وبعد فانی ارجو لکم دوام الصحة والعافیة وانی نسعید ان امد یدی لیدکم ولکل ید ملة الخیر الاسلام والمسلمین وانی مملوء ثقة انه بتعاوننا علی

الخير سيكون المستقبل لجميع الشعوب الاسلامية -

يا صاحب الدولة انى لست من المحبين للحروب وشرورها و ليس لدى احب من السلم والسكون والصفاء والهنا والتفرغ للاصلاح ولكن جيراننا الاشراف اجبرونى على متشاق الحسام وخوض غمرات الحروب خمس عشر سنه لا فى سبيل شيئ سوى الطمع على ما بايدينا لقد صدونا عن سبيل الله والمسجد الحرام الذى جعله الله للناس سواء العاكف فيه والباد وسواء اللبيب الطاهر بكل الموبقات ما لا يتحمله مسلم-

لقد رفعت علم الجهاد لتطهير بلد الله وسائر بلاد الله المقدسه من هذه العاملة التى لم تترك سبيلا لحسن التفاهم وحسن النية بما اقترفت من الشرور والآثام وانى والذى نفسى بيده لم ارد التسلط على الحجاز ولا تملكة وانما الحجاز وديعة فى يدى الى الوقت الذى يختار الحجازيون لبلادهم واليا منهم يكون خاضعا للعالم الاسلامى وتحت اشراف الامم الاسلاميه والشعوب التى ابدت غيرة نذكرة كالهنود-

ان الخطة التى عاهدنا عليها العالم الاسلامى والتى لم نزل نحارب من اجلها مجملة فيما يلى -

(١) الحجاز للحجازيين من جهة الحكم وللعالم الاسلامى من جهة الحقوق المقدسة التى له فى هذه البلاد -

(٢) سنجرى الاستفتاء التام باختيار حاكم الحجاز تحت اشراف مندوبى العالم الاسلامى ويحدد الوقت اللازم لذالك

فى ما بعد وتتسلم الوثيقة التى بايدينا لهذا لحاكم على الاصول الآتية -

(١) يجب ان يكون السلطان الاول والمرجع للناس كافة هو الشريعة الاسلامية المطهرة -

(٢) حكومة الحجاز يجب ان تكون مستقلة فى داخليتها ولكن لا يصح ان تعلن الحرب على احد ويجب ان يوضع لها النظام الذى يمكنها من ذلك اذا ارادت -

(٣) لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات سياسيه اي دولة كانت -

(٤) لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات اقتصادية مع دولة غير اسلامية -

(٥) تحديد الحدود الحجازية ووضع النظم المالية والقضائية والادارية للحجاز موكول للمندوبين المختارين من الامم الاسلامية وسيحدد عددهم باعتبارهم المركز الذى تشغله كل دولة فى العالم الاسلامى والعربي وسينضم هؤلاء ثلاثه مندوبين من جمعية الخلافة وجماعة اهلحديث وجمعية العلماء فى الهند -

هذا ما نوينا لهذه البلاد المقدسة وما سنسير عليه فى المستقبل انشاء الله ولنا الامل العظيم فى ان تسرعوا فى ارسال مندوبكم واخبارنا عن الوقت المناسب لعقد المؤتمر هذا ما لزم بيانه وفى الختام تقبلوا ما يليق بمقامكم من الاحترام هذ الختم -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلطنۃ النجدیہ وملحقاتہا عدد ۲۲۴

منجانب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل فیصل آل السعود

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ حضرات کی دوامی صحت وعافیت کی امید کرتا ہوں، میں اس میں سعادت سمجھتا ہوں کہ آپ کے اور اسلام اور مسلمانوں کے ہر خیر خواہ اور خیر طلب کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں۔

مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے باہمی (اتفاق) وتعاون سے تمام اقوام اسلامیہ کا مستقبل شاندار ہو جائے گا۔

اے غیرت مند وباحمیت بھائی! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو لڑائی اور فتنہ وفساد کو دوست رکھتے ہیں، میرے نزدیک صلح اور امن اور باہمی محبت اور اقتصادی ترقی اور فارغ البالی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اس میں اندرونی اصلاح کا پورا پورا موقع میسر ہوتا ہے، لیکن ہمارے پڑوسیوں یعنی شرفاء مکہ نے ہمیں پندرہ سال تک نیام سے تلوار نکالے رہنے اور جنگ کے مصائب میں مبتلاء رہنے پر مجبور رکھا، شریفیوں کا اس جنگ سے سوائے اس کے کوئی مقصد نہ تھا کہ ہمارے ملک ومال پر قبضہ کرلیں اور ہم کو خدا کی عبادت اور مسجد حرام سے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانان عالم کو برابر درجہ کا حقدار قرار دیا ہے، روک دیں انہوں نے مقدس بیت الحرام کو اس قسم کی بداعمالیوں کی گندگی سے ملوث کیا کہ ایک مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

آخر ہم نے خدا کے پاک شہر مکہ معظمہ اور باقی بلاد مقدسہ کی تطہیر، اور اس خاندان کے افراد سے نجات دلانے کے لیے علم جہاد بلند کیا، کیونکہ شریفی خاندان کے افراد

کے گذشتہ کارناموں اور سیاہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے ان سے مفاہمت اور نیک نیتی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہلِ حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب نہ کر لیں، جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوامِ اسلامیہ اور طبقات علیہ کے زیر نگرانی ہے، جنہوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حمیت دینیہ کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ مثلاً ہندوستانی مسلمان ہمارا وہ مطمع نظر جس کا عالم اسلامی سے ہم نے وعدہ کیا ہے اور جس کے لیے ہم شمشیر بکف رہیں گے۔ مجملاً حسب ذیل ہے:-

۱۔ حجاز کی حکومت تو حجازیوں کا حق ہے، لیکن عالم اسلامی کے جو حقوق کہ حجاز سے متعلق ہیں، ان کے لحاظ سے حجاز تمام عالم اسلامی کا ہے۔

۲۔ ہم ایک استفتاءِ عام عنقریب جاری کریں گے، جس میں حاکم حجاز کے انتخاب اور عالم اسلامی کی نگرانی کے متعلق استفسار ہو گا، اس کے لیے وقت کی تعیین بعد میں کی جائے گی، اور پھر ہم اس امانت (حجاز) کو ان اصول کے ماتحت اس حاکم کے سپرد کر دیں گے۔

دفعہ ۱۔ ضروری ہو گا کہ اساس حکومت شریعتِ نبویہ مطہرہ پر قائم کیا جائے۔

دفعہ ۲۔ حکومت حجاز داخلی امور میں مستقل ہو گی، لیکن اسے یہ اختیار نہ ہو گا کہ کسی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرے اور ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام مقرر کر دیا جائے کہ اگر حکومتِ حجاز اعلان جنگ کرنا بھی چاہے، تو یہ نظام اس کو روک سکے۔

دفعہ ۳۔ حکومت حجاز کسی حکومت کے ساتھ سیاسی معاہدہ نہ کر سکے گی۔

دفعہ ۴۔ حکومت حجاز غیر مسلم حکومت کے ساتھ اقتصادی معاہدہ نہیں کر سکتی۔

دفعہ ۵ - حجاز کی حدود کا تعین اور مالی عدالتی نظام کا بنانا : ان نمائندوں کے سپرد ہوگا، جو عالم اسلامی سے اسی کام کے لیے منتخب ہو کر آئیں گے - ہر ملک کے نمائندوں کی تعداد حکومت کے احاطۂ اقتدار کے لحاظ سے معین کی جائے گی، جو اس کو عالم اسلامی اور عربستان میں حاصل ہے، ان نمائندوں کے ساتھ تین نمائندے جمعیۃ مرکزیہ خلافت ہند اور جماعت اہل حدیث اور جمعیت علمائے ہند کے بھی شامل ہوں گے۔

بلاد مقدسہ حجاز کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے اور اسی پر انشاء اللہ تعالیٰ ہم مستقبل میں عمل کریں گے۔

ہم کو قوی امید ہے کہ آپ اپنے مندوب بھیجنے میں جلدی کریں گے اور نیز یہ بھی بتائیں گے کہ اس مؤتمر عالم اسلامی کے انعقاد کے لیے مناسب وقت کونسا ہوگا، تاکہ ان یہ باتیں تھیں اور آخر میں آپ ہماری جانب سے تحیۃ اور احترام قبول فرمائیں۔

(مہر سلطان) عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن

اس میں دو نقص تھے، ایک تو تمام ممالک اسلامی کو مدعو نہیں کیا گیا، مثلاً ترکی جیسی اہم حکومت کو دعوت نہیں دی گئی، دوسرے یہ کہ ان شرائط کے ذریعہ جن کی تصریح دعوت نامہ میں ہے، بعض نہایت اہم امور میں مؤتمر کے اختیارات کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن اعلان ملوکیت کے بعد سلطان کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے انعقاد مؤتمر کے خیال کو ترک کر دیا ہے؛ چنانچہ جس وقت وفد نے ان سے جدہ میں ملاقات کے دوران میں انعقاد مؤتمر کے مسئلہ کا ذکر کیا، تو صاحب ممدوح نے اس کو یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ جب عالم اسلامی جمع ہو جائے گی، اور مولانا عرفان صاحب اور شعیب قریشی صاحب کے اصرار کے بعد خلافت کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ حج کے موقعہ پر مؤتمر منعقد ہو، لیکن اس کے ساتھ صاف فرما دیا کہ جہاں تک حجاز کے سیاسی انتظامات کا تعلق ہے حجازیوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عالم اسلام ہمارے سیاسی معاملات

میں مداخلت کرے اور اسی سلسلہ میں حجازیوں کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے، ما یصبر ابداً "ما یصیر الیٰ آخر درجہ ما یصیر"

لیکن چونکہ کوئی جزو چاہے، وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اس کا مجاز نہیں ہے کہ کل کے اختیارات محدود کر سکے، وفد کے مجوزہ موتمر اسلامی کے اختیارات پر مفصلاً بحث نہیں کی اور اس مسئلہ کو ممبران مجوزہ موتمر پر چھوڑ دیا۔

موتمر اسلامی

مارچ ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے موتمر اسلامی کے لیے نیا دعوت نامہ بھیجا اور یہ خلافت کمیٹی کے وفد کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس مرتبہ حکومت ترکی کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔

دعوت نامہ میں تبدیلی

لیکن تازہ دعوت نامہ کی عبارت پچھلے دعوت نامہ سے بھی زیادہ ناقص تھی، الفاظ سے ظاہر تھا کہ سلطان نہیں چاہتے تھے کہ تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ موتمر کے سامنے آئے، موتمر کے اغراض ومقاصد میں صرف حرمین شریفین اور ان کے ساکنین کی خدمت اور حرمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور حجاج وزائرین کے لیے وسائل راحت و آسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعہ سے بلاد مقدسہ کے ان حالات کی اصلاح تھی، جو سب مسلمانوں کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہوں، دعوت نامہ کے الفاظ حسب ذیل تھے:-

صاحب السیادہ رئیس جمعیۃ الخلافۃ بمبئی

خدمۃ للحرمین الشریفین واھلھا وتامینا لمستقبلھما و

ذ فينئ لوسائل الراحة للحجاج والزوار واصلاحاً لحال البلاد المقدسة من سائر الوجوه التى تهمم المسلمين جميعا ووفاء بوعدنا وعهودنا التى قطعنا ها على انفسنا وميلا منا فى تكاثف المسلمين و توادرهم فى خدمة هذه الديار الطاهرة وانا الوقت المناسب لانعقاد المؤتمر العلم يمثل البلاد الاسلاميه والشعوب الاسلامية يكون فى عشرين ذيقعده سنه ۱۳۴۴ وقد ارسلنا الدعوة لكل من يهمه امر الحرمين من المسلمين وملوكهم واملى ان مندوبي جلالتكم يكونون حاضرين فى التاريخ المحدود الله يتولانا جميعاً بعنايته -

ملك الحجاز وسلطان نجد عبدالعزیز -

صاحب السیادۃ رئیس جمعیت الخلافت بمبئی

حرمین شریفین اور اُن کے ساکنین کی خدمت اور حرمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور حجاج وزائرین کے لیے وسائل راحت و آسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعہ سے بلاد مقدسہ کے ان حالات کی اصلاح، جو سب مسلمانوں کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اور اپنے وعدوں اور ان عہود کو جو ہم نے اپنے اوپر لازم کیے تھے، پورا کرنے اور ان دیار طاہرہ کی خدمت گزاری میں تمام مسلمانوں کی شرکت اور باہمی معاونت و محبت کی خواہش رکھنے کی بنا پر ہم نے خیال کیا کہ موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کے لیے، جو تمام بلاد اسلامیہ اور شعوب اسلامیہ کی نمائندہ ہو، یہ وقت مناسب ہے؛ چنانچہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کو یہ موتمر منعقد ہو گی، ہم نے تمام اُن مسلمانوں کو، جن کو حرمین کے امور کے ساتھ تعلق ہے اور ملوک اسلام کو دعوت بھیج دی ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ کے نمائندے تاریخ مقررہ پر موتمر میں موجود ہوں گے، خدا

ہم سب کا اپنی مہربانی سے کارساز ہے۔

ملک الحجاز و سلطان نجد ——— عبد العزیز

موتمر کے اغراض و مقاصد اور اس کے اختیارات کو صاف کرنے کے لیے جمعیت علماء ہند نے سلطان کو تار بھیج کر دریافت کیا کہ موتمر تشکیل حکومت حجاز کے مسئلہ پر بھی غور کرے گی یا نہیں، جمعیت علماء کے تار کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

عظمت السلطان ابن سعود کے دعوت نامہ کا جواب

عظمت السلطان عبد العزیز مکہ معظمہ

آپ کا تار پہنچا، دعوت کا شکریہ جمعیت العلماء اپنے مندوب بھیجنے کو تیار ہے، مگر جمعیت ادب کے ساتھ عرض کر دینا چاہتی ہے کہ اسلام کے مرکز کو ہمیشہ کے لیے دسائس اجانب سے مامون کرنے اور تمام عالم اسلامی کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنانے کے لیے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ زیر بحث آنا ضروری ہے۔" محمد کفایت اللہ

اس کا جواب سلطان کی طرف سے حسب ذیل آیا۔

جمعية علماء دهلی،

اخذت برقيتكم و انی اشكر كم علی بيانكم الذی يدل علی كمال عقلكم و وافر غيرتكم الدينية ان البلاد المقدسة محمية تبهج فی قلوب المسلمين وهی مصونة عن الدسائس بعناية الله و رعايته ومادمنا قائمين فيها بالحق سائرين فيها وفق الشريعة المحمدية متجنبين فيها سبيل الاهواء فان شانها سيكون عظيما ولا يصلح الاخر هذه الامة الا ما اصلح اولها وفق الله الجميع الی ما فيه الخير۔

ملك الحجاز و سلطان نجد، عبد العزيز

(ترجمہ محترم آپ کا تار ملا آپ کے مخلصانہ ... کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس سے

آپ کی انتہائی فہم اور دینی غیرت ظاہر ہوتی ہے۔

بلاد مقدسہ مسلمانوں کی جانوں اور دلوں کی حفاظت میں ہیں اور خدا کی عنایت نگہبانی سے وہ وسائس اجانب سے بھی محفوظ و مصئون ہیں اور جب تک ہم ان پر حق کے ساتھ قائم ہیں اور ہماری رفتار شریعت محمدیہ کے موافق ہے اور ہم خواہشات نفسانیہ کے راستے سے بچے رہیں، تو ان بلاد مقدسہ کی حالت عظیم الشان ہو جائے گی، پر اس امت کے آخری دور کی اصلاح اس چیز کے بغیر نہیں ہو سکتی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوتی تھی، خدائے تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں کی توفیق دے جن میں خیر اور بھلائی ہو۔

اس سے سلطان کا منشا اور بھی واضح ہو گیا، لیکن چونکہ مسلمانوں کے جملہ اجتماعی اور مذہبی مسائل اور بالخصوص ان مسائل کے بصورت احسن حل کرنے کا بہترین، بلکہ واحد ذریعہ جو ان کے مشترکہ مرکز عرب سے متعلق ہیں، بین الاسلامی موتمر ہو سکتی ہے، لہذا باوجود اس کے کہ دعوت نامہ میں نقص موجود تھے اور یہ معلوم نہ تھا کہ نیابت کس اصول اور کس حساب سے ہوگی، جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں موتمر کے دعوت نامہ کو قبول کیا اور ۲۰ اپریل کو مرکزی خلافت کمیٹی نے حسب ذیل حضرات کو منتخب کیا کہ وہ مسلمانان ہندوستان کے نمائندوں کی حیثیت سے موتمر میں شریک ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، رئیس

مولانا شوکت علی صاحب

مولانا محمد علی صاحب

شعیب قریشی صاحب (رکن وسیکرٹری)

چونکہ ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ موتمر میں مختلف ممالک اسلامی کی نمائندگی کس

اصول اور کس حساب سے ہوگی، نہ یہ ہی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا تھا کہ کتنے ممالک موتمر میں شرکت کریں گے اور خلافت کمیٹی کے پیشِ نظر یہ تھا کہ تشکیل حکومت حجاز جیسا اہم مسئلہ جس پر تمام دنیائے اسلام کے مستقبل، اخلاقی اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی زندگی کا دار و مدار ہے، ناقص اور غیر نمائندہ موتمر کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش نہ ہو تاکہ اس تاریخی غلطی کا دوبارہ اعادہ نہ ہو جس کا خمیازہ مسلمان آج تک بھگت رہے ہیں، لہٰذا جمعیت عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں ریزولیشن کے دو حصے کر لیے تھے۔

۱، کہ وفد ان تمام امور پر بحث و مباحثہ کرے، جن کا ذکر دعوت نامہ میں ہے۔

۲۔ لیکن تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ اگر موتمر میں پیش کیا جائے، تو اس میں شرکت سے انکار کرے، لیکن اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ سلطان ابن سعود سے نجی کے طور پر گفتگو کر لی جائے اور ہمارا نقطۂ نگاہ ان کے روبرو پیش کر کے ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔

ریزولیشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

موتمر حجاز کے متعلق طے پایا کہ دعوت نامہ منظور کیا جائے اور جن اغراض و مقاصد کا ذکر اس میں کیا گیا ہے، اس پر بحث و مباحثہ و تبادلہ خیالات کیا جائے اور آئندہ تشکیل حکومت حجاز کے لیے انعقاد موتمر کی بابت سلطان ابن سعود سے گفتگو کی جائے اور تشکیل حکومتِ حجاز کا مسئلہ اس موتمر میں پیش ہوا، تو اس میں شرکت سے انکار کیا جائے مگر سلطان ابن سعود سے نجی کے طور پر گفتگو کر لی جائے اور ہمارا نقطۂ نگاہ اُن کے روبرو پیش کر کے اُن کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔"

حجاز جا کر جب موتمر کے ایجنڈا کو دیکھا جس میں البلاد و حکومتہا کی مد سب سے اول تھی اور ان مندوبین کی تعداد کو دیکھا جن کو سلطان نے خود مقرر کیا تھا، تو معلوم

ہوا کہ خلافت کمیٹی اگر یہ پیش بندی نہ کرتی، تو بڑی سخت غلطی کی مرتکب ہوتی۔

ریزولیوشن کے حصۂ دوم کے سلسلہ میں وفد نے سلطان سے تین مرتبہ گفتگو کی جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے، ان ملاقاتوں کے دوران میں سلطان نے جن خیالات کا اظہار کیا، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے وفد نے اس کو قبل از وقت اور نامناسب خیال کیا کہ معض مسئلہ تشکیل حکومتِ حجاز پر مزید تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے سلطان سے انٹرویو (ملاقات) کے لیے درخواست کرے۔

موتمر کے انعقاد کی تاریخ کا التوا

موتمر کے انعقاد کی تاریخ ابتداء ۲۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲ جون سنہ ۱۹۲۶ء تھی، لیکن چونکہ مستقل ممالک اسلامی کے نمائندے نہیں آئے تھے، اس لیے تاریخ انعقاد دو مرتبہ بدلنی پڑی، تاکہ ان ممالک کو شرکت کا موقع مل سکے۔

آخری التواء ۷ جون سنہ ۱۹۲۶ء کو کیا گیا تھا، لیکن جب ۷ جون تک بھی ان ممالک کے نمائندے نہ آئے، تو اس دن موتمر کا افتتاح ہوا۔

ممالکِ اسلامی جو موتمر میں شریک ہوئے

ان کے دو حصے ہیں، ایک تو وہ جو قبل از حج شریک ہوئے، جن کے نام معہ ان کے نمائندوں کے اسماء کے حسب ذیل ہیں:-

ہندوستان - (۱) خلافت کمیٹی:- مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، رئیس
مولانا شوکت علی صاحب
مولانا محمد علی صاحب
شعیب قریشی صاحب رکن و سیکرٹری

(۲) جمعیۃ العلمأ ہند:۔	مولانا کفایت اللہ صاحب، رئیس
	مولانا شبیر احمد صاحب
	مولانا احمد سعید صاحب
	مولانا عبد الحلیم صاحب
	مولانا ابو المعارف محمد عرفان صاحب
(۳) جماعت اہلحدیث:۔	مولانا ثناء اللہ صاحب، رئیس
	مولانا عبد الواحد غزنوی صاحب
	مولانا اسمٰعیل غزنوی صاحب
	مولوی حمید اللہ صاحب
۲۔ روس:۔	کشاف الدین بن قوام الدین، رئیس
	رضاء الدین
	مصلح الدین بن خلیل
	عبد الواحد بن عبد الرؤف۔ مہدی
	طاہر الیاس
	موسیٰ جار اللہ
	عبد الرحمٰن بن اسمٰعیل (سیکرٹری)
۳۔ جاوا:۔	عمر سعید چوکروامی نوتو
	حاج منصور
	شیخ محمد باقر
	شیخ جنان طیب
۴۔ فلسطین:۔	سید امین الحسینی، رئیس

madlib.org

	اسمٰعیل آفندی المحافظ	
	عجاج آفندی نویہض	
۵۔ بیروت وشام:۔	الشیخ حسن الکی	شام
	شیخ بہجت البیطار	شام
	محمود منح ہارون	"
	نامزد کردہ سلطان	"
	عبدالغنی عرفی بک الکی	بیروت
	حسن آفندی الکی	بیروت
۶۔ مصر:۔ جمعیت خلافت وادی النیل:۔	ابوالعزائم ماضی رئیس	
	سید کامل عثمان آفندی	
	سید محمد ابوالعزائم	
۷۔ سوڈان:۔	مدثر بن ابراہیم	نامزد کردہ سلطان
	شیخ ابوالقاسم احمد ہاشم	نامزد کردہ سلطان
۸۔ عسیر:۔	توفیق شریف	(شامی)
	عبدالعزیز العتیقی	(نجدی)
	ابوزید	(مصری)
۹۔ نجد:۔	عبداللہ بن بلیہد ، رئیس	
	حافظ وہبہ	
	عبداللہ دملوجی	
	شیخ حمد الخطیب	
	یوسف یٰسین	(شامی)

۱۰۔ حجاز:۔ شریف شرف عدنان

عبداللہ شیبی

شیخ اسمٰعیل مبیر بیک

شریف ابراہیم البلبطین

سلیمان قابل ۔ محنت بن بنیان

سعود رشیشبہ ابراہیم عائج

محمد نصیب

محمد مغیربی

شریف علی بن الحسین السحاسقی

عبداللہ الفضل النجدی

عارف الاحمدی

جن حضرات کو سلطان نے ان کی ذاتی حیثیت سے بطور خاص مدعو کیا تھا۔

۱۱۔ سید رشید رضا (مصری)

عبدالظاہر

منصور محمود

عبدالسلام ہیکل

حصہ دوئم میں وہ ممالک ہیں جو بعد حج موتمر میں شریک ہوئے، ان ممالک کے اور ان کے مندوبین کے نام حسب ذیل ہیں، ان میں سے اکثر کو ابتداً شرکت میں تامل تھا، لیکن ہندوستانی نمائندوں کے خلوص اور کارگزاری سے متاثر ہو کر شرکت پر آمادہ ہو گئے۔

ترکی:۔ ادیب ثروت بک

افغانستان :- جنرل غلام جیلانی خاں

یمن :- حسین بن عبد القادر

عسیر :- علامہ شنقیتی (ادریسی)

مصر :- علامہ زواہری

معیری بک

امین توفیق

(نوٹ) مصری وفد کی آمد پر سوڈانی حضرات اور وادی نیل کی جمعیت خلافت کے نمائندے واپس چلے گئے، لیکن ایران آخر تک شریک نہ ہوا۔

ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت نجد کی جانب سے یہ کوشش کی گئی کہ انتخاب نمائندگی و تناسب کے اصول کو پس پشت ڈال کر مؤتمر کو اپنے ہم خیال وہم نوا اشخاص سے بھر دیا جائے، چنانچہ نجد کے ۵، حجاز کے ۱۲، عسیر کے جس کے تین حصوں میں سے صرف ایک حصہ سلطان ابن سعود کے ہاتھ میں ہے، تین اور سب کو خود سلطان نے نامزد کیا، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ بعض حضرات کو جو سلطان کی ملوکیت کے حامی تھے، انفرادی حیثیت سے ممبر مقرر کیا گیا اور ان کو رائے وغیرہ کے معاملہ میں وہی حقوق تھے، جو باقاعدہ منتخب شدہ ممبروں کو تھے، اس کے علاوہ بعض صورتوں میں تو سلطان نے ممالک غیر کی طرف سے جو ان کے ماتحت بھی نہ تھے، نمائندے مقرر کر دیئے، اس طرح ۵۹ نمائندوں میں سے جو حج سے پہلے موتمر میں شریک تھے، ۲۶ سلطان کے نامزد کردہ تھے، اس میں اگر ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے چار نمائندوں کو شامل کر لیا جائے، تو ۵۹ شرکاء موتمر میں سے ۳۰ سلطان ابن سعود کی تقریباً ہر بات میں تائید کرنے والے تھے، یہ تناسب تو اس وقت ہوا جبکہ بیرونی ممالک نے ایک ایک سے زیادہ نمائندے بھیجے، اگر وہ صرف ایک ہی ایک نمائندہ

بھیجتے، تو موتمر میں قلت وکثرت کے مسئلہ کی جو صورت ہوتی، ظاہر ہے۔

علاوہ اس کے شرکار کی رائے پر اثر ڈالنے کے لیے ان نازیبا طریقوں کے استعمال سے بھی اجتناب نہیں کیا گیا، جن کو کوئی صحیح الاصول و صحیح المسلک پبلک کام کرنے والا روا نہیں رکھے گا۔

موتمر کو حامیوں سے بھرنے کے بعد خود سلطان نے اسی تشکیل حکومت کو داخل ایجنڈا کر دیا جس کو وہ موتمر کے سامنے پیش کرنے کے روادار نہ تھے اور جس کو انہوں نے نہایت احتیاط اور اہتمام سے دعوت نامہ سے خارج کر دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ہم نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ مسلمانان ہند ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ تشکیل حکومت حجاز جیسا اہم مسئلہ اس وقت تک موتمر کے سامنے آئے، جب تک کہ موتمر میں نیابت کے اصول اور فیصلہ کے قواعد وضوابط کے تحت موتمر کا اجلاس نہ ہو اور سلطان کی افتتاحی تقریر کے بعد ہی ہم نے انتخاب عہدہ داران کے مسئلہ کے پیش ہوتے ہی نیابت اور قلت وکثرت کے طے کرنے کے سوال اور اس کے ساتھ ساتھ موتمر کے قانون اساسی کے پورے مسئلہ کو اٹھایا، اس پر ایک سب کمیٹی معاہدہ وثائق اور دوسری سب کمیٹی قانون اساسی بنانے کے لیے منتخب کی گئی اور ہمارے اعتراض ومخالفت کے باعث حکومت حجاز کا مسئلہ ایجنڈا، اور نیز سلطان کی افتتاحی تقریر سے خارج کر دیا گیا۔

پہلی کمیٹی کے ممبروں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا محمد عرفان صاحب

(۲) یوسف لٰسین صاحب

(۳) منصور صاحب

دوسری کمیٹی کے لیے حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

(۱) مولانا شوکت علی (ہندوستان)

(۲) رضاء الدین (روس)

(۳) محمد امین الحسینی (فلسطین)

(۴) حافظ وہبہ (نجد)

(۵) مولانا کفایت اللہ (جمعیت العلماء، ہندوستان)

(۶) عبداللہ بن بلیہد (نجد)

(۷) عمر سعید چوکرو امی نوتو (جاوا)

(۸) شریف شرف عدنان (حجاز) رئیس موتمر

(۹) شعیب قریشی } بطور معاون و مشیر

(۱۰) حجاج نوبھض }

(۱۱) منصور

انتخاب عہدہ داران موتمر

لیکن انتخاب عہدہ داران قلت اور کثرت کے تعین کے مسئلہ کے طے ہوئے بغیر عمل میں آیا۔

صدر:۔

ہم نے اس مصلحت سے کہ ترکی سب سے ممتاز اور بڑی اسلامی حکومت ہے اور اس سے بھی زیادہ اس مصلحت سے کہ ترکوں اور عربوں کے قلوب سے گذشتہ واقعات کی ناگوار تلخی دور ہو جائے اور باہم دگر مل کر کام کریں اور نیز اس بناء پر بھی کہ وہ مجالس کے نظام و کارروائی کے طریقے سے بخوبی واقف ہیں، یہ تجویز پیش کی کہ ترکی وفد کے رئیس کو موتمر کا صدر بنایا جائے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے نمائندگان نجد کی تائید کے ساتھ اس کے خلاف شریف شرف عدنان پاشا کا نام پیش کیا اور عبدالواحد

غزنوی صاحب نے تحریک کی کہ سلطان ابن سعود صدر موتمر ہوں، رائے لیے جانے پر کثرت رائے سے شریف عدنان رئیس منتخب ہوئے، نائب صدر کی جگہ کے لیے حسب ذیل اصحاب کے لیے رائے دی گئی اور مولوی سید سلیمان ندوی رئیس وفد الخلافہ، در رضا الدین رئیس وفد روسیہ نائب صدر منتخب ہوئے، ناموس عام توفیق شریف صاحب مقرر ہوئے۔

موتمر کا قانون اساسی

لجنہ قانون اساسی نے جو قانون بنایا اور جس کو موتمر نے بالاتفاق منظور کیا، وہ بطور ضمیمہ شامل رپورٹ ہے، اس میں موتمر کے اغراض و مقاصد اور اس کے نظام وغیرہ کے متعلق جملہ امور بالتفصیل درج ہیں۔

جس وقت یہ قانون بنا اور منظور ہوا، اس وقت ترکی، افغانستان، یمن اور مصر کے نمائندے موجود نہ تھے؛ لہذا وہ اس کے متعلق بحث و مباحثہ میں شرکت نہ کر سکے، لیکن ان کی شرکت کے بعد ان کو قانون اساسی پر رائے دینے کا حق دیا گیا ہے اور ان کی رائے کو موتمر یقیناً نہایت وقعت اور اہمیت دے گی۔

لجنہ اقتراحیہ

مختلف اقتراحات پر غور کرنے اور ان کو ترتیب دینے کے لیے جو اعضاء موتمر میں پیش کرنا چاہتے تھے، موتمر نے طے کیا کہ ایک لجنہ "لجنہ اقتراحات" کے نام سے منتخب کی جائے، جس میں ہر ملک کے نمائندے ان اصولات کے حساب سے ہوں جو قانون اساسی کے ماتحت اس کو حاصل ہیں، اس لجنہ اقتراحیہ کے لیے ممبر حسب ذیل تھے۔

ہندوستان :- مولانا محمد علی، مولانا کفایت اللہ، مولانا ثناء اللہ، مولانا شبیر احمد

نجد :- عبداللہ بن بلیہد، حافظ وہبہ، یوسف لٰسین۔

حجاز :- رئیس موتمر شریف عدنان، حجاز کی بھی نیابت کرتے تھے۔

جاوا :- عمر سعید چوکروامی نوتو، حاج منصور

روس :- کشاف الدین، مصلح الدین۔

شام :- عبدالغنی عرنی بک الحق

فلسطین :- سید امین الحسینی

عسیر :- عبدالعزیز

مصر :- بوالعزائم ہاشمی (حکومت مصر کے وفد آنے کے بعد علامہ زواہری ممبر ہوتے)

سوڈان :- مدثر بن ابراہیم (حکومت مصر کے وفد کے آنے کے بعد ان کی جگہ علامہ زواہری ممبر ہوتے)

اس کے علاوہ عہدہ داران موتمر بحیثیت عہدہ داران اس کے ممبر تھے۔ بعد کو حسب ذیل اصحاب کا اس میں اضافہ ہوا۔

ترکی :- ادیب ثروت بک۔

افغانستان :- جنرل غلام جیلانی خاں

یمن :- حسین بن عبدالقادر

مصر :- علامہ زواہری

ان کی شرکت کے بعد سوڈان اور مصر کے دوسرے نمائندے لجنہ سے خارج ہو گئے۔

لجنہ کے انتخاب کے بعد موتمر کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا، سب سے اہم اقتراحات کا تیار کرنا تھا، جو اقتراحات ہماری طرف سے پیش ہوتے، ان کی تفصیل آگے پیش

کی جائے گی، اس سلسلہ میں ہم کو دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں سے بکثرت ملنے کا، اور ان سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا، اور باوجود ان کوششوں کے جو مختلف ممالک کے نمائندوں میں اتفاق رائے اور اتحاد عمل کو روکنے کی جاری تھیں۔ اسمیں ہم نہایت مخلصانہ تعلقات اور مفید خوشگوار موثر اور آئندہ کے لیے امید افزا اتفاق رائے اور اتحاد عمل قائم کرنے میں کامیابی ہوئی، اس میں ہم کو ہمارے بھائیوں کے خلوص، جوش، حب مذہب وملت و دانشمندی سے بہت مدد ملی۔

لیکن کمیٹی کو خوشی ہونی چاہیے کہ اس کے نمائندے اپنے صحیح اصول کی پابندی اعتدال، صلح جو رویہ اور بے غرضی سے ممالک اسلامی کے ان مختلف عناصر کو ایک نکتہ پر لانے میں کامیاب ہوئے۔

ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ شرکاء موتمر کی گرانمایہ خدمات کی کم قدری کریں، نہ ہم ناگوار امتیاز کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ محض اظہار واقعہ ہے کہ موتمر کی تمام اہم اور دقیع قراردادوں میں سے بیشتر نمائندگان جمعیت العلماء اور جمعیۃ الخلافۃ کی تھیں، موتمر کی کارروائی میں ہندوستان نے نہایت نمایاں اور ممتاز حصہ لیا اور یہی وجہ تھی کہ مختلف الخیال نمائندگان موتمر نے بھی موتمر کی کارروائی کے اختتام پر اجلاس عام میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوتے نمائندگان ہند کی تعریف کی۔

اس جگہ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لجنہ اقتراحیہ اور موتمر کی کارروائی دونوں میں نمائندگان نجد کا رویہ جو حکومت نجد کے اعلیٰ حکام اور نامزد شدہ ممبر تھے، نہایت افسوسناک تھا، جب کبھی کوئی ایسا اقتراح پیش کیا گیا جس کو ان کی حکومت نہیں چاہتی تھی، تو انہوں نے اس کو خارج رکھنے میں کسی ذریعے کے استعمال کرنے میں چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز عذر نہ کیا! چنانچہ مآثر و مقابر کے متعلق ریزولیوشن لجنہ اقتراحیہ میں بھی پیش ہو گئے اور موتمر میں بھی، لیکن موتمر کے آخری

دن اور کوئی اقتراح باقی نہ رہا کہ پیش ہو، لیکن وہ اقتراح پیش نہ کیا گیا، نمائندگان نجد کی برابر کوشش جاری رہی کہ اس ریزولیوشن کو ٹال دیا جاتے، حتیٰ کہ جب ہماری طرف سے احتجاج کیا گیا، تو ان حضرات نے صاف کہہ دیا کہ اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوگا، اس کو پیش نہیں ہونا چاہیے، لیکن جب صورت نازک ہوگئی اور دوسرے ممالک کے نمائندوں نے بھی سختی سے اعتراض کیا اور ہماری تائید کی تو بالآخر طوعاً و کرہاً پیش کیا گیا اور یہ برتاؤ تنہا اس ریزولیوشن کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

اب ہم ان تجاویز کو ذکر کرتے ہیں، جن کو ہماری طرف سے موتمر میں پیش کیا گیا، ان تجاویز کی عبارت طے کرنے میں ہم کو مختلف الخیال شرکاء موتمر کا لحاظ رکھنا پڑا؛ لہٰذا یہ الفاظ وہ ہیں، جن پر ہم مختلف ممالک کے نمائندوں کو جمع کر سکے ان تجاویز کے مرتب کرنے میں ہم نے الفاظ اور زبان پر اصرار کو چھوڑ کر صرف مطلب کا لحاظ رکھا اور اصول کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

وہ تجاویز جو ہماری طرف سے پیش ہوئیں اور موتمر نے قبول کیں۔

نوٹ:۔ ریزولیوشن کی اصلی عبارت جو بعد ترمیم وغیرہ موتمر نے قبول کی، منگانے کے متعلق متعدد مرتبہ رئیس موتمر صاحب سے درخواست کی گئی، لیکن اب تک دستیاب نہ ہو سکی؛ لہٰذا صرف ان ریزولیوشن کی عبارت دی جاتی ہے، جو موجود ہے۔

(۱) مآثر و مقابر

ارجوان یقرر المؤتمر ما یلی

(۱) ان یعاد بناء المآثر فی اقرب وقت ممکن

(۲) ان القبور التی هدمت تترك امر اعادة بنائها وشكل ذلك الی لجنة من علماء المذاهب السنية والشيعية فهذه اللجنة تنظر فی ذلك

داتمون وانتھا نہایتاً۔

محرک :- مولنٰا شوکت علی

مؤید :- شعیب قریشی

(ترجمہ) مجھے امید ہے کہ موتمر حسب ذیل تجاویز منظور کرے گی :-

(۱) حتی المقدور بہت جلد مآثر منہدمہ کو بنا دیا جائے۔

(۲) جو قبریں گرا دی گئی ہیں، ان کی تعمیر اور اُن کی ہیئت ایک کمیٹی پر جو سنی شیعہ علماء سے مرکب ہو چھوڑ دی جائے، یہی کمیٹی اس مسئلہ پر انتہائی غور سے کام کرے گی اور اس کا فیصلہ آخری ہو گا۔

محرک :- مولانا شوکت علی

مؤید :- شعیب قریشی

(۲) حرم میں امامت چاروں مذاہب کے امام باری باری سے کریں۔

محرک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

(۲) جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات نہ دیئے جائیں۔

محرک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

ان بلاد مقدسہ میں غیر اسلامی مداخلت کا سد باب کرنے کے لیے یہ موتمر ضروری سمجھتی ہے کہ حجاز میں غیر مسلموں کو کسی قسم کے اقتصادی امتیازات عطا نہ کیے جائیں اور ہر اسلامی کمپنی سے بھی معاہدہ کرتے وقت ان دو دفعات کا اضافہ کیا جائے۔

الف جب فریقین معاہدہ میں اختلاف ہو، تو فریقین کو عدالت حجاز کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور وہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(ب) کمپنی کے حصہ داران کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے حصے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کریں۔

محرک:۔ شعیب قریشی

موید:۔ مولانا محمد علی

(۴) انسداد غلامی

محرک:۔ مولانا کفایت اللہ و شعیب قریشی

موید:۔ موسیٰ جار اللہ

(۵) جدہ، مکہ، عرفات کے درمیان سڑک بننا چاہیئے

حجاز میں ریلوے لائن کی تعمیر کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے، اس کی تکمیل کے واسطے برسوں کی کوشش اور کثیر مال درکار ہے، اس لیے ہمیں چاہیئے کہ بتدریج اس کام کو شروع کر دیں، اس سلسلہ میں حکومت حجاز کا اولین فرض ہے کہ وہ جدہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ اور عرفات تک سڑکیں ہموار کرانے کا کام شروع کرے، تاکہ ان پر موٹریں اور گاڑیاں چل سکیں۔ نیز جن مقامات پر قافلے اترتے ہیں، وہاں سرائیں بنوانے اور ضروری آرام و آسائش کے سامان مہیا کرے، یہ چھوٹا سا کام اس بڑے کام کی تمہید ہوگا، جو حج کے راستوں میں ریلوے لائن تعمیر کرانے کے لیے ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے لیے مدت تک انتظار کرنا ناگزیر ہے۔

محرک:۔ مولانا شوکت علی

موید:۔ مولانا سلیمان ندوی

(۶) تبلیغ اسلام

محرک:۔ شعیب قریشی

موید مولانا محمد علی

(۷) ہر ممبر اپنی زبان میں رزولیوشن پیش کر سکتا ہے۔

محرک:۔ شعیب قریشی

موید:۔ مولانا محمد عرفان

(۸) آزادیٔ مذہب۔ محرک:۔ مولانا کفایت اللہ

مؤید:۔ مولانا محمد علی

وہ تجاویز جو پیش کی گئیں اور براہ راست لجنۂ اقتراحیہ کی طرف سے سلطان کو بغرض اطلاع بھیجدی گئیں۔

(۱) سلطان رسمی اسلہ محرک:۔ شعیب قریشی

مؤید:۔ مولانا عرفان

وہ تجاویز جو موتمر میں پیش کی گئیں لیکن منظور نہ ہوئیں۔

(۱) قتل مومن کے خلاف۔

بما ان اللہ تعالیٰ قال فی کتابہ ومن یقتل مومنا متعمدًا فجزاءہ جہنم خالدًا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ وقال صلعم لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض وقال صلعم من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنتہا الملائکۃ وقال صلعم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر وقال صلعم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ وقال صلعم ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا وبلدکم ھذا یطلب الموتمر من کل مسلم یومن باللہ ورسولہ والیوم الاٰخر ان یحرم علی نفسہٖ دماء المسلمین واموالھم واعراضھم وان یجعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المومنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل جسد اذا اشتکی بعضہ اشتکی کلہ نصب عینیہ کل حین وآن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی (مقدس) کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قصدًا کسی

سلہ طواف رسمی کرنے سے کوئی کسی مسلمان کو کسی وقت روک نہیں سکتا۔ ۱۲

مسلمان کو قتل کرے۔ اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور پھٹکار ہوگی اور اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب مقرر کر رکھا ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم لوگ کافر مت بن جانا، اس طرح کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے اور فرمایا آپ نے جو شخص لوہے سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا ہے، ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں اور فرمایا آپ نے مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کرنا کفر ہے اور فرمایا آپ نے ہر مسلمان کا خون مال اور آبرو، دوسرے پر حرام ہے اور فرمایا آپ نے کہ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم لوگوں پر حرام ہیں، جس طرح آج کے دن، اس مہینے اور اس شہر میں حرام ہے؛ لہٰذا موتمر ہر مسلمان سے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، درخواست کرتی ہے کہ دیگر مسلمانوں کا خون، مال ومتاع اور آبرو اپنے لیے حرام سمجھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کہ مومن کی مثال (باہمی محبت ومودت میں) ایک جسم کی طرح ہے۔ ہر آن اور ہر وقت اپنا نصب العین بنائے۔

محرک:- شعیب قریشی

موید:- مولانا محمد علی

چونکہ اس مسئلہ کا ذکر دعوت نامہ میں نہ تھا اور ان کی حکومتوں کی طرف سے ان کو اس بارہ میں کوئی ہدایت نہ دی گئی تھی۔ اس لیے ترک، افغان، یمنی اور مصری نمائندوں نے اس مسئلہ میں رائے دینے سے احتراز کیا۔

(۲) معاہدات مابین حجاز ودول غیر بغرض اطلاع پیش کیے جائیں۔

اقترح ان یرجع المؤتمر من الحکومۃ الحجازیۃ ان تقع بین یدیہ نسخۃ من کل الاوراق الرسمیۃ التی تتعلق بای علاقۃ دانشاھا الحکومت الحالیۃ اوالسابقۃ مع الحکومات الاخری اذا کانت قد

انشاء شئ من ذلك نتتبع -

محرک:- مولانا محمد علی

مؤید:- مولانا شوکت علی

(ترجمہ) میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ موتمر، حکومتِ حجاز سے درخواست کرے کہ معاہدات کا غذات رسمی جن کا کسی علاقہ سے تعلق ہو اور جسے حکومت موجودہ یا سابقہ نے دیگر حکومتوں کے ساتھ قائم کیا ہو اگر اسے دستیاب ہوں، تو اُسے شائع کر دے۔

محرک:- مولانا محمد علی

مؤید:- مولانا شوکت علی

(نمائندگان حکومت نجد نے اس کو سیاسی مداخلت قرار دیکر ان دستاویزات کے پیش کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ معاملہ موتمر میں پیش نہیں ہو سکتا۔)

وہ تجاویز جو لجنہ اقتراحیہ نے نامنظور کر دیں

(۱) حجاز میں قناصل مسلمان بھیجے جا سکیں۔

اذ رعایۃ لوصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اوصی بھا وھو علی فراش الموت۔ یعلن ھذا الموتمر ان المسلمین لا یرضون بان تقیم غیر المسلمین فی الارض المقدسۃ الحجازیہ ولھذا یرجوا الموتمر من الحکومات الاجنبیۃ التی تریدان یکون لھا قناصل فی الحجاز ان تختار ھؤلاء القناصل من المسلمین۔

(ترجمہ): سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق جس کی آپ نے اپنے وقت میں وصیت کی تھی، جبکہ بستر وصال پر آرام فرما رہے تھے، یہ موتمر اعلان کرتی ہے کہ حجاز کے مقدس مقامات میں غیر مسلم لوگوں کی سکونت کو مسلمان پسند نہیں کرتے

اور اس نے موتمر اُن حکومات اجنبیہ سے جو حجاز میں قناصل رکھنا چاہتی ہیں امید کرتی ہے کہ قناصل مسلمان منتخب کیے جائیں۔

محرک:۔ مولانا محمد علی

موید:۔ مولانا شوکت علی

(۲) آزادیٔ جزیرۃ العرب۔ محرک:۔ نمائندگان جمعیۃ العلماء ہند۔

موید:۔ جمعیۃ الخلافۃ ہند، فلسطین و شام۔

اس کے علاوہ ذیل کی وہ تجاویز ہیں جو اوروں کی طرف سے پیش ہوئیں لیکن ہم نے ان کی تائید یا ترمیم کی۔

(۱) اصلاح احوال صحیہ

(۲) حجاز ریلوے کی واپسی

(۳) قربانی کے ذبیحہ کے متعلق

(۴) جدہ و مکہ اور مکہ و مدینہ کے درمیان ریلوے لائن بنانے کے متعلق

(۵) عقبہ و معان کی واپسی کے متعلق۔

(۱) حکومت نجد کے نمائندوں نے حجاز میں ہتھیار لگانے کے خلاف تجویز پیش کی، لیکن چونکہ اس کا نفاذ صرف غیر نجدیوں کے خلاف ہی ہوتا اور چونکہ ایسی صورت میں مسلمان ادائیگی فریضۂ جہاد کے لیے آمادہ و مستعد نہ رہ سکتے تھے؛ لہٰذا ہم نے مخالفت کی، بالآخر تجویز نامنظور ہوئی۔

(۲) یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ریلوے لائن کی تعمیر اور تدابیر صحت کی تکمیل کے لیے حجاج سے (۱) بندرگاہ جدہ پر اترتے ہی ۲۰ قروش اور لیے جائیں (۲) اونٹ، موٹر اور خچر پر مزید ٹیکس کے نام سے روپیہ لیا جائے (۳) منیٰ میں ہر قربانی پر دس قروش وصول کیے جائیں۔ ہم نے کہا کہ ان تمام کاموں کے لیے جو کچھ لیا جائے برضامندی

بطور چندہ صاحب استطاعت سے لیا جائے، جبریہ ٹیکس کی صورت میں جو ادائیگی ناگزیر میں دشواری پیدا کرے نہ لیا جائے، ہماری مخالفت پر تجویز نامنظور رہوئی۔

نئے قوانین کی رو سے، چونکہ ناموس عام (جنرل سیکرٹری) اور لجنہ تنقیذیہ کے انتخاب موتمر کے آخری دن ہونا چاہیئے تھے؛ لہٰذا ۵ر جولائی کو ان عہدہ داران کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، مگر چونکہ بر وقت بلامزید مشورہ اور تلاش کے ایسے اہم عہدوں کے واسطے نام پیش نہیں کیے جا سکتے تھے؛ لہٰذا اس کارروائی کو تین مہینے کے لیے ملتوی کیا گیا اور صرف یہ طے کیا گیا کہ لجنہ تنقیذیہ کے ممبروں میں ایک ترک، ایک مصری ایک ہندوستانی، ایک حجازی، ایک نجدی اور ایک شام اور فلسطین سے ہوگا اور ہر ملک والے اپنے اپنے نمائندے کو نامزد کر کے بھیجدیں گے، ناموس عام کے لیے دو نام پیش کیے گئے تھے، ایک امیر شکیب ارسلان کا اور دوسرا شیخ عبدالعزیز شاویش کا، لیکن ان کے استمزاج کے بغیر اس کا فیصلہ ناممکن تھا، لہٰذا اس مسئلہ کو بھی ملتوی رکھا گیا، اس طرح موتمر کی کارروائی ختم ہو گئی۔

موتمر ہر سال ہونی چاہیئے

یہ وہ باتیں ہیں جو قدیم اور بڑی سے بڑی جماعتوں میں موجود ہیں، موتمر کا یہ پہلا ہی سال تھا اور ان شاء اللہ رفتہ رفتہ ان تمام نقائص کا ازالہ ہو جائے گا، ان کی وجہ سے موتمر کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی دلچسپی میں کمی ہونی چاہیئے۔

موتمر کا ہر سال ہونا ضروری ہے، اس واسطے کہ جیسا ہم شروع میں کہہ چکے ہیں، مسلمانوں کے تمام اجتماعی و مذہبی مشکلات اور خاص کر حجاز کے مسائل کے حل اور اتحاد عرب کے حصول کا واحد ذریعہ موتمر ہے۔

ہم کو چاہیئے کہ لجنہ تنقیذیہ کو جلد سے جلد قائم کر کے اس کو حتی الامکان قوی اور

مستحکم بنانے کی کوشش کریں، تاکہ وہ مسلمانوں کی خواہشات کے پورا کرنے اور مفاد اسلامی کی حفاظت و نگرانی کا موثر و کارگر آلہ ہو جائے۔

یہ رپورٹ ناقص رہے گی اگر ہم اپنے ان بھائیوں کی محبت و خلوص اور مفید مشورہ اور مدد کا شکریہ ادا نہ کریں، جو ترکی، افغانستان، مصر، یمن، جاوہ، روس، شام، فلسطین اور سوڈان وغیرہ سے اپنے اپنے ممالک کے نمائندے ہو کر آتے تھے، ان سب میں امتیاز کرنا دشوار ہے، لیکن سید امین الحسینی رئیس الوفد فلسطین اور الشیخ عجاج نویہض کاتب الوفد فلسطین کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں، اول الذکر نے اپنی تدبیر اور اثر سے متعدد مرتبہ پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا اور بہت سے نازک مسائل کو بحسن و خوبی طے کرانے میں مدد دی، موخر الذکر اگر نہ ہوتے اور اپنی ہر اورانہ محنت اور خلوص سے اپنی غیر معمولی لغت عربی و انگریزی کی واقفیت کو ہمارے لیے وقف کر کے ہماری ترجمانی کی زحمت گوارا نہ کرتے تو ہم اس موثر طریقہ سے مسلمانان ہندوستان کے جذبات اور مطالبات کی ترجمانی کرنے سے قاصر رہتے، کیونکہ اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے کسی اہل زبان کا ملنا دشوار تھا اور ارکان موتمر میں سے دونوں زبان کے جاننے والے خود بحث و مباحثہ میں حصہ لے رہے تھے، جس کی وجہ سے اُن پر یہ بار نہ ڈالا جا سکتا تھا۔

ہم کو افسوس ہے کہ ہم کمیٹی اور پبلک کو وفد کی کوششوں اور موتمر کی کارروائی سے وقتاً فوقتاً جیسا چاہیے تھا آگاہ نہ کر سکے، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نے یہ عذر کر کے کہ تار لسان رمزی (کوڈ) میں ہیں، ان کے بھیجنے سے انکار کر دیا، حالانکہ کوڈ کی کتاب اور تار کے معمولی زبان میں معنی تار کے ہمراہ بھیجے جاتے تھے اور اس سے پہلے اسی کوڈ میں وہی دفتر ہمارا تار ایک دفعہ بھیج چکا تھا۔

اس حکم کی اصلی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نہیں چاہتی تھی کہ موتمر کی وہ کارروائی جو

اُسے ناپسند ہو، یا کوئی اطلاع جو اس کے خلاف ہو بیرونی دنیا کو بھیجی جاتے اور حتی المقدور اس کو روکنے کی آخر تک کوشش کرتی رہی۔ اسی غرض سے ہماری خط و کتابت پر بھی سنسر مقرر کیا گیا تھا جس کی ہم کو نہایت معتبر ذریعہ سے خبر ملی تھی۔

سلطان ابن سعودؒ سے ملاقات

عین اس وقت خبر جو ہم کو ملی، وہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے مزارات کے قبے گرا دیے گئے، اس خبر نے ہم لوگوں پر ایک بجلی سی گرا دی، ساحل پر اتر کر جدہ میں اس خبر کی پوری توثیق ہو گئی، حجاز پر حکومت کی طرف سے جدہ کے حکام اور اعیان نے ہمارا استقبال کیا اور شیخ محمد نصیب کے گھر ہم کو مہمان اتارا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیلیفون پر مکہ سے سلطان نے ہم کو خوش آمدید کہا۔ ہم نے رسماً ان کی عنایت و مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے دن مکہ معظمہ میں سلطان سے ہماری پہلی سرکاری ملاقات ۲۷ رمئی ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔ خلافت اور جمعیت العلماء کے ارکان سب ساتھ مل کر گئے، اس ملاقات میں زیادہ تر رسمی طور سے باہمی سلام و تہنیت اور مزاج پرسی ہوتی رہی اور رئیس وفد نے ہماری طرف سے ان کی عنایتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور حجاز کے معاملات کے لیے مؤتمر کے انعقاد کی تحسین کی اور اس کی اہمیت جتائی، مولانا شوکت علی صاحب نے موقع سے یہ کہا کہ حجاز کے معاملہ میں سب سے اہم یہ ہے کہ غیروں کو اس میں مداخلت کا موقع نہ دیا جائے اور اس ملک کو دوسروں کے نفوذ و اقتدار سے ہر حیثیت سے محفوظ رکھا جائے، یہ تمام دنیائے اسلام کی دولت ہے اور یہ تنہا کسی کی ملک نہیں، اسی سلسلہ میں کہا کہ ممکن ہے کہ آپ ہر چیز ہم سے بہتر علم رکھتے ہوں، لیکن ایک چیز ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں، یعنی غیر قوموں کو ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ڈیڑھ سو برس سے ہم کو

ان کا تجربہ ہے، سلطان نے کہا کہ ہم نے اپنی حکومت کے لیے دو اصول ایسے مقرر کیے ہیں جو ہمیشہ کے لیے ناقابل تبدیل ہیں، ایک یہ کہ ہمارا مرجع کتاب وسنت کا فیصلہ ہوگا، دوسرا یہ کہ ہماری حکومت میں اجنبی کی مداخلت کسی حالت میں گوارا نہ ہو گی، مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ دو امور آپ کے ذہن نشین ہو جانے چاہئیں، ایک یہ کہ ہم مشرک نہیں اور کتاب وسنت پر ہمارا بھی ایمان ہے، دوسرا یہ کہ حجاز تمام مسلمانوں کا ہے، اس لیے ہم یہاں اجنبی نہیں اور حجاز کی خدمت کرنا ہمارا شعار ہوگا۔ مولانا سید سلیمان صاحب نے سلطان کو مخاطب کرکے کہا کہ دنیا میں کون ایسا مسلمان ہے، جس کو کتاب وسنت سے اعتراض ہو، جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے تمام مختلف اسلامی فرقے ان کو یکساں تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں، بحث جو کچھ ہے وہ ان کے معنی میں ہے، ہر فرقہ اس کا مدعی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہے، کوئی ایسا فرقہ بھی ہے، جو یہ کہتا ہو کہ ہم کتاب وسنت سے روگرداں ہیں اور کسی حکم کو کتاب وسنت کے مطابق سمجھتے ہوئے بھی ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ اختلاف خود تاویل اور تفسیر میں ہے، یا احادیث کی تضعیف و توثیق میں ہے یا دلائل کی قوت وضعف میں ہے اور یہ اختلاف نیا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کا ہے، اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو دلائل کے بجائے قوت کے ذریعہ سے اپنے مسائل تسلیم کرائے، خود اہل سنت میں مختلف فرقے ہیں اور ان میں آراء و مسائل کا بھی اختلاف ہے، اس لیے یہ موقع نہیں کہ ہم اس موجودہ کش مکش کے زمانہ میں ان مسائل کو چھیڑیں، اس وقت ہم کو ضرورت ہے کہ کفر کے مقابلہ میں تمام اسلامی فرقوں کو یکجا کریں، نہ یہ کہ ان باہمی اختلافات کو زیادہ بڑھائیں، اسی سلسلہ میں مولانا شبیر احمد صاحب رکن جمعیت العلماء نے فرمایا کہ تاویل و تفسیر کے اختلافات موجود ہیں اور اس کی مثالیں دیں اور فقہی حیثیت سے یہ تفصیل بھی پیش کی کہ کن

امور میں شرک اور کفر کا فتویٰ دینا چاہیے اور کن میں نہیں، پھر مولانا کفایت اللہ صاحب صدر وفد جمعیت العلمائے آخر میں سلطان کا شکریہ ادا کیا اور اتحاد و محبت کا پیام دیا۔ آخر میں سلطان نے کہا کہ بہتر ہو کہ ان امور میں آپ ہمارے یہاں کے علماء سے گفتگو کر لیتے، میں منفذ ہوں، مفتی نہیں، ہمارے علماء قرآن و حدیث کے مطابق جو فیصلہ کرتے ہیں۔ میں اس کو نافذ کر دیتا ہوں۔ اسی گفتگو پر ہماری پہلی ملاقات ختم ہوئی۔

دوسری ملاقات

ہم نے اپنی پہلی ملاقات کو اس بنا پر کہ اس میں شرکا کی کثرت تھی اور دیگر حجازی اور نجدی حضرات و مشیران کار موجود تھے، اظہار مطلب کے لیے کافی نہیں سمجھا اس لیے دوسرے دن ان سے تنہائی کی ملاقات کی خواہش کی اور سلطان نے اس کا موقع دیا بنابریں سید سلیمان ندوی صاحب و مولانا شوکت علی صاحب، مولانا محمد علی صاحب اور مولانا کفایت اللہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۲۶ء کی صبح کو سلطان سے ملنے گئے، آج وفد کے ارکان نے نہایت صفائی سے اپنے خیالات پیش کیے اور مجلس خلافت کی تجاویز کا ذکر کیا، سلطان کے وعدے یاد دلائے، خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب کے اتحاد اسلامی اور حجاز کے مشترک حرم کے ساتھ دنیائے اسلام کے تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں، نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلاف پیدا کیا جائے، آپ نے قبوں، مآثر اور مزارات کے انہدام کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنے ملک میں ان خانہ جنگیوں کا خاتمہ کیا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کو ملا کر ایک

متحدہ صف قائم کی ہے، لیکن اس طرزِ عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں، ہماری قومیں دوبارہ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گی اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی ۔ علاوہ ازیں یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے ۔ یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرف کرے، جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں ۔ ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دیدیں ہم نے شکایتاً کہا کہ مدینہ منورہ کے مقابر و مآثر کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ موتمر اسلامی کے فیصلے کے بغیر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی، لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی اور دنیائے اسلام کی خواہش کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا، سلطان نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے اور میں بھی دل سے یہی چاہتا تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ ہماری قوم سے واقف نہیں ہیں، ہماری قوم کے متعصب قبائل نے ہم کو دھمکی دے کر لکھا کہ ہم نے حجاز میں جہاد اس لیے کیا تھا اور جان و مال اس لیے قربان کیا تھا کہ کتاب و سنت کو قائم کیا جائے اور مراسم شرک کا استیصال ہو، اس لیے جلد از جلد ان قبول اور عمارتوں کو منہدم کر دیا جائے، ورنہ ہم اگر ان کو اپنے ہاتھوں سے گرا دیں گے، اب ہمارے لیے دو ہی چارہ کار تھے ۔ ایک یہ کہ ہم ان کو بزور روکیں اور دوسرے یہ کہ ہم ان کو خود اس کی اجازت دے دیں، پہلی صورت میں ایک خانہ جنگی پیدا ہو جاتی دوسری صورت میں فتنہ و فساد پیدا ہوتا، اہلِ مدینہ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا اور شائد دیگر عمارتوں کو صدمہ پہنچتا، پھر ہم نے یہ دیکھا کہ ان کا مطالبہ غیر شرعی نہیں ہے، بلکہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں، وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے اور کتاب و سنت

کے عین موافق ہے۔ اس بنا پر میں نے قاضی القضاۃ سے خواہش کی کہ وہ خود مدینہ جا کر اس کام کو انجام دیں اور جو چیز خدا و رسول کے حکم کے مطابق ہے، اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہ ہونا چاہیے، مولانا محمد علی صاحب نے سلطان کی توجہ دنیا کی موجودہ حالت کی طرف مبذول کرائی اور کفار کی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری کا دردناک مرقع کھینچا اور پھر عالم اسلام کے اس حصہ کی آرزوؤں اور امیدوں کو ظاہر کیا جو بحمد اللہ بیدار ہو چکا تھا۔ ان مسلمانوں کی بار بار امیدیں بندھیں، لیکن ایک بار بھی پوری نہ ہوئیں شب میں ان کی آنکھیں نہایت بے تابی اور بے صبری سے ایک شعاع امید کی متلاشی تھیں، بار بار صبح کاذب نے انہیں دھوکا دیا، مگر صبح صادق نمودار نہ ہوتی، آخری بار ان کی نظر خود سلطان پر پڑی اور اُن کی امیدیں سلطان کی ذات سے وابستہ ہو گئیں، وہ سلطان سے بڑی بڑی توقعات رکھتے تھے اور سلطان کے متعلق ان کے دل میں بڑی بڑی تمنائیں اور آرزوئیں تھیں اور وہ سلطان کو ملک الحجاز کے منصب سے کہیں زیادہ جلیل القدر منصب اسلامی پر دیکھنے کے متوقع تھے، انہوں نے سلطان سے کہا کہ آپ کیوں اس چھوٹے سے منصب پر راضی ہو گئے اور اس کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنا لیا انہوں نے غالب کا شعر ؎

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے!
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

پڑھ کر کہا کہ وہ قطرہ جو صدف میں جا کر موتی ہی بننے پر قانع ہے، پیرس کی رقاصہ کے گلے کی زینت بھی بن سکتا ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ سلطان وہ قطرۂ آب ہوں جو ایک مسلمان کی آنکھ کا آنسو بن کر روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرایا جائے۔

سید سلیمان صاحب نے مقابر و مآثر کے متعلق سلطان سے علمی گفتگو کی اور

کہا کہ مذہبی حیثیت سے مقابر و مآثر دونوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں، مقابر کی تعمیر اور بنا کے متعلق احادیث اور فقہ میں تصریحی الفاظ ممانعت کے ملتے ہیں، مگر ایک فریق ان کی تاویل کرتا ہے اور وہ ایسا نہیں سمجھتا، تاہم اس کی ایک شرعی حیثیت ہے اور اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے اسلام کے سامنے کھلے طریقے سے اس مسئلہ کو پیش کر کے ان کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے جو یقیناً کثرتِ تعداد کے لحاظ سے حق کے خلاف نہ ہوگا۔ لیکن مآثر یعنی وہ مقامات مقدسہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے کوئی خاص نسبت ہے، ان کی حفاظت یا ان کی تعمیر و بنا کی ممانعت سے احادیث نبوی کا دفتر تمام تر خالی ہے، اس پر اگر بحث ہو سکتی ہے، تو صرف ان کی صحت اسناد یا عدم صحت سے؛ البتہ اُن مآثر میں اگر جاہل مسلمان ایسے اعمال کریں جو شرع کے خلاف ہوں، تو مثل دوسری چیزوں کے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہاں ایسے نگران یا پولیس کے سپاہی مقرر کرے جو زائرین کو ان اعمال سے باز رکھیں، سلطان نے اس کے جواب میں کہا کہ میں مذہبی عالم نہیں ہوں، اس لیے اس کا جواب نہیں دے سکتا، آپ اس بارے میں ہمارے علماء سے گفتگو کیجیے اور اس لیے علماء کی ایک مجلس ترتیب دینے کا خیال ہے۔

تیسری ملاقات

تیسری بار ہم میں سے دو ارکان شوکت علی، محمد علی، جناب شیخ ابوالعزائم ماضی کے ہمراہ سلطان سے جا کر ملے۔ اس ملاقات کو شیخ ابوالعزائم نے سلطان سے خط و کتابت کے ذریعہ سے طے کیا تھا اور طے کرنے کے بعد ہم سے اپنے ہمراہ چلنے کی درخواست کی، شیخ ابوالعزائم مصر میں وادی نیل کی خلافت کمیٹی کے بانی اور صدر تھے اور ہم سے اور ہماری جمعیت سے محبت کرتے تھے، ان کا منشا یہ تھا کہ نجد

میں پڑ کر ہماری جمعیت اور سلطان کے درمیان کوئی سمجھوتہ کرادیں، ان کے پاس سلطان کے مقربین میں سے ایک صاحب تشریف لاتے تھے اور ان سے کہا تھا کہ جمعیت خلافت اور سلطان کے درمیان کچھ غلط فہمی تھی جسے سلطان دور کرنا چاہتے ہیں ہم نے کہا کہ اگر سلطان ہم سے پھر ملنا چاہتے ہیں، تاکہ گفتگو کرنے سے کسی نتیجہ پر پہنچیں، تو ہم خوشی سے جانے کو تیار ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ سلطان ملنا چاہتے ہیں۔ ہم کو شروع کی دو ملاقاتیں کرنے کے بعد اس کی بہت کم امید تھی کہ سلطان ابن سعود ہمارے دونوں اہم مسئلوں یعنی تشکیل حکومتِ حجاز اور آثار اور مقابر کی دوبارہ تعمیر میں کوئی تشفی آمیز جواب دے سکیں گے، تاہم اگر کوئی معقول صورت نکل سکے جس سے جمعیت خلافت کے ان احکام کی ہم تعمیل کرا سکتے، تو اس کے لیے ہم ہر طرح تیار تھے۔ شیخ ابو العزایم صاحب سلطان کے پاس بیٹھے تھے ہمارے ارکان دوسری طرف کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے، اوّل گفتگو سلطان اور شیخ ابو العزایم کے درمیان ہوتی رہی اور ارکان خاموش بیٹھے سن رہے تھے، شیخ ابو العزایم کی خواہش تھی کہ اگر ہم سلطان کی امداد کر سکے یا ان سے تشفی پا سکے۔ تو اس میں ان کی خوشی اور نیک نامی دونوں کی تھی اس لیے ان کی گفتگو سلطان کی مدح و توصیف سے شروع ہوئی تھی اور اس کے درمیان میں ہمارے اخلاص اور جوش اسلامی کی بھی تعریف تھی اس ملاقات میں سلطان ابن سعود زیادہ جوش اور کچھ غیظ میں بھی معلوم ہوتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی گفتگو میں ذرا زور کی آواز سے کہا کہ میں تیار ہوں کہ حجاز کو چھوڑ کر چلا جاؤں، بشرطیکہ شوکت علی، محمد علی اپنی فوجیں لائیں اور امنِ حجاز کی ذمہ داری لے لیں، جس پر ہم میں سے شوکت علی صاحب نے مجبور ہو کر گفتگو میں شرکت کی اور شیخ ابو العزایم کے ہمراہیوں میں سے محمد کامل صاحب کے ذریعہ سے سلطان سے عرض کیا کہ وہ امیر ہیں اور ہم فقیر، وہ صاحبِ سیف ہیں جس کا وہ بار بار ذکر کر چکے ہیں اور ہماری گردن میں غلامی کا طوق ہے لیکن

ان کی طرح ہمارے دلوں میں بھی اسلام کی خدمت کا شوق اور اس کی محبت موجود ہے۔ اور ہم بھی جان و مال قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہیں، آج ہم کوئی انتظام یہاں کے امن کا نہیں کر سکتے، لیکن خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ آئندہ اس کا انتظام ہو سکے گا، اس وقت ہم سلطان کے سوال کا صحیح جواب دے سکیں گے۔

ہم نے عرض کیا کہ مزارات کے متعلق آپ اپنی قوم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق آپ نے مزارات کو منہدم کرا دیا اور ان کی خوشی پوری کر دی، لیکن حجاز مسلمانوں کا مشترک اور مقدس مرکز ہے اور اس کے بارہ میں عالم اسلام کو فیصلہ کرنے کا حق ہے، اس لیے مزارات کے مسئلہ کو عالم اسلامی کے علماء پر چھوڑ دینا چاہیے اور ان کا فیصلہ اس بارہ میں قطعی ہوگا، عالم اسلام اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ اس کے علماء کی رائے کی کوئی وقعت نہ ہو اور صرف نجد کے علماء جو چاہیں اس مشترکہ حرم میں کر گزریں، گفتگو تیز تھی، سلطان نے ہماری معقول تجویز کا یہ جواب دیا کہ میں علماء عالم سے مشورہ کروں گا، مگر اخیر میں یہ دیکھوں گا کہ ان کا فیصلہ اتباع ہوٹی پر تو نہیں، (ا) پیر محمد علی صاحب نے پوچھا کہ اس کو کس طرح جانچیے گا، جواب سلطان نے یہ دیا کہ کتاب و سنت ایک ہے، مگر اس کی تفسیر و تاویل میں اختلاف ہوتا ہے اور بہر حال تمام عالم کے علماء کی تفسیر و تاویل یقینی طور پر علماء نجد کی تفسیر و تاویل کے مقابلہ میں زیادہ معتبر ہونی چاہیے، تو پھر مبہم الفاظ میں سلطان نے وہی کتاب و سنت کا ذکر کیا اور آخری فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہا۔

باہر نکلنے کے بعد ہم سے شیخ ابوالعزائم ماضی نے ایک اور بات کہی جس کا تذکرہ کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے اور جس سے ایک عجیب و غریب ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، شیخ ابوالعزائم نے مجھ سے یہ کہا کہ جمعیت خلافت اور شوکت علی و محمد علی ا ور

ان کی جماعت جو جمہوریت کی موافقت میں زور دیتے ہیں، تو اس میں ان کی ذاتی غرض پوشیدہ ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ جمہوریت حجاز کا پہلا صدر خود شوکت علی ہو۔

اس خبر کو سننے کے بعد سلطان سے گفتگو کا موقعہ نہیں آیا، مگر ان کے مقربین سے ہم نے کہدیا کہ اگر ہم کو ذاتی منفعت منظور ہوتی، تو اس کو پورا کرنے کے لیے حجاز آنے کی ضرورت نہ تھی، جہاں دولت و ثروت کی جگہ ریت اور اونٹ کی مینگنیاں ہوتی ہیں، عیش و آرام کے سامان تو ہندوستان میں بدرجۂ اولیٰ موجود تھے، اگر ہم کو دنیاوی ہوس ہوتی تو ہم حجاز نہ آتے اور اس جد وجہد میں نہ پڑتے، وہاں انگریزوں سے دوستی کرتے، عیش و آرام کا سامان مہیا کرتے ہم کو اور ہماری جماعت کو حجاز سے کچھ لینا منظور نہیں، ہم حجاز کو کچھ نہ کچھ دینے آتے ہیں، یہاں سے سوائے جنت کے کچھ لینا نہیں چاہتے، ہم کو حجاز مقدس میں حکومت کا شوق نہیں ہے، اگر جاروب کشی اور گندگی اور میلا اٹھانے والوں کی ضرورت ہو تو ہم فخر کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی یہ خدمت قبول کر کے نجات دارین حاصل کریں گے، جہاں تک ہم نے تحقیقات کی ہے، کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ شیخ ابو العزایم کی اس گفتگو کو ہم جھوٹ سمجھیں اور سلطان کے مقربین میں سے جن سے اس کا ذکر کیا گیا ایک نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔

آخری ملاقات

گو سلطان سے اس کے بعد بھی کئی دفعہ مختلف موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں مگر اُن میں معاملات کے متعلق کوئی باضابطہ گفتگو نہیں ہوئی، اس لیے ان کا ذکر ضروری نہیں، آخری ملاقات موتمر کے ختم ہونے کے بعد مکہ سے روانگی کے دن ۶ جولائی ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔

اس ملاقات کا انتظام شیخ عبدالعزیز عتیقی نے کیا تھا اور وہی لے کر ہم سب لوگوں کو جن میں ارکانِ جمعیت العلماء بھی تھے، سلطان کے پاس گئے، سلطان نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کیا اور رخصت اور وداع کی تقریب سے پُرمحبت کلمات ادا فرمائے۔ ہم نے ان کی مہمانی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا، سلطان نے کہا ہم مسلمانانِ ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں۔ اور یقین جانئے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر بھروسہ کرتا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اُن کی تمام کوششیں بیغرضانہ ہیں اور اُن کا دل اور زبان ایک ہے، میرا خیال تھا کہ حکومت حجاز کے لیے جن اہلِ فن کی ضرورت ہے، ان کے متعلق میں آپ لوگوں سے درخواست کروں، اس موقع پر ہم لوگوں نے اس خدمت کی بجا آوری کے لیے مستعدی ظاہر کی اور سید عمر صاحب ٹونکی کا نام پیش کیا، جو اتفاق سے اس سال حج میں جرمنی سے برقیات کی تکمیل کر کے آئے تھے، سلطان نے نہایت خوش ہو کر اُن سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور شیخ عتیقی کو حکم دیا کہ وہ سید عمر صاحب کو بلا کر لائیں۔

اسی سلسلہ میں ہم نے مسعیٰ میں اونٹوں کے بٹھانے سے جو تنگی ہو جاتی ہے اور حاجیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اُس کی طرف توجہ دلائی، سلطان نے کہا کہ یہ امر خود ہمارے ذہن میں تھا، مسعیٰ کا میدان اس سے پہلے بہت زیادہ تھا، مگر لوگوں نے قبضہ کر کے اپنے مکانات بنا لیے اور موجودہ میدان بہت تنگ ہو گیا، ضرورت ہے کہ اس کو وسیع کیا جائے، پھر ہم نے رمی میں اونٹوں کے بے تحاشہ دوڑانے کے متعلق عرض کیا کہ اس سے حاجیوں کو بہت تکلیف ہوتی، سلطان نے کہا بیشک اس سے حاجیوں کو تکلیف ہوتی، اسی لیے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آئندہ علماء سے اس بارہ میں فتویٰ طلب کریں اور آئندہ اونٹوں پر سوار ہو کر رمی کرنے سے لوگوں کو روک

دیں، تاکہ عام حاجیوں کو تکلیف نہ ہو، اسی طرح دوسرے انتظامات کا تذکرہ آیا۔

آخر میں رخصت ہوتے ہوتے سلطان نے کہا کہ سفر کا تمام سامان مہیا ہوگیا ہے یا نہیں، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو، تو بیان کیجئے، ہم نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تمام سامان بحمداللہ مکمل ہوگیا ہے اور انہوں نے پھر کہا کہ ایک چھوٹے سے خیمہ کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے، اگر نہ ہو، تو وہ ساتھ کردیا جائے۔ ہم نے دوبارہ شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس کا سامان بھی ہوچکا ہے، اس کے بعد سلطان نہایت گرم جوشی سے ہم لوگوں سے ملے اور ہم اُن سے رخصت ہوئے۔

لجنہ تحضیریہ میں شرکت

موتمر کے انعقاد کے پہلے غالباً سید رشید رضا صاحب نے مجلس استقبالیہ کی طرف سے موتمر کا ایک نظام اور دستور العمل تیار کیا تھا، ہمارے پہنچنے کے تیسرے دن ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کو حافظ وہبہ صاحب کا خط وفد کے نام آیا کہ موتمر سے پہلے موتمر کے نظام و قواعد پر غور کرنے کے لیے ایک مجلس بنام لجنہ تحضیریہ مقرر کی گئی ہے، جس میں ہر وفد کی طرف سے ایک ایک ممبر شریک ہوگا۔ اس وقت تک صرف جاوہ اور ہندوستان کے وفود پہنچے تھے، اس بنا پر مولانا کفایت اللہ صاحب (جمعیت العلماء ہند) مولوی ثناء اللہ صاحب (اہلحدیث کانفرنس) سید سلیمان صاحب (مجلس خلافت)، حاجی منصور (شرکت الاسلام جاوا) سید رشید رضا (رکن خاص) حافظ وہبہ (ناظم مجلس استقبالیہ نمائندہ حکومت) دار یا ناجیہ میں تین دن تک بعد نماز عصر جمع ہوکر پیش کردہ نظام نامہ پر مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے اور خلافت جمعیت کے نمائندوں نے نظامنامہ کے ان واقعات کے متعلق ترمیمیں پیش کیں، جو موتمر یا اسلامی جمہوریہ کے اقتدار اور قوت کو منحصر یا بہت محدود کرتے تھے خصوصاً

اسلامی ممالک والوں کی نیابت اور نمائندگی کو آبادی اور تعداد کے اصول پر پیش کیا، مگر افسوس کہ کثرت رائے نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ اگر اس وقت یہ چیز طے ہو جاتی، تو موتمر کے دن اس میں برباد نہ جاتے، بہرحال اس لجنہ تحضیریہ کا کام تین دن جاری رہا اور اس میں نظامنامہ کے آدھے حصے پر نظرثانی کی جاسکی۔

مجلس العلماء

۱۰ مئی ۱۹۲۶ء کو ہمارے وفد کو سرکاری اطلاع دی گئی کہ کل بعد ظہر علماء کا ایک جلسہ دار بانا جیہ میں اس غرض سے منعقد ہوگا کہ بعض مذہبی مسائل میں باہم گفتگو کی جائے۔ اس مجلس میں مصر، شام، فلسطین، سوڈان، جاوا، اور ہندوستان کے وفود کے علاوہ جو اس وقت تک پہنچ چکے تھے، ہندوستان اور دیگر ملکوں کے عام علماء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، جن میں اہل حدیث کی تعداد خاصی تھی، ہمارے وفد کے تمام ارکان نے بھی شرکت کی، سلطان کی تقریر سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس تقریر میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہم کتاب و سنت کو مضبوط پکڑیں اور اپنے فرقہ وارانہ خیالات کو چھوڑ کر کتاب و سنت پر متحد ہو جائیں۔ ان کے بعد رشید رضا صاحب نے تقریر کی جس میں سرتاپا اہل نجد کی مداحی تھی اور ان کو روئے زمین کا بہترین مسلمان قرار دیا گیا تھا، بعدازیں مصر و شام اور سوڈان کے علمائے نے یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر سلطان کی تعریفیں کیں اور ان کی دعوت پر لبیک کہا، محمد علی صاحب نے اٹھ کر کہا کہ ہم اسی کتاب و سنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر و کسریٰ کے بجائے صدیق و فاروق کی سنت اختیار کیجئے، مولوی عبدالحلیم صاحب (جمعیۃ العلماء) نے اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ رواداری کی ضرورت ظاہر کی اور اس کی شکایت کی کہ بعض

اہل نجد دوسرے مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر کافر و مشرک کہہ بیٹھتے ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب (جمعیۃ العلماء) نے اس کی تائید میں تقریر کی، اس پر سلطان اور ابن بلیہد قاضی القضاۃ نے مشتعل ہو کر اس کا جواب دیا اور افسوس ہے کہ ہندوستان کے اہل حدیث اصحاب نے شور و شغب برپا کیا اسی اثنا میں سید سلیمان صاحب نے کھڑے ہو کر اسلامی رواداری کے متعلق تقریر کی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اہل نجد یہاں معمولی باتوں پر مثلاً سگریٹ اور حقہ پینے پر لوگوں کو مارتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر تشدد کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح سنا ہے کہ رمضان میں تراویح دو تین روز تک ۲۰ رکعت پڑھی گئی اور اس کے بعد حکماً سب کو آٹھ رکعت پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ سلطان نے کہا کہ صحیح نہیں، میں نے خود کئی روز تک بیس رکعت تراویح پڑھی، مگر بعد کو مکہ کے دوکاندار میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگ کاروباری آدمی ہیں بیس رکعت پڑھنے میں وقت زیادہ لگتا ہے، اس لیے آٹھ رکعت پڑھنے کی اجازت دیجیے۔ اس پر ہم نے عمل کیا اور اس کے بعد عبداللہ شیبی، سید حسین نائب حرم وغیرہ چند سرکاری ملکی اشخاص جو موجود تھے انہوں نے اس کی تائید کی، پہلا اجلاس اس طرح ختم ہو گیا۔

دوسرے دن پھر بعد نماز ظہر اس مجلس کا جلسہ ہوا سلطان اس دن شریک نہ تھے سب سے پہلے سید سلیمان صاحب نے مسئلہ مقابر و مآثر پر ایک پُر زور تقریر کی اور آیات، حدیث اور تاریخ و سیر کے حوالے سے اپنے مدعا کو ثابت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں مجلس خلافت کی طرف سے تین باتیں لے کر آئے ہیں۔

اول یہ کہ کتاب و سنت پر عمل کے ساتھ ساتھ ان امور میں وسعت دینی چاہیے، جن میں خود صحابہ و تابعین مختلف تھے، مقرر نے اس کی متعدد مثالیں احادیث اور عمل صحابہ سے پیش کیں پھر کہا کہ

دوسری چیز یہ ہے کہ کتاب و سنت کے نتائج کا سب سے پہلا منظر خود حکومت کو ہونا چاہیے کہ طریقِ اوّل کے مطابق خلیفہ کا انتخاب شرعی اور وراثت سے پاک ہو۔

تیسری چیز مقابر و مآثر کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں یہ بات جان لینا چاہیے کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ مقابر و مآثر اور ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ مسئلہ مقابر کی نسبت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ احادیث صحیحہ میں بنا علی القبور اور تجصیص قبور وغیرہ کی ممانعت آئی ہے۔ گو ایک مختصر فریق کے نزدیک اس کا معنی کچھ اور ہوں۔ اس بنا پر اگر سلطان تمام دنیائے اسلام کے علما کے فیصلہ کا انتظار کرتے تو یقیناً ان کو نہ امیدی نہ ہوتی اور اس طرح ذمہ داری بجائے ان کی ذات کے یا اہل نجد کے تمام دنیائے اسلام پر بٹ جاتی۔ مآثر کا سلسلہ اس سے الگ ہے۔ مآثر سے مراد وہ مقامات ہیں جن کو انبیا یا صحابہ کی طرف کسی حیثیت سے نسبت ہے۔ قرآن، حدیث اور آثارِ سلف میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو ان مآثر پر عمارتوں کے بنانے یا مساجد بنا دینے سے منع کرتی ہو، بلکہ قرآن پاک، احادیث، سیر اور آثار میں ایسے مآثر کا ذکر ہے۔ اس بنا پر ان مآثر کی عمارتوں کو منہدم کرا دینا شدت اور غلو کے سوا کوئی شرعی توجیہ نہیں رکھتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ جاہل مسلمان وہاں بعض غیر شرعی اعمال کرتے ہیں۔ ان اعمال کو روکنا چاہیے تھا یا یہ عمارتیں یا بعض عمارتیں جو غیر شرعی طور پر یا غیر مستند مواقع پر بنائی گئی تھیں۔ ان کی تصحیح کی جاتی، مثلاً مولد نبوی کی موجودہ شکل یقیناً صحیح نہ تھی۔ مگر زمانۂ سلف میں اس کی شکل مسجد کی تھی جس میں نماز پڑھی جاتی تھی، اگر موجودہ شکل حقیقی مولد کے کمرہ کی بنائی گئی تھی، جو صحیح و مستند نہ تھی، اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی اور خلاف کٹہرہ، سنگ مرمر کی سل وغیرہ ہٹائی جاسکتی تھی، مگر نفسِ عمارت کو توڑ ڈالنا شدت اور غلو کی انتہا ہے، مقامِ ابراہیم، صفا و مروہ، چاہ زمزم وغیرہ تمام آثار و مآثر ابراہیمی ہیں، کیا ان کو بھی منہدم کر دیا جائے گا، غرض یہ کہ ایک مفصل

تقریر تھی اور اس تقریر کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، جب لا رشید رضا صاحب نے اٹھ کر کہا کہ چونکہ ہم اتحاد کے طالب ہیں۔ اس لیے بہت سی باتوں کا جواب دینا نہیں چاہیے اور دو ایک عالموں نے وعظ کے رنگ میں تقریریں شروع کیں، تو حافظ وہبہ نے کہا کہ ہم یہاں شاعری کے لیے نہیں آتے ہیں، ہم کو کام کرنا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ہم پانچ چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنالیں، جو موتمر سے پہلے نظامنامہ مرتب کرے سید سلیمان صاحب کی میں اس تجویز میں یہ ترمیم چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں وہی ارکان وفد منتخب ہوں، جو کسی جماعت یا جمعیت کے باقاعدہ نمائندہ ہوں، ماضی ابوالعزائم صاحب (مصری) نے اس کی تائید کی، سید رشید رضا اور ان کے بعض دیگر رفقا نے اس ترمیم کی مخالفت کی، محمد علی صاحب اور شوکت علی صاحب نے حافظ وہبہ کی اس نفس تجویز کی مخالفت کی اور کہا اس مجلس کو اس قدر مختصر نہ بنایا جائے، بلکہ اس کو وسیع رکھنا چاہیے اور ہر شخص کو اس میں موقع دینا چاہیے، بہر حال یہ جلسہ بلانتیجہ ختم ہو گیا اور پھر موتمر سے پہلے کوئی باقاعدہ جلسہ نہ ہو سکا۔

جنت البقیع کے مزارات کا انہدام

۲۶ مئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا، اس وقت سب سے پہلی جو جانکاہ اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی، وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لیے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ میں تمام مبانی مآثر کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھیں گے اور ان میں کسی قسم کا تغیر روا نہ رکھیں گے، جب تک کہ موتمر اسلامی کوئی آخری فیصلہ نہ کر دے اس مضمون کا ایک بلاغ بھی سلطان نے دوسرے وفد کو لکھ کر دیا تھا، جسے ہندوستان

میں شائع کیا گیا اور جس کی وجہ سے ملک میں امن وسکون پیدا ہو گیا تھا۔ سفیر ایران کو تو وہ ایک تحریر بھی لکھ کر دے چکے تھے۔ جس میں انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ نہ صرف مدینہ منورہ کے مزارات کی حفاظت کی جائے گی، بلکہ اگر دنیائے اسلام مکہ معظمہ کی منہدم شدہ عمارات کو دوبارہ بنوانا چاہے، تو ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔

جب تیسرا وفد حجاز گیا، تو اس سے سرکاری طور پر کہا گیا کہ مکہ کی مساجد اور مقابر کی تعمیر اور مقابر کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہو گئے ہیں اور مدینہ کے مآثر کا پورا احترام و تحفظ کیا جائے گا اور سلطان نے اپنے بیٹے امیر محمد کو ایک خط لکھا کہ وہ مدینہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آنے دیں، جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں انتشار اور ہیجان پیدا ہو، اور مدینہ منورہ کے مآثر و مقابر کے باب میں وفد خلافت کے مشورہ کے موافق کام کریں۔

لیکن جدہ پہنچکر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی، تو انہوں نے تصدیق کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے استیصال کو اپنا پہلا فرض خیال کرتی ہے اور اس مسئلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پرواہ نہیں کرے گی، خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔

مکہ پہنچ کر جب ہم نے سلطان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی، تو انہوں نے، جو جواب دیا، وہ ہمیں مطمئن نہیں کر سکا اور نہ دنیائے اسلام کی اکثریت کو مطمئن کر سکتا ہے، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس بحث کی تفصیل لکھ آئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ فتویٰ ہے، جسے علماء مدینہ کے نام سے اُمّ القریٰ نے شائع کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ قبوں کے ہدم کا فتویٰ خود اہلِ مدینہ

نے دیا تھا، لیکن مدینہ پہنچ کر جب ہم نے اس کی تحقیقات کی، تو جو انکشافات ہوئے ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

اس فتوے کی حقیقت کے متعلق جو حالات ہم سے بیان کئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ قاضی عبداللہ بن بلیہد جب مدینہ منورہ پہنچے، تو انہوں نے علماء مدینہ کو اپنے مکان میں بلوایا، علماء مدینہ ان کے مکان پر جمع ہو گئے، تو قاضی عبداللہ بن بلیہد مکان کے اندر تھے، ان کے حقیقی بھائی محمد بن بلیہد پہلے باہر نکلے اور علماء مدینہ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

یا اھل حجاز انتم اشد کفراً من ھامان وفرعون نحن قاتلناکم مقاتلۃ المسلمین مع الکفار، انتم عباد حمزہ وعبدالقادر۔

علماء مدینہ نے کہا کہ ہم سوائے خداوند قدوس کے کسی کی پرستش نہیں کرتے اور ہم بحمداللہ مسلمان اور مومن ہیں۔

اس کے جواب میں محمد بن بلیہد نے کہا کہ کفار بھی بالکل ایسا ہی کیا کرتے تھے اور "ما نعبد ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ" کہکر اپنی بت پرستی اور کفر نوازی سے انکار کیا کرتے تھے۔

علماء مدینہ نے اس اعتراض کا جواب دیا مگر محمد بن بلیہد نے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، کہا جاتا ہے کہ وہ علماء مدینہ کو سخت الفاظ سے مخاطب کرتے رہے۔

اس کے بعد قاضی عبداللہ بن بلیہد تشریف لائے، تو انہوں نے علماء مدینہ سے حسبِ ذیل مسائل کے متعلق سوالات کئے۔

(۱) کیا قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے، تو اس کا ثبوت لاؤ اور اگر جائز نہیں، تو ان کا ہدم ضروری ہے یا نہیں۔

(۲) غیراللہ کی ندا کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) قبروں پر چراغ جلانا، چادریں چڑھانا اور ان کا طواف کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے جو لوگ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ مسلمان ہیں یا مشرک؟

علماء مدینہ نے ان سے گزارش کی کہ ہم آپس میں مشورہ کرکے آپ کو جواب دیں گے، اس پر عبداللہ بن بلیہد قاضی القضاۃ نے سخت لہجہ میں فرمایا، کیا تم اب جاکر پڑھو گے اور پھر جواب دو گے، مگر علماء مدینہ نے کہا کہ ہم بغیر کسی مشورہ کے کوئی جواب نہیں دے سکتے؛ چنانچہ انہیں مہلت دی گئی اور دوسرے دن علماء مدینہ نے باہمی مشورہ کے بعد قاضی القضاۃ صاحب کو حسب ذیل جواب دیا۔

آپ اپنے استفتا میں سے مسئلہ قباب کے علاوہ باقی تمام مسائل کو حذف کر دیجئے، کیونکہ ان مسائل میں کوئی شخص بھی آپ سے اتفاق نہیں کرے گا، ہم میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا روا رکھتا ہے۔

مسئلہ قباب کے متعلق علماء مدینہ کی دو جماعتیں تھیں، ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ قبوں کی تعمیر شرعاً ممنوع نہیں، جسے انہوں نے قاضی صاحب کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ ظاہر کیا، اسی جماعت میں مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلی تھے

دوسری جماعت کا خیال یہ تھا کہ اگرچہ تعمیر قباب جائز نہیں، مگر ان کا ہدم بھی غیر ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کے گرا دینے سے ساری دنیائے اسلام میں ایک زبردست شورش پیدا ہو جائے گی، جو مسلمانانِ عالم کے تشتت اور تفریق کا باعث ہوگی اور بجائے اس کے کہ دنیائے اسلام کو حجاز کے ساتھ کوئی ہمدردی ہو، سخت بیزاری پیدا ہو جائے گی اور اس کے خطرناک نتائج اہل حجاز اور حکومت حجاز دونوں کے لیے بدترین ثابت ہوں گے۔

ان مسائل میں قاضی عبداللہ بن بلیہد اور علماء مدینہ کے درمیان بڑی دیر تک

بحث ومباحثہ ہوتا رہا، ان کے ضمن میں مسئلہ حیات النبی بھی آیا، جس کے متعلق علماء مدینہ نے اپنے عقائد وخیالات کا صاف صاف اظہار کیا، مگر معاملہ بحث ودلائل کی حد سے باہر تھا، قاضی عبداللہ بن بلیہد نجدی قوم میں بہت زیادہ ہوشیار اور دورِ حاضر کی موجودہ سیاست کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں، دوسرے دن انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ جو علماء ان کی مخالفت میں زیادہ پیش پیش تھے انہیں چھوڑ کر باقی علماء کو بلایا اور انہیں دھمکا کر یہ کہا کہ تم کو وہی لکھنا ہوگا، جو ہم چاہتے ہیں، مشاہیر علماء میں سے جن کو مدعو کیا گیا تھا، مولانا عبدالباقی اور علامہ داغستانی کے سوا باقی حضرات نے بادل ناخواستہ دستخط کر دیے اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہوگیا جس کی وجہ سے آج ساری دنیائے اسلام میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔

یہ ہے علماء مدینہ کے فتوے کی حقیقت جسے "ام القریٰ" میں شائع کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ علماء مدینہ بھی ہدم قباب کے موافق تھے۔

قباب کے انہدام کے متعلق جو بیان عمال حکومت کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی عبداللہ بلیہد جب مدینہ منورہ میں پہنچ گئے، تو ان کے آنے کے دو چار روز بعد ایک شب کو چند غطغطوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے روضہ کو گرانا شروع کر دیا، اس کی اطلاع گورنر کو دی گئی، انہوں نے ان غطغطوں کو گرفتار کرلیا اور جیل خانہ بھیجدیا، ان کی گرفتاری کے بعد غطغطوں میں بہت زیادہ جوش پیدا ہوگیا اور تقریباً ستر آدمیوں کا ایک وفد عبداللہ بن بلیہد قاضی القضاۃ کے پاس آیا اور اس نے اس گرفتاری کے خلاف سخت احتجاج کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ گرفتار شدہ غطغطوں کو فوراً رہا کر دیا جائے اور انہیں ان قباب کے توڑنے کی اجازت دی جائے، ورنہ ہجومی کارروائیاں کریں گے اور اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں

جگے، کہا جاتا ہے کہ قاضی عبداللہ بن بلیہد نے لاسلکی کے ذریعہ سے سلطان کو ان واقعات و حوادث کی اطلاع دی اور سلطان نے ہدمِ قباب کی اجازت دے دی ہدم قباب کے متعلق جتنی معلومات ہم حاصل کر سکے، اسے بلا کم و کاست ہم نے رپورٹ میں لکھ دیا ہے، سلطان کچھ فرماتے ہیں، ان کے عمال کچھ اور ارشاد فرماتے ہیں اور علماء مدینہ کے بیانات سے حقیقت دوسری معلوم ہوتی ہے، بہرکیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں، سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفاء وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دیے گئے اور عین اس وقت جبکہ مسلمانوں کی تمامتر توجہ اور کوشش کو ان معاملات پر صرف کرنا چاہیے تھا، جن پر مسلمانوں کی زندگی کا دارومدار ہے، عالم اسلامی کو ایک زبردست فتنہ میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ غلغلوں کی اس وحشت سے مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں اور قباب قبور کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں، جن کی تفصیل یہ ہے:۔

مساجد مدینہ منورہ جن کو توڑا گیا۔

(۱) مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا، چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ توڑا گیا ہے۔

(۲) مسجد ثنایا (جنگ احد میں جہاں دندان مبارک شہید ہوا تھا، وہاں یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے۔

(۳) مسجد (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۴) مسجد مائدہ (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۵) مسجد اجابہ (تھوڑی سی دیوار اور قبہ توڑا گیا ہے)

ان میں ان مساجد کو شامل نہیں کیا گیا ہے، جن میں قبریں ہیں، اور قبروں کو مسجد سے علیحدہ کرنے کے لیے مسجد کے بعض حصوں کو توڑا گیا ہے۔

مقابر جو توڑے گئے ہیں، ان کی تفصیل صفحہ ۲۱۱ و ۲۱۲ پر درج ہے۔ قبے اور دیواریں کسی کی موجود نہیں ہیں۔

maablib.org

قبریں

- جو دکھائی دیتی ہیں
  - جن کا تعویذ سالم ہے
    - قبر حضرت فاطمہ
    - قبر حلیمہ سعدیہ
    - قبور حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
  - جن کے تعویذ کو صدمہ پہنچا ہے یا پہنچایا گیا ہے۔
    - قبر حضرت عثمان
- جو دکھائی نہیں دیتیں
  - جن کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مٹی اور کنکر کے نیچے دبی ہوئی ہیں، ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، اس مٹی پر جس کے نیچے ان قبور کا دفن ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ مزدوروں نے پتھر اور گارے کے تعویذ بنا دیے ہیں۔
    - (۱) مزار ازواج مطہرات (یہ تعداد میں نو تھے) اب مٹی پر ایک جدید کچا تعویذ بنا دیا گیا۔
  - جو بالکل زمین سے ہموار کر دی گئی ہیں
    - قبور اہل بیت
    - یہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا جس پر تعویز تھے، تعویز اور چبوترہ دونوں توڑ دیے گئے ہیں اور قبروں کی جگہ تختے جڑے ہوئے ہیں۔

(۲) قبر حضرت فاطمہ صغریٰ بنت حسینؓ

(۳) قبر سیدنا عقیل ابن جعفر صادقؓ

(۴) قبر سیدنا ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) قبر سیدنا عثمان ابن مظعون

(یہ قبر جنت البقیع میں سب سے پہلے بنائی گئی تھی اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنے دستِ مبارک سے دفن کیا تھا۔)

(۶) قبر حضرت امام مالک

(۷) قبر حضرت نافع، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) کی قبور کا کوئی نشان موجود نہیں ہے،

گنبد خضرا اور مقام ابراہیم پر جو عمارت بنی ہے، اس کے انہدام کے متعلق بھی ہم نے بہت گرم افواہیں سنی تھیں، سلطان ابن سعود صاحب اس کی تردید کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، سلطان کے گذشتہ وعدوں اور ان کی خلاف ورزی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمیٹی خود فیصلہ کرسکتی ہے کہ کہاں تک ان کے اس قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

نجدی حکومت کا تعصب مذہبی

یہاں تک جن مشاہدات اور تجربات کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ حجاز میں ہر شخصی اور خاندانی حکومت کے یکساں خلاف ہیں، لیکن ان کے علاوہ چند مزید وجوہ بھی ایسے موجود ہیں، جن کے باعث سلطان نجد کی حکومت حجاز کے لیے خاص طور پر ناموزوں ہے۔ ملک گیری کی ہوس کے علاوہ جو ایک فاتح اور بادشاہ کو دنیا طلب بنا دیتی ہے۔ یہاں تعصب مذہبی اور غلو دینی مستزاد ہے اور ساری اسلامی دنیا کے خلاف جو نجدیوں کی ہم عقیدہ نہیں ہے۔ ایک حرب عقائد چھڑی ہوئی ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ سلطان عبدالعزیز حقیقتاً اپنے دین میں اس قدر غلو کرنے والے اور تشدد کے خواہاں نہ ہوں جتنے کہ مشائخ نجد ہیں، لیکن ملک گیری کے لیے جو آلہ ان کے پاس ہے، یعنی قوم نجد اس کو ایک صدی سے زیادہ سے یہی سکھایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ سب مسلمان مشرک ہیں اور نجدیوں کی گذشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے جتقدر خون ریزی انہوں نے کی ہے، وہ صرف مسلمانوں کی ہے۔ ہم یہاں کوئی مذہبی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے، لیکن اس قدر کہنا ناگزیر ہے کہ ہم نے نجدیوں کو ان جزئیات دین میں جس میں ان کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے، بہت سخت پایا اور وہ ذرا ذرا سی بات پر حجاج کو مشرک کہہ دیتے تھے، حالانکہ بعض افعال کا جن پر مسلمانوں کو یہ خطاب دیا جاتا تھا عقائد سے کوئی بھی تعلق نہ ہوتا تھا۔ سلطان عبدالعزیز کے مذہبی خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی تمام تر قوت یہی لوگ اور ان کو ذرا سی بات پر اسی طرح آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس ملک گیری

کی جنگ کا نام جہاد رکھا جائے اور جس ملک کو چھیننا مقصود ہو، اس کے لوگوں کو مشرک کہا جائے، ہم نے بارہا دیکھا کہ جو حجاج مقام ابراہیم کی جالی کو یا اس کے قفل یا کنڈاں کو چھوتے تھے، ان کو بید سے مارا جاتا تھا اور "انت مشرك" کہا جاتا تھا، جو حجاج جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کو جاتے تھے، ان میں سے اکثر پٹ کر آتے تھے، خود ہم میں سے چند نے حافظ وہبہ مشیر خاص امیر فیصل سے جو نائب جلالتہ الملک ہیں، پوچھا کہ ہم اور ہمارے ساتھ کی خواتین جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کے لیے جانا چاہتی ہیں اس کے متعلق موٹر کا کچھ انتظام ہو سکے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ کل صبح موٹر آ جائے گی اور ایک شخص آپ کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔ تاکہ آپ کو آداب زیارت قبور بتاتے ہم نے کہا کہ ہم اپنے مذہب کے مطابق ان آداب سے واقف ہیں، تاہم کوئی حرج نہیں ہے اگر آپ کا ایک نمائندہ موجود ہو دوسرے دن صبح کو ہم شیخ عبداللہ بن بلیہد نجدی قاضی القضاۃ مکہ مکرمہ سے ملاقات کرنے گئے واپس ہوتے وقت خیال ہوا کہ جس موٹر کا حافظ وہبہ نے وعدہ کیا تھا اس کو شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب ہی کے مکان پر منگوالیں؛ چنانچہ وہاں سے موٹر کے لیے ٹیلیفون کیا گیا جواب آیا کہ سلطان آپ کو زیارت قبور کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے کہ فساد ہونے کا اندیشہ ہے ہم کو یہ سن کر جس قدر تعجب ہوا، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، اس لیے کہ ہم سے صریحاً وعدہ کیا گیا تھا کہ زیارت قبور کے لیے سرکاری موٹر صبح کو آ جائے گی اور ایک نجدی ہمارے ساتھ ہو گا، جس کی موجودگی اس امر کی ضامن ہوتی کہ بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے گا، ہم نے اس تعجب انگیز جواب کا ذکر شیخ عبداللہ بن بلیہد سے کیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور حکم دیا کہ ہمارے لیے سرکاری موٹر ان کے مکان پر بھیج دی جائے، اس پر حافظ وہبہ کا جواب ٹیلیفون سے موصول ہوا کہ آج یوم جمعہ ہے، موٹر نہیں مل سکے گی، لیکن کل یا پرسوں بھیج دی جائے

گی، نائب مدیر حرم اس وقت موجود تھے، انہوں نے ہم سے کہا کہ اس امر کو خوب شہرت دیجئے، اس لیے کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ نجدی قاضی القضاۃ خود آپ کو زیارت قبور کے لیے لے گئے، تو پھر کسی نجدی کی مجال نہ ہو گی کہ وہ کسی حاجی کو روک سکے یا مارے اور حجاج بھی مطمئن ہو جائیں گے، ہم نے دوسرے دن موٹر کا انتظار کیا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اس دن موٹر نہ ملتی، مگر باوجود کئی بار ٹیلیفون کرنے کے موٹر نہ آئی۔ اس لیے مجبور ہو کر تیسرے دن ہم نے گاڑیوں کا خود انتظام کیا۔ جنت المعلیٰ ہماری قیام گاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھی اور ہم اور ہمارے ساتھ کی خواتین میں چند ایسے لوگ تھے جو بہ سبب امراض و ناتوانی دھوپ میں اتنی دور بھی پتلی سڑک پر پیدل نہ چل سکتے تھے اور گو مکہ معظمہ کی گاڑیاں ہندوستان کے یکوں کے برابر بھی آرام دہ نہ تھیں، لیکن ان کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ شیخ عبداللہ بن بلیہد کو ٹیلیفون کیا کہ ہم میں سے بعض آپ کے مکان پر آ رہے ہیں، آپ تیار ہو جائیں، تاکہ حسب وعدہ ہم آپ کے ہمراہ جنت المعلیٰ جا سکیں، ہم ان کے مکان پر پہنچے، تو نوکر نے کہا کہ شیخ صاحب سو گئے ہیں، مگر میں نے ٹیلیفون ملتے ہی اطلاع کر دی تھی اور پھر اطلاع کئے دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم سے پوچھا کہ کیا آپ نے سلطان سے اجازت لے لی؟ گھنٹہ ڈیڑھ بعد شیخ صاحب خود تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہی سوال کیا کہ آپ نے سلطان سے اجازت لے لی؟

اُن سے عرض کیا گیا کہ امر مسنون میں کسی کے اذن و اجازت کی کیا ضرورت ہے اور آپ تو خود ہمیں اپنے ہمراہ لے جانے کا وعدہ فرما چکے تھے، چونکہ باوجود وعدے کے متواتر تین دن موٹر نہیں ملی، اس لیے دوسری سواری کا ہم نے خود بندوبست کر لیا، اس پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہاں میں نے وعدہ کیا تھا لیکن مناسب یہی ہے کہ سلطان سے کہہ کر ایک عام قاعدہ جاری کرا دیا جائے، جس سے ہم نے بھی

اتفاق کیا: چنانچہ چند علماء کی مشاورت کے بعد کچھ قواعد جن میں اوقات اور آداب زیادہ شامل ہیں، سلطان کے حکم سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور موتمر کے ختم ہونے سے قبل ہم معہ اپنے ساتھی کی خواتین اور چند دیگر مصری، فلسطینی اور شامی اراکین موتمر کے مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مولد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دار ارقم اور جنت المعلیٰ وغیرہ دیکھنے کے لیے سرکاری موٹر میں گئے، جو چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے: وہ ہمارے سوال کے جواب میں قاضی عبداللہ بن بلیہد کا قول ہے کہ نجدی بھی روز جمعہ یا یوم سبت کو اپنے ہاں زیارت قبور کے لیے جاتے ہیں، مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور مسلمان جو زیارت قبور کو جاتے ہیں، وہ شرک کرنے کے لیے جاتے ہیں۔

خود سلطان عبدالعزیز نے جو بات ہم سے اور وفد جمعیت العلمائے سے کہی وہ اس سے بھی زیادہ صورت حالات بے نقاب کرتی ہے۔

اس ملاقات میں جو جنت البقیع کے ہدم قباب و قبور کے لیے بالخصوص سلطان سے کی گئی تھی۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آخر اس میں اس قدر جلدی کیوں کی گئی، موتمر کا اجلاس تین چار ہفتہ بعد ہونے ہی والا تھا، اس وقت تک انتظار کرنے میں کیا حرج تھا، تو سلطان نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے تھی، مگر میرے پونہا۔ ہزار نجدیوں کا (ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس میں بعض مشائخ نجد بھی شامل تھے) نجد سے پیغام آیا کہ تم ارض مقدس حجاز کی تطہیر کے لیے یہاں سے گئے تھے عرصہ ہوا کہ مدینہ تمہارے قبضہ میں آ گیا، لیکن تم نے اب تک اس کی تطہیر نہیں کی اور قباب اور پختہ قبور اسی طرح موجود ہیں، اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے یا نہیں کر سکتے، تو ہم خود آئیں گے اور ان کو توڑ دیں گے، ان کے آنے سے شر و فساد کا اندیشہ تھا، اس لیے میں نے خود ہی اس کام کو کر دیا، محمل کا واقعہ جس میں اس محمل پر

جو سلطان کی اجازت سے مصر سے آیا تھا اور جس کے ساتھ بینڈ سلطان کے کہنے سے جدہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، صورت حالات کو اور بھی نمایاں کر دیتا ہے، فوجی بگل پر نہ سلطان کو نہ علماء نجد کی جانب سے، کوئی اعتراض تھا، لیکن محمل کو صنم قرار دیا گیا اور بگل کو مزامیر میں داخل سمجھا گیا، یہی نہیں، بلکہ محمل اور مصری فوج اور اس کے افسروں پر منیٰ کے باہر پتھر برسائے گئے، حکومت سلطان کی جانب سے جو لوگ محمل کے ساتھ تھے، ان کے منع کرنے کی کچھ پروا نہ کی گئی اور نہ سلطان کے بیٹوں اور خود ان کے باز رکھنے سے نجدی باز آئے اور باوجود آیۃ کریمہ لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کا خون منیٰ میں کے پاس بہا، اگر مان بھی لیا جائے کہ سلطان عبد العزیز کو اپنے مذہب کی جزئیات میں غلو و تعصب نہیں اور وہ تشدد کو پسند نہیں کرتے، تب بھی ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی قوم اب ان کے بس کی نہیں رہی اور جو تعصب و تشدد کا سبق اس کو ایک صدی سے ایک عرصہ پڑھایا گیا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ان امور میں سلطان نجد ان پر حکمران نہیں، بلکہ زمام حکومت حجاز خود ان کے ہاتھ میں ہے اور طوعاً نہیں تو کرہاً سلطان کو ان کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے، قباب اور تخصیص قبور یا محمل کے بارے میں تو ایک حد تک یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نجدی اپنے سوا اور مسلمانوں کو کیوں مشرک سمجھتے ہیں، لیکن تمباکو پینے یا لبوں کے نہ کتروانے سے نجدیوں کے نزدیک آدمی کیونکر مشرک ہو جاتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ۱۳۴۵ھ کے حج کے موقع پر مجالس خلافت اور جمعیت العلماء کے نمائندے مکہ معظمہ میں تھے اور جو رپورٹ نمائندگان مجالس خلافت نے اپنی واپسی پر شائع کی ہے، اس میں متعدد واقعات اس قسم کے درج ہیں کہ نجدیوں نے لوگوں سے سگریٹ پینے پر سخت کلامی کی اور بات بڑھ جانے پر ان کو مارا، ان

واقعات میں پہلا واقعہ باب السلام کے ایک کتب فروش کا تھا، جس کی مونچھیں بڑی تھیں، نجدی نے انہیں پکڑ کر کہا کہ یہ مشرکانہ مونچھیں کیسی ہیں، اس پر کتب فروش کو غصہ آگیا اور اس نے بھی سخت کلامی کی اور دونوں میں جنگ ہو گئی جس میں کتب فروش کے دو چوٹیں لگیں، نمائندگان مجالس خلافت اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ہم خود موقع پر پہنچ گئے اور اس شخص کا نام اور چوٹوں کے نشانات لکھے، اس کا بیان قلمبند کر لیا اور حافظ وہبہ گورنر مکہ کو دکھلا کر انہیں توجہ دلائی کہ وہ اس قسم کے واقعات کا انسداد کریں، دوسرے دن اسی باب السلام میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا گو وہ سگریٹ پینے کے متعلق نہ تھا اور نمائندگان خلافت نے اس واقعہ کی بھی اطلاع حافظ وہبہ صاحب کو کر دی، اس کے بعد بھی چند واقعات کا ذکر ہے، بالآخر وہ تحریر کرتے ہیں کہ ہم نے حافظ وہبہ گورنر مکہ کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ وہ بہت جلد قیام گاہ پر تشریف لائیں، تاکہ واقعات کے آئندہ انسداد کے متعلق مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے: چنانچہ اسی وقت حافظ وہبہ تشریف لائے۔ ہم نے بہت زور کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ بہت جلد انتظامات کیجیے، تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی حادثہ پیش نہ آئے، حافظ وہبہ نے سلطان عبدالعزیز سے مل کر نہایت اچھا انتظام کیا، سگریٹ فروشی کے متعلق ہم نے حافظ وہبہ سے کہا کہ آپ اس میں اصلاحات کریں اور اہل مکہ کو اس کے ترک کرنے کے لیے مفید مشورے دیں لیکن سوائے حکومت کے دوسرے شخص کو کیا حق ہے کہ وہ کسی شخص کو سگریٹ پیتا ہوا دیکھ کر اسے سزا بھی دے؟ حافظ وہبہ نے فرمایا کہ جس بدو نے کسی سگریٹ پینے والے کو مارا ہے۔ تحقیقات کے بعد اسے انشاء اللہ قرار واقعی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ کسی قانون کی خلاف ورزی کی پاداش میں کسی مجرم کو حکومت ہی سزا دے سکتی ہے، باوجود نمائندگان مجالس خلافت کی ان مساعی اور حکومت کے

ان وعدوں کے بظاہر نجد کا ہر بدو اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتا ہے کہ سگریٹ نوشی یا اسی قسم کے افعال پر لوگوں سے سخت کلامی کرے اور اگر سختی کا سختی سے جواب دیا جائے، تو ان کو مارے اور حکومت کی طرف سے مجرم کی خود سزا ہی کرے بظاہر یہ چیز اتنی عام ہے کہ جس وقت محمل کا واقعہ پیش آیا، اس کے آدھ گھنٹے کے اندر ہی جو خبر سارے منیٰ میں گرم تھی وہ یہ تھی کہ کسی نجدی نے مصری فوج کے کسی آدمی کو سگریٹ پیتے دیکھ کر اسے "اَنْتَ مُشْرِکٌ" کہا اور مارا جس پر نجدیوں اور مصری فوج میں لڑائی چھڑ گئی، واقعہ سگریٹ نوشی سے متعلق نہ تھا، لیکن بظاہر اس قسم کے واقعے اکثر پیش آتے رہتے تھے اور لوگوں نے قرینِ قیاس سمجھا کہ نجدیوں نے سگریٹ نوشی کو اپنے عقیدے کے مطابق حرام سمجھا، حالانکہ پینے والے کے مذہب میں وہ بالکل مباح تھا اور خود ہی کوتوال اور خود ہی قاضی بن کر خود ہی حدِ شرعی بھی مجرم پر قائم کر دی۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ شہدا میں دو بنگالیوں کو سگریٹ پینے پر نجدیوں نے اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے، اسی حالت میں وہ مکہ مکرمہ میں لائے گئے اور حکومت ہند کی طرف سے جو اسپتال وہاں تھا، اس میں ان بنگالیوں نے بیہوشی ہی کی حالت میں جان دے دی اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برطانوی قنصل متعینہ جدہ اس بارے میں کوئی کارروائی کر رہا ہے۔

حجاز پر فقط سلطان نجد کی نہیں بلکہ کل قوم کی بادشاہت

ہمارے دورانِ قیام میں حجاج نے متعدد بار ہم سے نجدیوں کے تعصب اور تشدد کی شکایت کی، لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ حکومت نے کسی مجرم کو بھی سزا دی ہو، ان کی پولیس نے خود ہمارے وفد کے کاتب اختر علی صاحب کو حرم شریف میں حرف

اس قصور پر گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا کہ پولیس والے حرم شریف میں سونے والوں کو بید مار مار کر اٹھا رہے تھے، تو انہوں نے محض از راہ ترحم ان کو سمجھایا کہ لوگوں کو حرم پاک میں اس طرح نہ مارنا چاہیے، اس کہنے پر پولیس والے نہایت برافروختہ ہوئے اور کہا تم بڑی وکالت کرنے والے آئے ہو، چلو تم بھی حوالات میں داخل ہو اور یہ کہہ کر انہیں حوالات میں ڈال دیا، بند کرنے کے بعد ان کی داڑھی بھی نوچی، لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی ایسے نجدی کو بھی زیادہ اختیارات استعمال کر کے اپنے نزدیک ایک سگریٹ پینے والے یا زیارت قبور کرنے والے مجرم کو سزا دی ہو حقیقت یہ ہے کہ اہل نجد کو جزئیات فقہ و عقائد میں غلو ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے آپ کو مجاز سمجھتے ہیں کہ جس چیز کو وہ غلط سمجھیں اس کی نہی سے گزر کر اس پر خود ہی ایک من گھڑت حد شرعی قائم کر دیں اور ملزم کو سزا بھی دے دیں، آج حجاز پر فقط سلطان نجد کی حکومت نہیں ہے، بلکہ علمائے نجد اور نجدی قبائل بھی حجازیوں پر حکمران ہیں، ہم نے مذہبی تعصب اور طواف وسعی و زمزم اور راستوں میں ایک حد تک مجرمانہ غفلت کے سوا اہل نجد کی کوئی اور شکایت نہیں سنی، استحصال بالجبر اور عورتوں پر دست درازی وغیرہ سے جہاں تک ہم کو علم ہے، ان کا دامن بالکل پاک ہے، لیکن اس فرق کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ اور باتوں میں اپنے قلمرو میں دول یورپ کی استعماری فوج کی طرح محکوم قوم پر اپنے کو حکمران اور اس کو اسی طرح حقیر سمجھتے ہیں اور اس اپنے خود ساختہ قانون کا نفاذ کرنے میں اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا، تو اس کے صرف یہی معنی نہ ہوں گے کہ ایک نجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہو گئی، بلکہ ایک بڑی حد تک اس کے یہ بھی معنی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک دوسری قوم کے ہاتھ میں ہو گئی، جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر بلکہ مشرک کے

گناہِ عظیم کی مجرم سمجھتی ہے اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم مجرم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح جی چاہے سزا دے لے۔ ملوکیت کی مصائب سے تو پہلے بھی ایک دنیا واقف تھی، مگر دول یورپ کے استعمار نے ہم جیسی محکوم قوموں کو ان زیادہ تکلیف دہ اور گوناگوں مصائب سے بھی آشنا کر دیا ہے، جو ایک محکوم قوم کو اس حالت میں برداشت کرنا ہوتی ہیں، جبکہ ان پر ایک دوسری قوم مسلط ہو اور بجائے ایک بادشاہ کے وہ قوم کی قوم ان پر بادشاہت کرے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دول یورپ کو صرف اپنی دنیوی برتری کا گھمنڈ ہوتا ہے اور یہاں حاکم قوم کو محکوم قوم پر تفوق دینی کا بھی غرور ہے اور اس بنا پر وہ محکوم قوم خسر الدنیا والآخرہ کے دوگونہ عذاب میں مبتلا سمجھتی ہے۔

امورِ دنیوی میں بھی عدم مساوات

دنیوی امور میں بھی حجاز کی نجدی حکومت مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتی؛ چنانچہ جہاں تک ہمیں علم ہے، نجدی حجاج سے وہ محاصل نہیں وصول کیے گئے جو باقی دنیائے اسلام کے حجاج سے وصول کیے گئے تھے اور جن کی روزافزوں اور بالکل غیر متوقع ترقی سے حجاج نالاں تھے، طواف، استلام، مقام ابراہیم پر ادائگی نوافل، زمزم، منیٰ اور سعی و رمی جمار وغیرہ میں حاکم اور محکوم قوموں میں ایک حد تک اسی طرح کا فرق نظر آتا تھا، جو ہندوستان میں گوروں اور کالوں میں نظر آتا ہے، اس حال میں باوجود موتمر کی سبجیکٹ کمیٹی کے فیصلہ کے جو قانون اسلحہ جاری کیا گیا وہ اس فرق کو صاف نمایاں کر رہا ہے۔

علمائے نجد اور عدم مساوات

یہ عدم مساوات عوام ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ علمار نجد بھی اس میں شامل ہیں۔ ہم اس موقع کو کبھی نہیں بھول سکتے؛ جبکہ سلطان کی دعوت پر بہت سے لوگ بیت بانا جد میں جمع ہوئے تھے اور بدعات کے متعلق بحث ومباحثہ ہوا تھا، مولانا عبدالحلیم رکن وفد جمعیت العلمآ نے اس موقع پر بالکل صحیح فرمایا تھا کہ بدعات صرف بنار علی القبور تک محدود نہیں ہیں، بلکہ تکفیر اہل قبلہ بھی اس میں داخل ہے اور افسوس ہے کہ بعض اہل نجد اس سے احتراز نہیں کرتے، حالانکہ وہ "تمسک بالکتاب والسنۃ" کے دعویدار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہمارا کلمہ پڑھا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہم سے ہے، اس پر سلطان نجد بہت برافروختہ ہوتے اور "انا النجدی" کہہ کر نجدیوں کی حمایت کرنے اور فرمانے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ہماری قبروں کو پوجے اور ہماری محترم ہستیوں سے دعا کرے، وہ بھی ہم میں داخل ہے؟ اس کا تو مولانا عبدالحلیم صاحب ہی نے اُسی وقت جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ اور ذبیحہ کی شرکت پر کسی اور چیز کو مستزاد بھی نہیں فرمایا تھا، مگر سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر تھا کہ شیخ عبداللہ بن بلیہد نے نہایت درشتی اور رعونت کے لہجہ میں کہا کہ اس شخص کو میرے سامنے بٹھاؤ اور جب مولانا عبدالحلیم صاحب کو قاضی القضاۃ کے سامنے ایک کرسی رکھ کر بٹھایا گیا، تو انہوں نے اسی لہجہ میں مولانا سے سوال کیا کہ عبادت کیا ہے، اس پر مولانا کفایت اللہ صاحب رئیس وفد جمعیت العلمار کو دخل دینا پڑا، مولانا نثار احمد صاحب نے بھی جو جمعیۃ العلمار کے وفد کے رکن تھے، مگر شریک وفد نہ ہو سکے۔

تھے۔ ہمیں اطلاع دی کہ عین مسجد الحرام میں ایک مباحثہ کے دوران میں انہی شیخ عبداللہ بن بلیہد نے ان کو پنکھا پھینک کر مارا، حقیقت یہ ہے کہ علماء نجد بظاہر اس کے دعویدار معلوم ہوتے ہیں کہ شریعت حقہ کا علم انہی کو حاصل ہے اور یہی نہیں کہ ان کا مذہب، مذاہب اربعہ سے بہتر ہے، بلکہ علمائے نجد کو بھی وہ علمائے احناف سے بہتر جانتے ہیں، انہی حالات سے مجبور ہو کر ہم نے مشورہ و معیت وفد جمعیت العلماء موتمر میں ایک تحریک پیش کی تھی، کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے متبعین کو ارض پاک حجاز میں عبادات مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہیے اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے اور کس مذہب میں کیا چیز داخل نہیں، اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علماء مستند و معتبر کریں اور دوسرے مذہب کے علماء اس میں مداخلت نہ کریں، گو یہ تحریک بالآخر منظور ہوئی، لیکن اس پر سخت مباحثہ ہوا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگان سلطان کو بطیب خاطر قبول نہ تھی، ہدم شدہ مبانی و مآثر کی تعمیر و تحفظ کے متعلق جو تحریک ہم نے پیش کی تھی اور جس میں خود بعض نامزدگان سلطان کے مشورہ پر ہم نے عمل کر کے ترمیم کر لی تھی، اس کو بھی نامزدگان سلطان نے ایک ہفتہ تک موتمر میں پیش ہونے نہ دیا اور یہ صرف آخری اجلاس موتمر میں بدقت تمام اور بعد خرابی بسیار پیش اور منظور ہو سکی۔

نتیجہ

ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور بھی زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگا اور شخصی، خاندانی

اور قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد و عبادات کے تصادم کا بھی اندیشہ رہے گا، اہل حجاز شریفی حکومت سے نالاں تھے، مگر اس کی وجہ حکومت کا ظلم و تعدی تھی۔ اہل حجاز موجودہ نجدی حکومت سے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی نالاں ہیں کہ اب مذہبی ظلم و تعدی کا بھی اضافہ ہو گیا ہے اور اس کے جاری رہنے کا انہیں سخت اندیشہ ہے۔ [1]

ہوس ملک گیری قیام امن کے منافی ہے

اگر ہم مطمئن ہو جائیں کہ اس طرح خوف و طمع سے قائم کی ہوئی امن پائیدار بھی ہوگی، تب بھی ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اندرون ملک کی لوٹ مار بند کرنا نہ حجاج و زائرین، نہ باشندگان حجاز کے لیے کافی ہے، کیونکہ لٹیرے قبائل کی تگ و دَو محدود ہوتی ہے، برخلاف اس کے جنگجو اور حملہ آور بادشاہوں اور دیگر ملک گیروں کی تگ و دو غیر محدود ہوتی ہے اور جو قتل و غارت ایک سکندر ایک ہلاکو، ایک چنگیز، ایک تیمور، ایک نپولین یا موجودہ زمانے کی ایک استعماری دولت متمدنہ کے مطامع اور جوع الارض کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کی قتل و غارت سے ہزاروں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ ہم نے حال ہی میں دیکھا ہے کہ برسلز کے شہر میں اس کی متمدن حکومت نے پورا امن و امان قائم کر رکھا تھا اور لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں رہتے تھے اور سفر کرتے تھے، لیکن جنگ عمومی چھڑ جانے پر ہر دو فریق کی طرف سے جو بزور آزمائی ہوئی، اس میں وہ بڑے بڑے بازار اور امراء کے سکونتی محلے جن میں خس و خاشاک کا نظر آنا بھی تقریباً ناممکن تھا، اس طرح تباہ و ویران ہو گئے کہ بڑے بڑے لٹیرے قبائل کے قتل و نہب

---

[1] مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۱۸۵ - ۱۲۲

کے باعث کوئی چھوٹا سا قریہ بھی اس سے پہلے تباہ و ویران نظر نہ آیا ہوگا، نہ معصوم سے معصوم انسان کی جان محفوظ تھی، نہ مال، بوڑھے اور بچے اسی طرح جنگ کی نذر ہوئے جس طرح کہ باقاعدہ فوج کے مسلح سپاہی اور عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت نہ کی جا سکی، آتش جنگ نے ایک لمحہ میں صدیوں کے قائم کردہ امن کو جلا کر پھونک دیا، اگر ارض پاک حجاز بزور شمشیر ملک گیری کی رزمگاہ بن گئی، تو سلطان نجد کا قائم کردہ امن و امان کس کام آئے گا؟ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ایران، عراق، شرق اردن، مصر، یمن کے تعلقات سلطان نجد سے کیسے ہیں، اگر ان کو یا ان کے حمایتیوں کو یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے ارض پاک حجاز کو اپنی تلواروں اور نیزوں کی نوکوں اور بندوقوں کی گولیوں سے لیا ہے، تو کون چیز اس کے مانع ہو سکتی ہے کہ دوسرے بھی تیغ آزمائی کر کے اسی طرح اس ارض پاک پر قبضہ کر لیں، حقیقت یہ ہے کہ سلطان نجد نے حجاز کو حجازیوں سے بھی بزور شمشیر نہیں لیا ہے، اہل حجاز کو آٹھ برس کے شریفی مظالم نے مردہ کر دیا تھا اور طائف والوں تک کو شریف حسین اور امیر علی نے دھوکہ میں رکھا کہ وہ قبائل نجد سے ان کی حفاظت کریں گے، حالانکہ دونوں طائف اور مکہ مکرمہ چھوڑ کر جدہ بھاگے جا رہے تھے، اس پر بھی جدہ بزور شمشیر نہیں لیا جا سکا، شمشیر کے ساتھ بین الاقوامی تدبیر کو بھی سقوط جدہ میں دخل تھا، لیکن یہ بھی مان لیا جائے کہ حکومت حجاز اور اہل حجاز دونوں سے سلطان نجد نے حجاز کو بزور شمشیر لیا ہے، تب بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اور مسلمان امراء و سلاطین ملک گیری کی ہوس اور شمشیر زنی کے ولولے میں تیغ آزمائی کر سکتے ہیں۔ ع

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ظاہر ہے کہ باہر کا فتنہ اس طرح فرو نہیں ہو سکتا، لیکن حجاز میں اندر کا فتنہ بھی

موجود ہے، اور وطنی فتنہ پر دینی فتنہ مستزاد ہے اور رعایا میں انقلاب کی خواہش ایک فاتح کے ذوق ملک گیری سے کچھ ہی کم قتل و غارت کا باعث ہو سکتی ہے، ہم کو اس کی کافی سے بہت زیادہ شہادت مل چکی ہے کہ اہل حجاز سلطان نجد کے ملک الحجاز بنتے وقت نہ اُن سے خوش تھے، نہ آج اُن سے اور حکومت سے خوش ہیں۔

امیر علی کی وزارت خارجہ کی ایک تحریر

ہمارے وفد کے رئیس سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جو وفد ۸ اردسمبر ۱۹۲۶ء کو جدہ گیا تھا اُس کے نام امیر علی کی وزارت خارجہ نے اپنے مراسلہ نمبر ۶۲ مورخہ ۷ ارجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ میں لکھا تھا کہ:-

"آج کے بعد سے مملکت حجاز کو موجودہ بادشاہ حجاز کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس لیے کسی کی طرف دیکھتی ہے اور حجاز نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے موجودہ بادشاہ سے آخر دم تک وابستہ رہے گا اور اس نے اپنے مستقبل زندگی کے متعلق بادشاہ مذکور کی بیعت کر کے اور دستوری حکومت کے قیام کا ارادہ کر کے اپنے متعلق قطعی فیصلہ کر لیا ہے اور یہ سخت وقت جس میں حجازی قوم نے بغیر اکراہ کے بادشاہ حال کی بیعت کی ہے، خود مملکت حجاز کی وطنی روش اور قومی خواہش پر بہترین گواہ ہے۔"

لیکن ہم نے دیکھ لیا ہے کہ امیر علی کے "آخر دم تک" وابستگی کے کیا معنی تھے اور اُن سے "بغیر اکراہ" کے بیعت کی اصلیت کیا تھی، حقیقت یہ ہے کہ جس وقت شریف حسین اور ان کی اولاد کے پنجہ ظلم و الحاد سے مملکت حجاز چھوٹی تو اس کی

وطنی روش اور قومی خواہش نے صاف گواہی دے دی ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جو گواہی اس سے پہلے دلوائی گئی تھی، وہ کس قدر جھوٹی تھی، مملکتِ حجاز آج نجدی حکومت کے پنجہ سے آزاد نہیں ہے لیکن اس کی وطنی روش قومی خواہش اور دونوں سے زیادہ اس کا مذہبی میلان صاف گواہی دے رہا ہے کہ وہ موجودہ بادشاہ حجاز سے ایک لحظہ کے لیے بھی وابستہ رہنا نہیں چاہتی اور بادشاہ حال کی بیعت بغیر اکراہ نہ تھی، ہمیں ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن ہم نے سوائے چند کے کسی کو بھی جو نجدی عقائد کا نہ تھا، موجودہ حکومت سے خوش نہ پایا، بہتوں نے اس کی بھی شکایت کی کہ جمعیت خلافت ہند ہی موجودہ حکومت کے قیام کا باعث ہوئی اور گو ہم نے ان کو مطمئن کر دیا کہ یہ خلاف واقعہ ہے، تاہم ان کی آنکھیں ہندوستان پر لگی ہوئی ہیں کہ جس طرح اہل ہند نے اپنی پوری اخلاقی قوت شریف حسین اور امیر علی کے خلاف صرف کر دی، اسی طرح موجودہ طرز حکومتِ حجاز کے خلاف بھی صرف کریں گے، ہندوستان میں یہ بھی مشہور ہوا تھا کہ سلطان نجد اہل حجاز ہی کو مختلف عہدوں پر حجاز میں مامور کر رہے ہیں اور "حجاز للحجازیین" کے اصول پر کاربند ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے عہدے ہیں، تقریباً ان سب پر نجدی یا نجدیوں کے ہم عقیدہ اشخاص کو مقرر کیا جا رہا ہے اور جو چند حجازی بعض چھوٹے عہدوں پر مامور ہیں، وہ بھی اپنی ملازمت کو عارضی سمجھتے ہیں، بلکہ بعض کو تو اندیشہ ہے کہ کہیں ملازمت ہی سے نہیں، بلکہ مملکت حجاز سے بھی خارج نہ کر دیے جائیں، موسم حج سے پہلے ایک بڑی تعداد جن میں سے کچھ ضرور شریفی حکومت کے ارکان تھے، قید اور خارج البلد کر دیے گئے تھے، لیکن صحیح تعداد کا ہم کو پتہ نہ چل سکا، نہ ان کے قصور اور موجودہ قیام کا ایک ترکی خاتون نے جو ان میں سے ایک کی مطلقہ بیوی تھیں۔ ہم سے استدعا کی ان بچوں پر رحم کھا کر جن کا ذریعہ معاش صرف ان کے سابق شوہر کی آمدنی کا ایک

حصہ تھا، ہم ان کے سابق شوہر کی رہائی کے لیے حکومت سے سفارش کریں اور کم از کم حکومت کو اسی پر رضامند کردیں کہ ان کا قصور بتا دیا جائے اور ان پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے ہم ان کے سابق شوہر کے حالات سے واقف نہ تھے اور رہائی کی سفارش کرنا ہمارے امکان سے خارج تھا، تاہم ہم نے حافظ وہبہ سے ان کے متعلق ذکر کیا، تو ہم کو بتایا گیا کہ حکومت کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے کہ یہ سب لوگ ایک سازش میں شریک تھے، جس کا منشا تھا کہ موسم حج میں انقلاب حکومت کی کوشش کی جائے اور حافظ وہبہ صاحب موصوف نے ہم کو یقین دلایا کہ ان پر باقاعدہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کسی پر بھی مقدمہ چلایا گیا یا نہیں، لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ ایک بڑی تعداد کو جلاوطن کر دیا گیا ہے، بہرحال ہماری روانگی جدہ سے دوسرے ہی دن نافذ کردہ قانون اسلحہ سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ موتمر سبجکٹ کمیٹی کے سامنے پیش شدہ نجدی تحریک سے بھی ثابت ہوتا تھا کہ حکومت حجاز کو اہل حجاز کی رضامندی پر مطلق بھروسہ نہیں ہے اور وہ اہل حجاز کو اسی طرح مرعوب وخائف رکھنا چاہتی ہے، جس طرح کہ یورپ کی استعماری دولتیں مشرقی محکوم قوموں کو مرعوب وخائف رکھتی ہیں، ان حالات میں علاوہ بیرونی حملہ آوروں کی ہوس گیری کے موجودہ حکومت حجاز کو خود باشندگان حجاز کی خواہش آزادی سے بھی سابقہ پڑتا، ہمیں لازمی معلوم ہوتا ہے اور حجاز کو موجودہ حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دینے کے یہی معنیٰ ہیں کہ اس بقعۂ مبارکہ کو ایک رزمگاہ بنا دیا جائے، جس میں مدتوں آتش جنگ مشتعل رہے، یہ خود مسلمانان عالم کو ہرگز گوارا نہ ہوگا، لیکن اس سے کہیں بدتر وہ زمانہ صلح وامن ہوگا، جو غیر مسلم استعماری دولتوں کی مداخلت کے بعد جو ایسے حالات میں یقینی ہے، بظاہر آنیوالا ہے، خدا ارض پاک حجاز کو جس کے حرموں کی حدود میں گھانس اور درخت کی ٹہنی

بھی نہیں توڑی جاسکتی اور موردِ گمس تک محفوظ ہیں، اس کشت وخون اور فساد و سفک دم سے بچاتے، اس خدا نے جس نے مکہ مکرمہ کو "بلد الامین" اقرار دیا اور جس نے تم سے وعدہ کیا کہ من دخلہ کان اٰمنا ، بیشک اس کی قدرت رکھتا ہے کہ وہ ارضِ حجاز میں امن وامان قائم رکھے ، لیکن وہ مسبب الاسباب ہے اور آج سے تیرہ سو برس بیشتر اپنے رسول پر وحی نازل فرما کر اس نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے کہ ارضِ مقدس حجاز کو کفر و شرک کی نجاست سے پاک رکھیں اور کفار کو اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں اور وہی مردِ آخر میں مبارک بندہ ہے جو کفار کے معاملہ کو روکنے کی پہلے ہی سے کوشش کرے اور کفار کی مداخلت کے سب راستے ہی بند کر دے ، دول یورپ کے داخلہ کا جو کھٹکا شریف حسین کی غداری کے بعد سے مسلمانانِ عالم کو ہر وقت لگا رہتا تھا ایک حد تک آج بھی موجود ہے، سنا جاتا ہے کہ جدہ کے تار گھر کو برطانیہ کے داخلہ کی دہلیز جلد بنایا جانے والا ہے یہ خطرہ اس قدر پریشان کن اور وحشت انگیز ہے کہ ہم کامل ثبوت پہنچنے تک صبر نہیں کر سکتے اور جو تردد اور تشویش ہم کو لاحق ہے ، اس سے اپنے ہم مذہبوں اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کو ناآشنا نہیں رکھنا چاہتے ۔ ہمارے نزدیک سلطانِ نجد کے وعدوں سے مسلمانانِ عالم کو نہ اطمینان ہو سکتا ہے نہ ان کو اطمینان ہونا چاہیئے ، یہ اطمینان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے ، جبکہ حجاز میں ایک حجازی جمہوری حکومت قائم ہو جائے اور اس پر چند ضروری امور میں مندوبین عالم اسلام کی نگرانی ہو، اسی وقت یہاں پائیدار امن قائم ہو سکے گا اور اسی وقت یہ بقعۂ مبارک آتشِ جنگ سے مامون و مصئون ہو گا ، اسی کے لیے سلطان ابن سعود نے ۲۹ شوال ۱۳۴۳ھ کو موتمر اسلامی کی دعوت دی تھی اور دعوت نامہ میں تحریر فرمایا تھا :

لجما زیلین من جهت الحکم وللعالم الاسلامی من جهة الحقوق المقد

التی لہ فی ھذا البلاد (حکومت کے لحاظ سے حجاز حجازیوں کے لیے ہے اور حقوق مقدسہ کے لحاظ سے جو دنیائے اسلام کو حجاز میں حاصل ہیں حجاز تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے لیے ہے)

اسی دعوت نامہ میں سلطان نے لکھا تھا والذی نفسی بیدہ لم ارد التسلط علی الحجاز ولا تملکہ وانما الحجاز ودیعۃ فی یدی الی الوقت الذی یختار الحجازیون فیہ لبلادھم والیا منھم یکون خاضعا للعالم الاسلامی وتحت اشراف الامم الاسلامیہ والشعوب التی ابدت غیرۃ تذکر کالھنود۔

(اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے لیے حاکم کا انتخاب کرلیں، جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی ہے، جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی طرح سے غیرت وحمیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے)

اسی دعوت نامہ میں جہاں یہ درج تھا کہ حکومت حجاز داخلی امور میں خود مختار ہوگی، وہیں یہ بھی درج تھا کہ حدود حجاز کی تعیین اور نظام مالی وعدالتی اداراتی کی حجاز کے لیے تشکیل اُن مندوبین کے لیے ہوگی، جن کو اقوام اسلام اس کا اختیار دیں گی، ہماری رائے میں سلطان نجد کا یہ ارادہ یقیناً ایسا تھا کہ وہ اس پر قائم رہتے اور آج اسی کا ان سے مطالبہ کرنا چاہیے۔

حجاز میں امن کی خاص ضرورت

ہم نے حجاز کی سرزمین کے لیے قیام امن کو سب سے بڑی ضرورت

بتایا تھا، یہ نہ صرف اس لیے کہ ہر ملک میں قیام امن سب سے ضروری ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ یہ سرزمین دنیائے اسلام کی زیارت گاہ ہے اور جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں بسایا تھا اور خداوند کریم سے ان کے لیے دعا کی تھی، تو اس رزاق نے اپنی مسبب الاسبابی سے حجاج کو ان کے رزق پہنچانے کا ذریعہ مقرر فرمایا تھا، ایک ایسے ملک میں جس کی اپنی آمدنی بہت ہی قلیل ہو اور جس کا دار و مدار تقریباً تمام تر باہر سے آنے والے حجاج پر ہو، حجاج کے آرام و آسائش کے متعلق پورا انتظام کرنا وہاں کا اولین فرض ہونا چاہیے [۱]

وفد کی رائے دربارۂ تشکیل حکومت حجاز

جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے ہمارے انتخاب کے وقت یہ فیصلہ کیا تھا کہ موتمر میں تشکیل حکومت حجاز کے بارے میں بحث نہ کی جائے اور جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، سلطان نجد نے جمعیت العلماء کے تار کے جواب میں گول الفاظ میں، لیکن پھر بھی صاف طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ موتمر میں اس مسئلہ کے پیش ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جب موتمر کا افتتاح کرتے وقت سلطان نجد نے اپنی طرف سے ۲۶ نمائندوں کو نامزد کیا اور چار اہل حدیث کو بھی موتمر میں شریک کیا اور اس طرح ۵۹ ارکان موتمر میں سے تیس ایک بڑی حد تک سلطان نجد کی رائے کے پابند ہو گئے، تو تشکیل حکومت کے مسئلہ کو تمام مسائل سے پیشتر موتمر کے پروگرام میں رکھا گیا، لیکن اس مسئلہ کا سلطان کے آخری دعوت نامہ میں نہ کہیں ذکر تھا اور نہ ہماری جمعیت نے ایک ایسی موتمر میں ہمیں اس پر

---

[۱] مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۰۱ - ۱۹۲

بحث کرنے کی اجازت دی تھی، جس کی نمائندگی ایک بڑی حد تک مشتبہ تھی، اس لیے ہم نے غیر رسمی طور پر سلطان کو اطلاع دی کہ ہم کسی ایسے مباحثہ میں شریک نہیں ہو سکتے اور اگر اس کے متعلق ان کے خطبہ افتتاحیہ میں کچھ ذکر کیا گیا، تو جمعیت خلافت کے مسلک کے مطابق ہم ان کی ملکیت کے خلاف اظہار رائے کریں گے؛ البتہ سلطان نجد کے ساتھ ملاقاتوں میں جو کچھ اس بارے میں کہا گیا ہے، وہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، رسمی طور پر ان سے اس بارے میں مزید بحث بے سود معلوم ہوتی، اس لیے کہ وہ بادشاہت چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ معلوم ہوتے تھے، اب ہم اپنے مشاہدات اور تجربات کے بعد تشکیل حکومت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت نہ قائم ہو، حکومت کسی خاص خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو، حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو، حکومت شورائی اور جمہوری ہو اور صرف ساکنان حجاز کو ارکان حکومت بنایا جائے، گو جب تک ان کو بیرونی امداد کی ضرورت ہو تمام اقطار عالم اسلامی سے بہترین مسلمان بطور عمال حکومت ملازم رکھے جا سکیں۔

عالم اسلام کی نگرانی

اس طرح حجازی حکومت داخلی امور میں خود مختار ہو گی، لیکن چند امور میں اس پر عالم اسلام کی نگرانی ہو گی، ان امور میں سب سے مقدم حجاز کو غیر مسلموں کی مداخلت سے بچانا ہے اور یہ فرض نہ صرف حجازیوں یا عربوں کا ہے، بلکہ ہر مسلمان کا ہے، جس کو یا ایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا کا بارگاہ ایزدی سے حکم ملا ہے، غیر مسلموں کی مداخلت طریقہ طریقہ سے ہو سکتی ہے، اس لیے مداخلت کو کس طریقہ سے رد کیا جائے گا

اس کی تشریح یہاں نہیں کی جاسکتی، البتہ غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات دینا بند کرنا چاہیے اور غیر مسلم دول کے قنصلوں پر کم از کم مسلم ہونے کی شرط لگائی جاسکتی ہے۔ دوسرا امر جس میں عالم اسلامی کی نگرانی لازمی ہے، ترویج شریعت اسلامیہ ہے، اس لیے کہ کسی حجازی یا عربی حکومت کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ شریعت حقہ کی خود خلاف ورزی کرے، یا اس کی خلاف ورزی جائز رکھے، البتہ ترویج حکومت کی طرف سے شریعت کے اسی حصہ کی کی جائے گی، جو تمام مذاہب اسلامیہ میں مسلمہ ہیں، جن مسائل میں مختلف مذاہب میں اختلاف ہے، ان میں ہر مسلم مجاز ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے، البتہ دوسرے مذاہب اور مذہب والوں کی توہین اور دل آزاری کی کسی کو اجازت نہ ہوگی، خواہ وہ اسے اپنے مذہب کا جز ہی کیوں نہ سمجھے، اس کے علاوہ ان تبرکات، صدقات اور اوقاف کی نگرانی بھی عالم اسلامی کے مندوبین کریں گے، جو بیرون حجاز کی طرف سے قیلے یا قائم کئے گئے ہوں، ان موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ اور امور بھی ایسے ہوں گے، جن میں عالم اسلامی کی نگرانی کی ضرورت ہوگی، لیکن اس وقت اس قدر تشریح کافی ہے، عالم اسلامی کے مندوبین اسی طریقہ پر مقرر یا منتخب کئے جاسکتے ہیں، جو موتمر اسلامی کیلئے پہلی موتمر نے منظور کیا ہے۔

اہل حجاز کی اہلیت اہل نجد سے کم نہیں، بلکہ کہیں زیادہ ہے

حجاز کے لوگوں میں انتظام ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ وہ حکومت حجاز کے چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں نجدیوں میں اہل حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آیا، بلکہ اہل حجاز کو ہم نے اہل نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا۔ [1]

---

[1] مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۱۵ ۔ ۲۱۳ ۔

باب ۷

لارنس آف عریبیا

لارنس آف عریبیا کے خفیہ چہرے

لارنس آف عریبیا عرب سیاست کا مشہور افسانوی کردار ہے۔ اسے مغربی اہل قلم نے عربوں کی آزادی کا چیمپئن بنا کر پیش کیا جو انہیں ترکوں کے "چنگل" سے نجات دلانے کے لئے از خود ان کے ساتھ آملا تھا۔ انہوں نے اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی کہ وہ برطانوی انٹیلی جنس کا عیار ترین آدمی تھا اور اسے باقاعدہ ایک عرب کی حیثیت سے عربوں میں "پلانٹ" کیا گیا تھا۔ اسے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کر کے خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے اور اسرائیل ریاست کے قیام کی راہ ہموار کرنے کا جو مشن سونپا گیا اس کی مکمل روداد خفیہ فائلوں سے اخذ کر کے پہلی [redacted] نے اپنی کتاب " [redacted] میں بیان کی ہے جس کی تلخیص زیر نظر پیش کرتے ہیں۔ یہ پہلی جنگ عظیم کا واقعہ ہے، جب سامراجی قوتیں اپنے آدمیوں کو مختلف بھیس میں دوسری قوموں میں بھیجا کرتی تھیں۔ اب انہوں نے طریق کار بدل دیا ہے۔ وہ ان قوموں کے اندر ہی اندر اپنی بساط سیاست کے مہرے تیار کرتی ہیں۔ اس روداد کو پڑھیے اور اسلامی دنیا پر نظر ڈالیے، سرخ وسفید سامراج کے کتنے ہی "لارنس" سرگرم کار نظر آئیں گے۔

۱۰ جون ۱۹۱۶ء کا دن تھا۔ مکہ کے شریف حسین نے اپنے محل کی کھڑکی سے ہوائی فائر کیا۔ یہ سگنل تھا اس بات کا کہ ترکوں کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی ہے۔ مدینہ میں پانچ روز پہلے ۵ جون کو لڑائی چھڑ چکی تھی، جہاں حسین کے چار میں سے دو بیٹے علی اور

[redacted] عرب فوجیوں کے ساتھ ترک فوج سے الگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ترک کمانڈر کو خط لکھا کہ وہ اپنے باپ کے حکم پر ترکوں سے تعلقات ختم کر رہے ہیں اور جنگ کا اعلان۔

یہ اس مہم کا نقطہ آغاز تھا جس میں آئندہ پانچ برسوں میں لارنس نے اپنے کھلے اور چھپے جوہر دکھائے۔ امریکی صحافی لاول تھامس (جس نے سب سے پہلے لارنس پر کتاب لکھ کر اسے عظیم ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا) کے بقول لارنس صحرائی رابن ہڈ تھا اور سادہ لوح عربوں کی زبان میں "غازی" جس نے بکھرے ہوئے عرب قبیلوں کو "ترکی استعمار" کے خلاف متحد کر کے دمشق پر فاتحانہ یلغار کی۔ خود لارنس نے اپنی مشہور کتاب "دانائی کے سات ستون" میں اپنی شخصیت کو مزید رومانوی رنگ و آب دیا۔ لیکن ایک رخ اور بھی تھا جسے کچھ لوگوں نے محسوس کیا، لیکن لارنس نے اسے دانستہ چھپایا۔ اگر وہ چاہتا بھی تو سرکاری سیکرٹ ایکٹ اس کا انکشاف نہ کرنے دیتا۔

حسب و نسب

لارنس کے قدیم اجداد میں سر رابرٹ لارنس کا نام سر فہرست ہے جو ساڑھے سات سو برس قبل صلیبی جنگوں میں شیر دل رچرڈ کے ہم رکاب تھا اور زمانہ قریب کے اجداد میں دو بھائیوں سر ہنری اور سر جان لارنس نے ہندوستان کی جنگِ آزادی (۱۸۵۷) کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ باپ تھامس رابرٹ چیپ مین اوسط درجے اینگلو آئرش زمیندار تھا۔ لارنس، چیپ مین کی چار بیٹیوں کی اسکاچ آیا سارا میڈن کے بطن سے تھا جس کے ساتھ ساری عمر اس کا غیر قانونی تعلق رہا۔ معاشی اور قانونی حالات نے انہیں کسی ایک جگہ ٹکنے نہ دیا۔ آئرلینڈ، ویلز، اسکاٹ لینڈ اور فرانس میں گھومنے پھرنے کے بعد انہوں نے آکسفورڈ کو اپنا مسکن بنایا۔ اسی زمانے میں چیپ مین نے اپنا نام بدل کر لارنس رکھ لیا۔ سارا سے اس کے تین بیٹے بھی تھے۔ تھامس ایڈورڈ

لارنس کا نمبر دوسرا تھا۔

تھامس ایڈورڈ لارنس نے تعلیم پہلے فرانس کے شمالی ساحل کے ایک قصبے ویرڈ میں آکسفورڈ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ بارہ برس کا تھا کہ کسی بات پر اپنے ایک ہم جماعت سے جھگڑا ہو گیا اور نوبت مار پیٹ تک جا پہنچی، جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس حادثے میں لارنس کی جسمانی نشوونما رک گئی اور اس کا قد چھوٹا رہ گیا۔ عام انگریز کا قد پونے چھ فٹ ہوتا ہے جب کہ لارنس کا قد صرف پانچ فٹ پانچ انچ تھا۔ باقی جسم کے مقابلے میں اس کا سر بہت بڑا تھا۔

ہونہار بروا

سترہ سال کی عمر میں وہ کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکلا اور کارنوال پہنچ کر رائل آرٹلری میں سپاہی بھرتی ہو گیا۔ باپ کو پتہ چلا تو وہ اسے بڑی مشکل سے واپس لے آیا۔ اب لارنس جیسس کالج آکسفورڈ میں داخل ہو گیا۔ تاریخ اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ یہاں آشمولین میوزیم کے ڈائریکٹر ڈی جی ہوگارتھ نے لارنس کی مخفی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس پر خصوصی توجہ دی۔ آثارِ قدیمہ اس کا خاص مطالعاتی میدان تھا اور وہ مختلف مہموں پر ایشیائے کوچک، قبرص اور مصر بھی گیا۔ ماہر آثارِ قدیمہ ہونے کے علاوہ وہ پولٹیکل انٹیلی جنس کا آفیسر بھی تھا، اور شرق اوسط سے متعلق امور پر خصوصی نظر رکھتا تھا۔ ہوگارتھ نے ایک تنظیم "راؤنڈ ٹیبل" تشکیل دی، جس کے ارکان میں بڑے بڑے اخباروں کے ایڈیٹر اور انتہائی اہم عہدیدار حتیٰ کہ پرائم منسٹر تک شامل تھے۔ لارنس نے ہوگارتھ کے واسطے سے راؤنڈ ٹیبل کے عزائم جذب کیے جو عرب میں اس کے کام کا بڑا محرک ہے۔

انگریزوں میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہ تھا جو سلطنتِ عثمانیہ کے بارے میں ہوگارتھ کو چیلنج کر سکتا۔ جنگ شروع ہونے سے برسوں پہلے بظاہر ماہر آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے وہ سلطنتِ عثمانیہ کے علاقوں میں گھوما پھرا، لیکن درپردہ وہ سیاسی اور فوجی نوعیت کی

معلومات جمع کرتا رہا۔ ہوگارتھ نے جلد ہی اپنے شاگرد کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ لارنس قرون وسطیٰ کی تاریخ اور فن سپہ گری میں خصوصی دلچسپی لینے لگا۔ چھٹیوں میں وہ فرانس، انگلینڈ اور ویلز کے قلعوں اور جنگی میدانوں کا مطالعہ کرتا، نقشے بناتا اور فوٹو لیتا۔

پراسرار سفر

آکسفورڈ کے زمانے ہی میں لارنس نے خود کو انٹیلی جنس ایجنٹ کی حیثیت سے تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے جسم کو قدرتی مصائب اور آفات برداشت کرنے کی تربیت دینے لگا۔ کئی کئی دن کچھ نہ کھاتا، شدید جاڑوں میں پیدل لمبے لمبے سفر کرتا، سائیکل پر لگاتار سواری کرتا، یہاں تک کہ تھک کر گر پڑتا۔ یوں وہ اپنی قوت برداشت بڑھا رہا تھا۔

۱۹۰۸ء میں لارنس نے اپنے تحقیقی مقالے کے لئے "مشرق وسطےٰ میں صلیبیوں کا ملٹری آرکیٹیکچر" کا موضوع منتخب کیا، جس کے لئے ہوگارتھ نے بھی خصوصی سفارش کی۔

جون ۱۹۰۹ء میں وہ مشرق وسطیٰ روانہ ہوگیا۔ اس کے پاس ہوگارتھ کی ہدایات پر مشتمل ایک شیٹ، ایک طاقتور ٹیلی فوٹو لینز والا کیمرہ، ایک پستول، ایمونیشن اور سلطان ترکی کے نام لارڈ کرزن کے سفارشی خطوط تھے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے لارنس نے آکسفورڈ میں شامی پادری سے عربی سیکھ لی تھی اور چارلس ڈاؤٹی سے بھی مل چکا تھا جو عرب علاقوں کی سیاحت کی وجہ سے مشہور تھا۔ مشہور انٹیلی جنس آپریٹر ہیری گورڈن نے جو مشرق وسطیٰ میں متعین تھا، اسے کچھ نقشے فراہم کئے۔

لارنس چھ جولائی کو بیروت پہنچا اور شام کے ایک ہزار میل لمبے پیدل سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس وقت شام میں موجودہ اسرائیل، اردن اور لبنان کے علاقے بھی شامل تھے۔ راستے میں وہ صلیبیوں کے قلعے کا مطالعہ کرتا رہا۔ بیروت سے وہ سیدون پہنچا، وہاں سے بانیاس، صفد، طبریہ، ناصرہ اور حیفا ہوتا عکہ اور صور کے راستے واپس سیدون پہنچ گیا۔ پھر شمال میں طرابلس کا رخ کیا۔ وہاں سے لاذقیہ، انطاکیہ، حلب، عرفہ

اور حران کا دورہ کرنے کے بعد دمشق میں وارد ہوا۔

اس سفر کی تین باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک موقع پر کسی بدو نے لارنس کو پیٹا اور اس کی گھڑی، پستول اور نقدی چھین لی۔ ایک گڈریے نے مداخلت کر کے اس کی جان بچائی۔ لارنس کی شکایت پر ترک افسروں نے بدو کو گرفتار کر لیا۔ اس کا سامان واپس دلوایا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس سفر میں لارنس نے اپنے ایک خط میں فلسطین پر تبصرہ کیا۔ اس نے لکھا: "یہودی جتنی جلدی اس سرزمین پر قبضہ کر لیں گے ان کے لئے بہتر ہوگا"۔

تیسری بات یہ کہ اس نے عام بدوؤں کی بول چال، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کے انداز اور دوسرے عادات و اطوار سیکھ لیے۔

جاسوسی کے انداز

آکسفورڈ واپس پہنچ کر لارنس نے اپنا تحقیقی مقالہ داخل کر دیا اور اسے تاریخ میں فرسٹ کلاس آنرز کی ڈگری مل گئی۔ ۱۹۱۰ء میں وہ آکسفورڈ سے فارغ ہوا اور ہوگارتھ نے اسے ماگڈالین سے وظیفہ دلوا کر ایشیائے کوچک میں قرقمش کے مقام پر آثارِ قدیمہ کی کھدائی کی مہم میں اپنے ساتھ شامل کر لیا، جس کی وہ برٹش میوزیم کی طرف سے نگرانی پر مامور تھا۔

ہوگارتھ کی آثارِ قدیمہ کی یہ مہمیں بڑی پراسرار تھیں، وہ ہمیشہ سیاسی یا فوجی نقطۂ نظر سے اہم مقامات کا انتخاب کرتا۔ اس کی ان "آثارِ قدیمہ" سے متعلق "سرگرمیوں" کے لئے حکومت کے مختلف ادارے سرمایہ فراہم کرتے۔ گویا اس کی سرگرمیاں آج کل کے کلچرل فاؤنڈیشن سے مشابہ تھیں، جن کی سرپرستی اور مالی مدد امریکن سی آئی اے کرتی ہے۔

یورپ کا مردِ بیمار

مشرقِ وسطیٰ جس میں ہوگارتھ اور اس کا شاگرد لارنس سازشوں کا جال بچھانے والے تھے، گزشتہ چار صدیوں سے سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ نگین تھا۔ وہی سلطنتِ عثمانیہ جس کی سطوت تین بڑے بر اعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ پر چھائی ہوئی تھی جس کی حدیں ایڈریاٹک سے عدن تک اور مراکش سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھیں اور جس کے جرنیلوں کی فوجی ذہانت اور سپاہیوں کی شجاعت نے یورپ میں اس کی سرحدیں وی آنا کے دروازے تک پہنچا دی تھیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں مغربی ملکوں میں صنعتی انقلاب آیا اور اس کے ساتھ ہی سلطنتِ عثمانیہ میں توڑ پھوڑ شروع ہوگئی اور پھر وہی عیسائی مملکتیں جو کبھی ترکی کی شوکت اور سطوت سے سہمی سہمی رہتی تھیں، اب اسے کمزور دیکھ کر بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑیں۔ فرانس نے الجزائر، تیونس اور مراکش چھین لئے۔ برطانیہ نے مصر میں پنجے جمائے۔ آسٹریا نے ہنگری کے ساتھ مل کر بوسینیا اور ہرزی گووینیا ہتھیا لیا۔ اٹلی نے لیبیا میں دانت گاڑے اور بلقان کے صوبے بغاوت اور سازشوں کے ذریعے الگ ہوگئے۔ ۱۸۵۳ء میں زارِ روس نکولس اوّل نے یہاں تک کہہ دیا: "ہمارے سامنے ایک بیمار شخص ہے جو کسی بھی وقت اچانک مرسکتا ہے۔" بیسویں صدی میں یورپی طاقتوں کو ترکی کی موت متوقع نظر آرہی تھی اور وہ گدھوں کی طرح اس کے اوپر منڈلا رہی تھیں۔

یورپی طاقتوں کے مفادات

برطانیہ، فرانس، روس اور جرمنی اپنے اپنے مفادات کا جائزہ لے رہے تھے۔ برطانیہ کے مفادات سب سے جداگانہ تھے۔ سلطانِ ترکی چونکہ تمام مسلم دنیا کا خلیفہ کہلاتا تھا۔ انڈیا میں برطانیہ کے زیرِ نگین سات کروڑ مسلمان تھے اور خدشہ تھا، اگر سلطانِ ترکی نے جہاد کا اعلان کردیا، تو یہ مسلمان رعایا اس کی حمایت میں انگریزوں سے برسرِ پیکار ہوجائے گی۔ برطانیہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ سلطنتِ ترکی قائم رہے، کیونکہ اس کے خاتمے

کی صورت میں جو خلا پیدا ہوتا وہ اس کے لئے کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ ترکی کی امکانی تباہی کے پیش نظر برطانیہ کو اپنے فوجی اور معاشی مفادات کا بھی تحفظ کرنا تھا اور اس کا انحصار ہندوستان کے ساتھ رابطہ برقرار رہنے پر تھا جہاں اس کی آدھی فوج موجود تھی اور جو برطانوی مصنوعات کی سب سے بڑی اور بہترین منڈی تھا۔ مزید برآں ہندوستان کے ساتھ تجارت اور دوسرے روابط میں نہر سویز شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی اور سویز پر کنٹرول اسی صورت میں ممکن تھا جب شام اور جزیرہ نمائے عرب، برطانیہ کے زیر نگیں ہوں۔

فرانس کے فوجی اور سیاسی مفادات شام سے وابستہ تھے۔ جرمنی اپنی وسعت پذیر معیشت کے پیش نظر عراق عرب (میسوپوٹیمیا) کو "جرمن انڈیا" میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور روس نے آرمینیا اور قفقاز پر قبضہ کرنے کے بعد گرم پانیوں تک رسائی کے لئے استنبول کی بندرگاہ پر نظریں جما رکھی تھیں۔

مشرق وسطیٰ میں یورپی طاقتوں کی دلچسپی کا ایک اور زبردست محرک تیل تھا۔ اگرچہ دنیا پر تیل کی اصل اہمیت جنگِ عظیم اوّل کے آخر میں آشکار ہوئی، مگر برطانوی ماہرین نے ۱۹۰۴ء ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ جنگی جہازوں کے لئے کوئلے کے مقابلے میں تیل کہیں زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ برٹش پٹرولیم کمپنی ایران میں تیل دریافت کر چکی تھی۔ اس کمپنی میں چرچل کا حصہ تھا۔ دوسری طرف جرمنی بھی بڑی سرگرمی سے مشرق وسطیٰ میں تیل تلاش کر رہا تھا۔ سلطان ترکی نے جرمن افسروں اور ماہرین کی مدد سے ۱۸۸۰ء سے ترک فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنا شروع کر دیا تھا اور ترکی تیزی سے شاہراہِ ترقی پر گامزن تھا۔ ۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید کو اقتدار سے الگ کر دیا، تاہم انہوں نے مغربی طرز پر ملک کی تعمیر و ترقی جاری رکھی۔ جرمن ماہرین کی مدد سے برلن بغداد ریلوے لائن کی تعمیر شروع ہو گئی اور مشرق وسطیٰ میں تیل کی تلاش

کی کوششیں بھی تیز کر دی گئیں۔

دوسری طرف افغانستان، ایران، میسوپوٹیمیا (عراق عرب) شام اور خلیج فارس میں بظاہر قونصلوں، سیاحوں، تاجروں اور ماہرین آثارِ قدیمہ کے بھیس میں برطانوی ایجنٹ سرگرمِ عمل تھے جو بری افواج، بحریہ، دفترِ خارجہ، انڈیا آفس اور انٹیلی جنس سروس کے لیے معلومات جمع کر رہے تھے۔ ان ایجنٹوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں۔

گرفتاری اور رہائی

اسی فضا میں، مشرقِ وسطیٰ کی سیاست میں لارنس نمودار ہوا۔ وہ وسط دسمبر ۱۹۱۰ء میں استنبول کے راستے قرقمش پہنچا۔ یہاں کھدائی کی ابتدا ۱۸۷۰ء میں ہوئی تھی، لیکن خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے اور منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ پھر جونہی برلن بغداد ریلوے فرات تک پہنچی، انگریزوں نے ترکوں کو مطلع کر کے اچانک از سرِ نو کام شروع کر دیا۔ جب انگریز "ماہرین آثارِ قدیمہ" کی ٹیم ہوگارتھ کی سرکردگی میں قرقمش پہنچی، جرمن انجنیئر دریائے فرات پر پل تعمیر کر رہے تھے؛ چنانچہ ٹیم کے بیشتر ممبر جرمنوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہے۔ اس طرح انگریز اس مہم سے دوہرا مقصد حاصل کر رہے تھے۔ اپریل ۱۹۱۱ء میں ہوگارتھ نے "مہم" لارنس کے سپرد کی اور خود لندن واپس چلا گیا۔ قرقمش میں کھدائی کا اصل مقصد کیا تھا؟ اس کا پتہ لارنس کے ان خطوط سے چلتا ہے جو اس نے اس زمانے میں ہوگارتھ اور اپنی والدہ کو لکھے۔ ۲۳ مئی ۱۹۱۱ء کو اس نے اپنی والدہ کو لکھا:۔

"میرا کیمرہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے اور ٹیلی فوٹو میلوں دور تک ننگی آنکھوں سے بہتر کام کر رہا ہے"۔

خیال رہے یہ اس زمانے کا ذکر ہے، جب فوٹوگرافی ابھی ابتدائی دور میں تھی اور ٹیلی لینز بہت مہنگے تھے اور شاذ و نادر استعمال ہوتے تھے، پھر لارنس میلوں دور

سے آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے مقام پر کس چیز کے فوٹو لے رہا تھا؟ ۲۴ جون ۱۹۱۱ء کو اس نے ہوگارتھ کو لکھا:-

"میں سرما یہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مقامی دیہاتوں کی عربی بولی بھیس بدلنے میں میری معاون ہوگی"۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لارنس کو بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟

لارنس کی پراسرار سرگرمیوں کی بھنک ترکوں کو بھی پڑ گئی اور وہ اسے شک و شبے کی نظر سے دیکھنے لگے، اس کا اظہار لارنس کے ایک خط سے ہوتا ہے جو اس نے ۱۹۱۲ء میں ہوگارتھ کو لکھا۔

گرمیوں کے موسم میں جب کھدائی بند ہو جاتی، تو لارنس، داہوم اور حمودی کی ہمراہی میں لمبے لمبے سیر سپاٹے شروع کر دیتا۔ ایک دفعہ وہ اونٹ، کشتیوں میں سوار کر کے دریائے فرات کے پار لے گیا اور وہاں سے ان پر بیٹھ کر پورٹ سعید چلا گیا، جہاں کچھ عرصے قیام کیا۔ لارنس کے بیان کے مطابق اس سفر میں ترکوں نے اسے اور داہوم کو ترک فوج کے بھگوڑے سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قید میں ڈال دیا اور انہوں نے محافظ کو رشوت دے کر رہائی پائی۔

عورت کے بھیس میں

۱۹۱۳ء کی گرمیوں میں لارنس انگلینڈ واپس چلا گیا۔ داہوم اور حمودی بھی اس کے ہمراہ تھے، ان کی واپسی موسم خزاں میں ہوئی۔ اگلے برس جنوری میں ہوگارتھ کی ہدایات پر لارنس اور لیونارڈ وولی، برطانوی فوج کے کیپٹن ایس ایف نیو کومب کی سرکردگی میں صحرائے سینا کے سفر پر روانہ ہوئے۔ مقصد فوجی جاسوسی تھا۔ داہوم بھی لارنس کے ساتھ تھا، انہوں نے صحرا میں چھ ہفتے سفر کیا اور راستوں اور آبی ذخائر کے نقشے تیار کیے۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ وہ اس راستے کا کھوج لگانا چاہتے ہیں، جس پر ایک

مشہور روایت کے مطابق اسرائیل چالیس برس تک صحرا میں بھٹکتے پھرے تھے.

عقبہ میں ترک حکام نے اس پارٹی کو قصبے کے نزدیک آنے کی اجازت نہ دی، لیکن لارنس نے خانہ بدوش عورت کا بھیس بدلا اور وا ہوم کے ساتھ چپکے سے ترک لائن پار کر کے جلدی جلدی علاقے کا سروے کر لیا۔ سفر کے اختتام پر لارنس قرقمش واپس آگیا۔ پھر نیوکومب کی تحریک پر لارنس اور وولی، طوروس کے پہاڑوں میں جرمنوں کی تعمیر کردہ سڑک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے چل پڑے، جس کے ذریعے برلن، لغداد ریلوے کا تعمیراتی سامان پہنچایا جا رہا تھا۔ اس سفر میں ان کی ملاقات ایک اطالوی انجنیئر سے ہو گئی جسے جرمنوں نے شبہے کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ اس انجنیئر سے انہیں ریلوے سے متعلق آئندہ منصوبوں کا پتہ چلا۔

جون ۱۹۱۴ء کو لارنس لندن چلا گیا جہاں لارڈ کچنر نے جو اس وقت مصر میں برطانیہ کا ایجنٹ اور کونسل جنرل تھا، اسے اور وولی کو سینائی کے سروے کی رپورٹ لکھنے کے لئے کہا۔

ایک جاسوس کی موت

۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگِ عظیم اوّل چھڑ گئی۔ ۲۹ اکتوبر کو ترکی نے روس پر حملہ کر دیا۔ لارنس، نیوکومب، جارج لائڈ، وولی اور ایوبرے ہربرٹ ملٹری انٹیلی جنس آفس میں اپنی ڈیوٹی سنبھالنے کے لئے قاہرہ چل پڑے۔

قاہرہ آئے چند روز ہوئے تھے کہ لارنس کی ملاقات سترہ سالہ عیسائی نوجوان چارلس بوطغی سے ہوئی۔ وہ حیفا کا رہنے والا تھا۔ اطالوی جہاز میں فلسطین سے بھاگ کر پورٹ سعید پہنچا اور وہاں سے قاہرہ۔ یہاں اس نے برطانوی فوج کو ترکوں کی پوزیشنوں سے متعلق معلومات فراہم کیں۔ اس صلے میں اسے انٹیلی جنس میں ترجمان رکھ لیا گیا۔ لارنس نے اپنا تعارف ملٹری انٹیلی جنس سے وابستہ لیفٹیننٹ کی حیثیت

سے کرایا اور بتایا کہ اس کا تقرر بحیثیت ترجمان منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب اسے میرا ایجنٹ بن کر کام کرنا ہوگا۔

اگلے روز لارنس نے چارلس کو برٹش انٹیلی جنس ایجنٹ کی حیثیت سے حیفا واپس جانے اور ترکوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ جتنی رقم کی ضرورت ہو وہ فراہم کرے گا، مگر چارلس نے اپنے بجائے اپنے باپ کی خدمات پیش کیں جو ابھی تک حیفا میں تھا۔ لارنس مان گیا اور ایک خاتون کے ذریعے چارلس کے باپ سے پیغام رسانی شروع کر دی۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ چارلس کا باپ ساحل پر مشکوک حالات میں گھومتا ہوا پکڑا گیا، مقدمہ چلا اور اسے جاسوسی کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔

گھٹنے ٹیک دیئے

۱۹۱۶ء کے آغاز میں لارنس کو ایک نہایت اہم اور خفیہ مشن پر عراق بھیجا گیا۔ اس کے ذمے ترک فوجوں کے کمانڈر انچیف سے رابطہ پیدا کرنا اور اسے دس لاکھ پونڈ رشوت دے کر محصور برطانوی فوج کو چھڑانا تھا۔ جنرل ٹاؤن سینڈ کی کمان میں برطانوی افواج کو ترک فوجوں نے مار بھگایا تھا اور وہ قوط میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ ترک فوج نے جس کی کمان خلیل پاشا کر رہا تھا، قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ دس ہزار سپاہیوں کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا، انگریزوں نے انہیں بچانے کے لئے فوج بھیجی، لیکن خونریز لڑائیوں کے باوجود انگریز، ترکوں کا محاصرہ نہ توڑ سکے۔ جنگی چالوں سے مایوس ہو کر برطانوی وزیر مملکت، برائے جنگ، نے سیاست لڑانے کا فیصلہ کیا۔ برطانوی وزیر مملکت برائے جنگ کچنر نے خلیل پاشا کو خریدنے کی تجویز پیش کی۔ ۲۹ مارچ کو جنرل رابرٹسن نے قوط کے قریب جنرل آفس کمانڈنگ فورس "ڈی" کو مندرجہ ذیل تار بھیجا:۔

"کلیٹن دی لائن ۹۵-۱۴ صفر انتہائی خفیہ اور ذاتی - کیپٹن لارنس تم سے مشورہ کرنے کے لئے ۳۰ مارچ کو بصرہ پہنچ رہا ہے اور اگر ممکن ہوا، تو وہ عراق میں متعین عثمانی فوج کے کسی کمانڈر مثلاً خلیل پاشا یا نجیب کو خریدنے کی کوشش کرے گا، تاکہ ٹاؤن سینڈ کو محاصرے سے نکالا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے تمہیں دس لاکھ پونڈ تک رقم خرچ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے، چونکہ فوری طور پر رابطے کے لئے کوئی مقامی فرد نہیں مل سکا۔ اس لئے اکیلے لارنس کو یہ مشن سونپا گیا ہے۔ تاہم ممکن ہے بصرہ میں اس مقصد کے لئے کوئی معاون مل جائے۔"

لارنس ۲۲ مارچ کو قاہرہ سے روانہ ہوا۔ کویت سے جہاز تبدیل کیا اور بصرہ میں مختصر قیام کے بعد دریائے دجلہ میں لنگر انداز ایک اسٹیمر میں قائم ہیڈ کوارٹر کو اپنے آنے کی رپورٹ دی۔ مقامی برطانوی جنرل، ترکوں کو رشوت پیش کرنے کے حق میں نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ہتھیار ڈالنے سے کہیں زیادہ ذلیل اور شرمناک حرکت ہوگی، جس سے برطانوی فوج کا مورال گر جائے گا اور دشمن سے اتحادی طاقتوں کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کرے گا، لیکن چونکہ لارنس مشن کے احکام چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کی طرف سے بھیجے گئے تھے، اس لئے وہ بادلِ ناخواستہ خاموش رہے، تاہم دو جرنیلوں نے لارنس کو الگ لے جا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مشن ایک سپاہی کے وقار کے منافی ہے۔ لارنس نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے اور کہا کہ انہیں اس کے معاملے میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایوبرے ہربرٹ (جو خود بھی انٹیلی جنس میں تھا) کے ساتھ مل کر لارنس نے خلیل کو دس لاکھ پونڈ کی رشوت پیش کی اور بعد میں بڑھا کر دگنی کر دی، لیکن خلیل نے یہ پیشکش پائے حقارت سے ٹھکرا دی۔ ٹاؤن سینڈ کے لئے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔

ہتھیار ڈالنے کے موقع پر لارنس اور ہربرٹ بھی موجود تھے۔ یہاں بھی لارنس

نے جنرل کا کردار ادا کیا۔ ہربرٹ کے ہمراہ خلیل پاشا سے ملا اور ہتھیار ڈالنے کے انتظامات طے کئے۔ بعد ازاں لارنس نے خلیل پاشا سے اپنی ملاقات کی خفیہ رپورٹ وار آفس اور دفتر جنگ کو ارسال کی۔

خفیہ ہدایات

لارنس کا بنیادی مقصد ناکام رہا تھا، لیکن وہ در اصل صرف اسی کام کے لئے میسوپوٹیمیا نہیں آیا تھا۔ نئے قائم شدہ عرب بیورو میں کرنل کلیٹون اور دوسرے انگریز افسر عرب نیشنلزم کو برطانوی مفادات تابع بنانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ لارنس ابھی بصرہ ہی میں تھا کہ اسے قاہرہ سے خفیہ ہدایات ملیں: "عرب بغاوت کے منصوبے پر عملدرآمد کا وقت آگیا ہے۔ قاہرہ میں کارآمد نیشنلسٹ لیڈر خاصی تعداد میں جمع کرلئے گئے ہیں اور انہیں خصوصی مشن پر بصرہ بھیجنے کا منصوبہ بنالیا گیا ہے ..... سب سے اہم چیز (لوگوں سے راہ و رسم بڑھانے، انہیں خریدنے، اور تمام متعلقہ امور کے لئے) روپیہ ہوگا۔"

لارنس نے ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا۔ عثمانی پارلیمنٹ کے ایک رکن سلیمان فیضی کا بیان ہے: "لارنس نے مجھے فوج اکٹھی کر کے ترکوں کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور اس خدمت کے صلے میں بے انتہا سونا مہیا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن میں نے پیش کش ٹھکرادی۔"

لارنس کس قدر اہمیت اور لامحدود اختیارات کا مالک تھا اس کا اندازہ اعلیٰ حکام کے اس خط سے ہوسکتا ہے جو اسے بصرہ میں بھیجا گیا:

"جنرل میک موہن بصرہ آرہا ہے۔ ہم نے اس سے گفت و شنید کی ہے اور اس نے تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، وہ تمہارے متعلق سب کچھ جانتا ہے: تاہم اگر وہ تمہاری مدد کرنے میں سستی کرے، تو بلا جھجک ہمیں اطلاع دے دو۔"

تصویر کا بھیانک رُخ

لاول تھامس نے اپنی کتاب میں لارنس کی بڑی شاندار تصویر کھینچی ہے۔ اس طرح فلم "لارنس آف عریبیا" میں اسے عربوں کی جدوجہد آزادی کا چمپیئن ثابت کیا اور دکھایا گیا ہے کہ اس نے کس طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے حریف عرب قبائل کے باہمی اختلافات کی آگ بجھائی اور انہیں متحد کر کے ایک قوم میں بدلنے کی کوشش کی حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لارنس کی اپنی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ بغاوت کا مقصد شروع ہی سے عربوں پر برطانیہ کا کنٹرول قائم کرنا اور ایسے حالات پیدا کرنا تھا کہ عربوں کے اختلافات ختم نہ ہوں اور نہ وہ کبھی متحد ہو سکیں۔

جنوری ۱۹۱۶ء میں لارنس نے ایک خفیہ پیپر تحریر کیا، جس کا عنوان تھا "مکہ کی سیاست" اس زمانے میں وہ جنرل اسٹاف انٹیلی جنس قاہرہ میں برائے نام سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا، اس میں عرب بغاوت کے بارے میں اس نے لکھا:۔

"حسین کی سرگرمیاں ہمیں مفید نظر آتی ہیں، کیونکہ یہ ہمارے فوری مقاصد سے ہم آہنگ ہیں اور وہ مقاصد ہیں، اسلامی بلاک کی شکست اور سلطنت عثمانیہ کا انتشار۔ ترکوں کے رخصت ہونے کے بعد جو ریاستیں قائم کرے گا، وہ ہمارے لئے اسی طرح بے ضرر ہوں گی، جس طرح جرمنی کا آلۂ کار بننے سے پہلے ترکی تھا۔ عرب، ترکوں کے مقابلے میں کم مستحکم ہیں۔ اگر انہیں مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے، تو یہ سیاسی لحاظ سے ایک رنگ برنگی مجموعہ بنے رہیں گے۔ چھوٹی چھوٹی حریص ریاستیں کبھی متحد نہ ہو سکیں گی، لیکن کسی بھی بیرونی طاقت کے خلاف باہم مل کر اقدام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گی"۔

عربوں کے مستقبل کے بارے میں یہ خیالات برطانیہ کے ان وعدوں کے برعکس تھے، جو اس نے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے کئے تھے۔ لارنس کو اصل

حقیقت کا علم تھا اور یہ چیز اس کے ضمیر کو کچوکے دے رہی تھی، چنانچہ وہ "دانائی کے سات ستون" میں رقمطراز ہے:۔

"مجھے نظر آتا تھا کہ اگر ہم نے جنگ جیت لی، تو عربوں سے ہمارے وعدوں کی حیثیت کاغذی پرزوں سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ اگر میں ایک معزز مشیر ہوتا، تو اپنے آدمیوں کو حکم دیتا کہ وہ ہتھیار پھینک کر گھروں کو چلے جائیں۔ انہیں ایک سراب کے پیچھے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہ دیتا، مگر مشرقی محاذ جنگ جیتنے کے لئے عرب تحریک ہمارا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔"

یہ شاطر انگریز مزید لکھتا ہے: "فراڈ کا خطرہ مول لینا ہی پڑا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ مشرقی محاذ پر جلدی اور سستی فتح کے لئے عربوں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ کہ فتح حاصل کرنا اور وعدے توڑنا ہار جانے سے بہتر ہے۔"

مال غنیمت کی فکر

فروری ۱۹۱۵ء میں سینائی سے نہر سویز تک ترکوں کی ابتدائی کامیاب پیش قدمی سے کچنر کو یقین ہو گیا تھا کہ جنگ کے بعد روس اور فرانس مشرقی بحیرۂ روم میں موجود رہے، تو وہ مصر، نہر سویز اور آخر کار ہندوستان کے لئے خطرہ بن جائیں گے، چنانچہ مصر اور نہر سویز کی حفاظت کے لئے پیشگی اقدامات ضروری تھے۔

لائڈ جارج اس مقصد کے لئے فلسطین کو بہتر سمجھتا تھا۔ یہاں بندرگاہ حیفا کی سہولت میسر تھی اور پھر میسوپوٹیمیا سے بذریعہ ریل رابطہ بھی قائم تھا۔ ابھی اس مسئلے پر بحث و تمحیص جاری تھی کہ برطانوی مدبرین کا نقطۂ نظر واضح تر ہونے لگا۔ وہ یہ کہ اگر عرب علاقے تقسیم کئے گئے، تو برطانیہ خالی ہاتھ رہنا پسند نہیں کرے گا۔ ایسکوئتھ نے لکھا ہے:۔

اگر ہم نے دوسری قوموں کو ترکی کے حصوں پر چھینا جھپٹی کے لئے آزاد چھوڑ

دیا) اور خود تماشا دیکھتے رہے) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے قومی فرض کو پس پشت ڈال دیا ہے"۔

چرچل اس معاملے میں سب سے زیادہ پرجوش تھا، اس نے کہا: "برطانیہ کو اس مالِ غنیمت سے اپنا مناسب حصہ وصول کرنے کی تیاری کرنی چاہیئے"۔

جنگی چالیں

مئی ۱۹۱۵ء میں ایسکویتھ کی سربراہی میں مخلوط حکومت قائم ہوئی۔ ترکی پر اتحادیوں کا حملہ گیلی پولی میں سخت ہزیمت سے دوچار کیا۔ اس کے بعد اتحادیوں، خصوصاً برطانیہ نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر لی۔ اب برطانیہ کا رخ مشرقِ وسطیٰ کی طرف تھا، جہاں اس کے دو بڑے محکمے انڈیا آفس اور فارن آفس مصروفِ عمل تھے، لیکن ان دونوں کی پالیسی متضاد تھی۔ فارن آفس ترکی کے خلاف عرب قومیت کو پروان چڑھا رہا تھا، جب کہ انڈیا آفس، ہندوستانی مسلمانوں کی ترکی سے ہمدردی کے پیشِ نظر فارن آفس کی اس پالیسی کا سخت مخالف تھا۔

اسی فضا میں "لارنس، ہوگارتھ منصوبہ" منظرِ عام پر آیا، یعنی سلطنتِ برطانیہ کے زیرِ اثر عرب ریاست کا قیام۔ اہم مسئلہ یہ تھا کہ ترکوں کے خلاف خروج کے لیے کون سا عرب موزوں رہے گا۔ اس پس منظر میں انگریزوں کی نگاہِ انتخاب حسین، شریف مکہ پر پڑی۔ وہ واحد شخص تھا جسے عربوں میں اعلیٰ مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے بھی تھا اور مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات کا محافظ بھی۔ مکہ کا شریف اعظم بننے سے قبل وہ سترہ برس یرغمالی کی حیثیت سے استنبول میں گزار چکا تھا اور سلطنتِ عثمانیہ کے بیشتر لیڈروں کو جانتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ تنہا عرب لیڈر تھا جس کی شہرت (حاجیوں کے انتظامات کے نگران کی حیثیت سے) عرب سے باہر کی مسلم دنیا میں بھی تھی اور اس کا امکان تھا کہ بیشتر عرب قوم

پرست اس کی سرداری قبول کرلیں گے۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ اگر حسین برطانیہ کی مدد سے ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، تو وہ کامیابی سے سلطان ترکی کے اتحادیوں کے خلاف اعلان جہاد کا اثر زائل کر سکے گا جو بصورت دیگر برطانیہ، فرانس اور روس کے مسلم مقبوضات کی کروڑوں مسلم رعایا میں بے چینی اور بغاوت پیدا کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے لارنس کی نظروں میں صرف حسین ہی موزوں عرب تھا۔ اس نے ۱۹۱۶ء کے آغاز میں ایک طویل میمورنڈم لکھا، جس میں عرب بغاوت کا پورا مقصد، سیاست، اسٹریٹجی اور چالوں کا تذکرہ تھا۔ جنگ کے بعد برطانیہ کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں، لارنس نے وہ بھی بیان کر دیئے تھے:

"اس جنگ کا اگر کوئی نتیجہ برآمد ہوا، تو وہ یہ کہ سلطان (ترکی) کی مذہبی برتری ختم ہو جائے گی۔ انگلینڈ اب کوئی نیا خلیفہ نہیں بنا سکتا، جیسا کہ اس نے مصر کے لئے نیا سلطان بنا دیا تھا..... یہ تو ایسے ہی ہوگا جیسے جاپان رومن کیتھولک چرچ کے لئے نیا پوپ مقرر کر دے۔ پھر حقیقی عرب یہاں تک کہ شامی بھی ڈھیلے منہ والے مصریوں کو پسند نہیں کرتے۔

سلطان ترکی کا متوقع حریف اور خلافت کا سب سے موزوں امیدوار شریف مکہ ہو سکتا ہے، جو گزشتہ کئی برسوں سے عرب اور شام میں سرگرم عمل ہے اور عرب کے سیاہ و سفید کا مالک ہونے کا مدعی۔ اسے صرف ترکی سے ملنے والی رقم اور ترک افواج نے اعلان خود مختاری سے باز رکھا ہے، لیکن ہم مصر یا ہندوستان کی وساطت سے متبادل رقم دے سکتے ہیں۔ یمن میں برطانیہ کے خلاف جو شورشیں برپا ہیں، انہیں دبانے کی اس کے سوا اور کوئی سبیل نہیں کہ حجاز ریلوے لائن کاٹ دی جائے۔ اسی راستے سے سپاہیوں کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا ہے اور اس لائن کی موجودگی یمن میں برطانوی عملداری کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی ہے۔ اسے کاٹ کر ہم حجاز کی سول حکومت کو

مفلوج اور حجاز آرمی کو منتشر کر سکتے ہیں، پھر حجاز کے عرب سردار اپنا کھیل شروع کر دیں گے۔ بہرحال حجاز ریلوے لائن کو کاٹ دینے سے ترکی حکومت حرمین سے ہاتھ دھو بیٹھے گی، گویا ترکی شیر کے منہ سے دانت نکل جائیں گے اور وہ ہمارے لئے بے ضرر ہو جائے گا۔ بدو قبیلے ریلوے سے نفرت کرتے ہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی لائن محصول کی آمدنی کم ہو گئی ہے اور وہ لائن کاٹنے میں ہماری پوری مدد کریں گے۔

عرب لیڈر کی تلاش

اس رپورٹ سے ان جنگی چالوں کا خاکہ سامنے آجاتا ہے جو لارنس عربوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے اختیار کرنا چاہتا تھا؛ تاہم وہ تقریباً ایک برس بعد اس معرکے میں ملوث ہوا۔ مکہ پر قبضے میں بلاشبہ کامیابی ہوئی، لیکن مدینے میں باغیوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ترکوں کا محاصرہ کر لیا گیا، لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے جم کر مقابلہ کیا۔ ان کے پاس اسلحہ اور خوراک کا وافر ذخیرہ تھا اور پھر حجاز ریلوے کے ذریعے انہیں سامانِ رسد و جنگ پہنچ رہا تھا۔ عرب ڈائنامیٹ کے استعمال سے واقف نہ تھے، اس لئے لائن کو پوری طرح کاٹنے میں ناکام رہے۔ اس سے حسین کی پریشانی بڑھ گئی، اس کے دستے ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ان حالات میں اس نے برطانیہ سے حجاز ریلوے لائن توڑنے اور دور مار توپیں اور پہاڑی رائفلیں مہیا کرنے کی درخواست کی، لیکن بے سود۔ حسین نے بعد ازاں بیان کیا کہ بغاوت شروع ہونے سے پہلے دوسرے امور کی طرح انگریزوں سے یہ طے ہوا تھا کہ وہ حجاز ریلوے کو کاٹ دیں گے، لیکن ایسا نہ کر سکنے کی وجہ سے عرب جدوجہد کو شدید دھچکا لگا۔

انگریزوں کو اصرار تھا کہ ایسا کوئی معاہدہ طے نہیں پایا تھا۔۔۔۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ عرب بیورو نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حسین کی امداد روک لی تاکہ اسے احساس ہو جائے کہ انگریزوں کی مدد کے بغیر وہ کہیں کامیاب

نہیں ہو سکتا اور معقول رویہ اختیار کرے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ کا شروع ہی سے یہ پروگرام تھا کہ بغاوت پوری طرح برطانیہ کے کنٹرول میں ہو اور اس نے حسین کو یہ حقیقت باور کرانے کا تہیہ کر رکھا تھا لیکن برطانیہ جلدی پیش قدمی کرنے پر مجبور ہو گیا، جب ترکوں نے مکہ پر دوبارہ قبضے، حسین کو پھانسی دینے اور سازش کو کچل دینے کا منصوبہ بنایا اور ترک فوج مکے کی طرف چل پڑی۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مصر میں برٹش ایجنسی کے اورنٹیل سیکرٹری رونالڈ سٹورس کے ہمراہ لارنس کو عرب بغاوت کا جائزہ لینے اور موزوں قوم پرست لیڈروں کا انتخاب کرنے کے لئے جدہ بھیجا گیا۔ لارنس اپنے اس دورے کے بارے میں "دانائی کے سات ستون" میں لکھتا ہے:

"میرا شروع ہی سے خیال تھا کہ عرب بغاوت کی مشکلات انگریزوں اور عربوں کی غلط لیڈرشپ کا نتیجہ ہیں، نہ کہ لیڈرشپ کے فقدان کا: چنانچہ عرب لیڈروں کا جائزہ لینے کے لئے میں خود عرب گیا۔ شریف مکہ بہت بوڑھا تھا۔ عبداللہ کو میں نے بیحد چالاک، علی کو بہت زیادہ نفیس الطبع اور زید کو سرد مہر پایا۔ پھر میں اندرون ملک جا کر فیصل سے ملا اور اس میں مجھے صحیح لیڈر مل گیا۔ بدو قبائلیوں کی خاصی تعداد اس کے ساتھ تھی اور پھر وہ ایسے علاقے میں تھا جہاں پہاڑیاں قدرتی تحفظ فراہم کرتی تھیں: چنانچہ میں خوش اور مطمئن ہو کر واپس آ گیا اور اپنے افسروں کو بتایا کہ مکے کا دفاع اس کی پہاڑیاں نہیں، فیصل کی فوج کر سکتی ہے۔ وہ اس نئی اطلاع سے ششدر رہ گئے۔ انہوں نے فیصل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر مجھے مرتبی کے خلاف عرب بھیج دیا گیا"۔

ہاشمی شہزادہ انگریز کے دام میں

اس بیان سے لارنس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ عرب بغاوت میں محض اتفاقی طور پر شامل ہو گیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے جیسا کہ ہم مختلف دستاویزی

ثبوت پیش کر چکے ہیں کہ عرب بغاوت کے شعلے بھڑکانے میں اس کا نمایاں ہاتھ تھا، وہ قاہرہ اور حسین کے درمیان رابطے کا کام کرتا رہا تھا۔ اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ وہ پولیٹیکل انٹیلی جنس آفیسر کی حیثیت سے عرب گیا تھا تاکہ معلوم کرے کہ بغاوت کو قوت فراہم کرنے کے لئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور اپنی آمد کے دوسرے ہی روز اس نے عرب بیورو کو صورت حال کی رپورٹ بھیج دی تھی، پھر حسین اور اس کے چار بیٹوں میں سے اس کی نظر انتخاب فیصل پر پڑی، کیونکہ اس کی فوج زیادہ تر ساحلی قبائیلوں پر مشتمل تھی؛ اور وہ لارنس کو آزادانہ نقل و حرکت کی باسانی اجازت دے سکتا تھا۔ عبداللہ کی فوج اندرونی قبائیلوں پر مشتمل تھی جو کسی اجنبی کی موجودگی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ علی کی صحت کمزور تھی اور زید کی ماں ترک تھی، جس کی بنا پر اسے بغاوت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ فیصل کا خیال تھا کہ وہ لارنس کے ذریعے عربوں کو آزادی سے ہمکنار کر سکے گا۔ دوسری طرف لارنس کو یقین تھا کہ وہ فیصل کو آلۂ کار بنا کر اسلامی ممالک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کا اثر و رسوخ بڑھا دے گا۔

انگریز کی عیاری

لارنس کے لباس، عادات، گفتگو اور دوسرے افعال نے اس کی مشہور داستان جنم دینا شروع کی، وہ اس داستان میں عرب کا چیمپئن، پرنس آف مکہ اور عرب کا بے تاج بادشاہ بن کر ابھرا، لیکن اب یہ حقیقت طشت از بام ہو چکی ہے کہ لارنس، عربوں کی آزادی کا ہرگز خواہاں نہیں تھا۔ اسے عربوں سے محبت تھی، نہ انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس نے عربوں کا لباس، عادات و اطوار، طرز طعام اور اندازِ کلام صرف اس لئے اپنایا تھا کہ انہیں زیادہ بہتر طریقے سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر سکے۔ وہ "تسخیر شام" کی رپورٹ میں لکھتا ہے:۔

اگر ہم شام میں امن سے رہنا چاہتے ہیں اور میسوپوٹیمیا (عراق عرب) پر قبضہ اور

مقدس شہروں پر کنٹرول کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ دمشق کے حکمران یا تو ہم خود ہوں یا پھر کوئی اور غیر مسلم طاقت جس کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات ہوں"۔

اسی طرح وہ "سیاسیاتِ مکّہ" میں رقمطراز ہے:۔

"حسین کا خیال ہے کہ وہ کسی روز حجاز میں عثمانی خلیفہ کی جگہ لے سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا انتظام کریں کہ یہ سیاسی تبدیلی تشدد آمیز ہو، تو اسلام کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ہم سے دور ہو جائے گا، یعنی مسلمانوں کی قوت باہم متصادم ہو کر تقسیم ہو جائے گی، پھر ایک خلیفہ ترکی میں ہوگا اور دوسرا عرب میں۔ وہ ہمیشہ دینی جنگ میں الجھے رہیں گے اور یوں اسلام کی قوت و سطوت اسی طرح ختم ہو کر رہ جائے گی جس طرح پوپ کی غیر موجودگی میں پاپائی نظام ختم ہو گیا"۔

لارنس کو عربوں سے سوائے اس کے کہ وہ انہیں برطانوی سامراج کا نخچیر بنانا چاہتا تھا اور کوئی دلچسپی نہ تھی، اسی مقصد کے لئے اس نے سارے پاپڑ بیلے۔ اپنے "ستائیس آرٹیکلز" میں (جو اس نے پولیٹیکل افسروں کے لئے لکھے تھے اور بتایا تھا کہ عربوں کو کس طرح قابو میں کیا جائے) وہ لکھتا ہے:۔

"حجاز کے عربوں کو قابو میں لانا ایک فن ہے، سائنس نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے لئے وہاں سنہری مواقع ہیں۔ شریف ہم پر اعتماد کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر ہم ہوشیاری سے کام لیں، تو بآسانی اس کی خوشنودی حاصل کر کے اپنا کام سرانجام دے سکتے ہیں"۔

"چوتھے آرٹیکل" میں وہ فیصل سے اپنے تعلقات کے روشن ترین رخ سے نقاب اٹھاتا ہے:۔

اپنے لیڈر کا اعتماد جیتئے اور اسے قائم رکھئے ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے پیش کردہ منصوبوں کو کبھی مسترد یا نامنظور مت کیجئے، لیکن یہ اہتمام ضرور کیجئے کہ یہ منصوبے سب سے پہلے ذاتی طور پر آپ کے روبرو پیش ہوں۔ ہمیشہ انہیں سراہیئے اور تعریف کر چکنے کے بعد ان

میں ترمیم کیجئے۔ اس طرح کہ اسے کچھ محسوس نہ ہونے پائے اور وہ یہی سمجھتا رہے کہ ترمیم اس کی اپنی پیش کردہ ہے، یہاں تک کہ وہ آپ کی رائے سے ہم آہنگ ہو جائے جب آپ اس مقام پر پہنچ جائیں۔ تو اسے وہیں ٹھہرا لیجئے اور اس کے خیالات کو اپنی منشاء یا گرفت میں لے لیجئے اور پھر پورے استقلال سے آگے دھکیلئے، لیکن پوشیدہ طور پر تاکہ اس کے سوا کوئی اور شخص آپ کے دباؤ سے آگاہ نہ ہو سکے"۔

آرٹیکل نمبر ۱۰، ۱۱ اور ۱۹ سے انکشاف ہوتا ہے کہ لارنس کے پیش نظر عربی لباس زیب تن کرنے کا حقیقی مقصد کیا تھا:۔

"عرب قبیلوں میں عربی لباس زیب تن کر کے آپ ان کا اعتماد اور دوستی جیت سکتے ہیں، جو یونیفارم کی صورت میں ناممکن ہے! تاہم یہ کام خطرناک اور مشکل ہے۔۔۔ آپ کو غیر ملکی تھیٹر پر ایک ایکٹر کا کردار کئی ماہ تک آرام کے بغیر مسلسل ادا کرنا پڑے گا۔ مکمل کامیابی کا لمحہ وہ ہوگا جب عرب آپ کو اجنبی سمجھنا چھوڑ دیں، وہ آپ کے ساتھ بالکل اپنوں کی سی باتیں کریں اور آپ کو اپنا ہی ایک فرد سمجھیں"۔

آگے چل کر بیسویں آرٹیکل میں لکھتا ہے:۔

"اگر آپ عربی لباس پہن لیں، تو باقی سب طور اطوار بھی انہیں کے اختیار کر لیں۔ اپنے انگریزی دوستوں اور رسم و رواج کو ساحل پر پھینک دیں اور مکمل طور پر عربوں کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اس طرح آپ عربوں کو انہی کے ہتھیاروں سے مات دے سکیں گے"۔

ایک شرمناک خفیہ معاہدہ

جس وقت لارنس اور ہوگارتھ عربوں سے وعدے وعید میں مصروف تھے۔ فارن آفس میں کچھ دوسری پالیسیاں تشکیل پا رہی تھی۔ ان پالیسیوں کے نتیجے میں آخر کار "سائیکس پیکاٹ" معاہدہ معرض وجود میں آیا، جس کے تحت سلطنت عثمانیہ کے منتخب

حصے برطانیہ، فرانس اور روس نے آپس میں تقسیم کر لئے اور عربوں کے لیے بہت تھوڑا اور غیر اہم علاقہ رہنے دیا۔ لارنس نے فیصل کو اس معاہدے سے بے خبر رکھا۔ اسے خدشہ تھا کہ عربوں کو اس معاہدے کی بھنک بھی پڑ گئی، تو وہ ہتھیار پھینک کر بیٹھ جائیں گے۔

اس معاہدے کے تحت برطانیہ کو عراق (جس میں بغداد اور بصرہ شامل تھے) ملنا تھا اور فرانس کو شام کا بڑا حصہ جس میں موصل کا ضلع بھی شامل تھا اگرچہ بعد میں جب انگریزوں کو پتہ چلا کہ اس علاقے میں مشرق وسطیٰ کے بہترین آئل فیلڈ ہیں، تو انہوں نے ارادہ بدل لیا۔ فلسطین، صیہونی ریاست کے قیام کے لئے وقف کر دیا گیا معاہدے کی اہم خصوصیت تھی کہ عربوں کو وعدوں کے جس دلکش جال میں پھانسا گیا تھا، انہیں پس پشت ڈال دیا گیا، عربوں کو ایک بھی قابل ذکر علاقہ نہ ملا۔ انہیں اس دھوکے کی ذرا بھی ہوا لگ جاتی، تو ان کے لڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور بغاوت اسی وقت دم توڑ جاتی۔

معاہدہ انتہائی خفیہ رکھا گیا، حتیٰ کہ میک موہن کو بھی اس وقت پتہ چلا، جب سائیکس نے اسے خود بتایا۔

سازش کا انکشاف

اس بے خبری کے عالم میں دو سال بیت گئے۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں روس میں بالشویک برسر اقتدار آئے، تو انہوں نے اپنے مخصوص سیاسی مفادات کے تحت پہلی بار اس معاہدے سے پردہ اٹھایا۔ ترکوں کو عرب بغاوت فرو کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا! چنانچہ شام میں ترک کمانڈر انچیف جمال پاشا نے فیصل کو خطوط لکھ کر اس معاہدے سے آگاہ کیا اور لکھا کہ برطانیہ اور فرانس نے عرب کو آپس میں تقسیم کرنے کا معاہدہ طے کر رکھا ہے اور حسین برطانیہ کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اس نے صلح کی پیشکش بھی کی۔

لارنس کو ترکوں کی اس پیشکش کا علم تھا، وہ ایک ایک تفصیل جانتا تھا۔ وہ فیصل کی

کی غیر حاضری میں اس کے سیکرٹریٹ کی فائلیں دیکھتا رہتا تھا. وہ حسین اور فیصل کی خط کتابت راستے ہی میں روک کر پڑھ لیتا تھا.

فیصل نے ترکوں کے خطوط حسین کو بھیج دیئے، جس نے ایک بار اسے یقین دلایا تھا کہ "برطانیہ کا وعدہ سونے کی طرح ہے، اسے جتنا بھی رگڑو گے اور زیادہ چمکے گا." حسین نے ٹیلی گرام کے ذریعے جواب دیا: "اتحادی بہت عظیم ہیں اور کسی قسم کے شک و شبے سے بالا." تاہم اس نے بطور احتیاط ترکوں کے خطوط، مصر میں برطانیہ کے ہائی کمشنر سر ریجنالڈ ونگیٹ کو بھیج دیے اور پوچھا ان میں کتنی صداقت ہے.

ونگیٹ اور فارن آفس کے درمیان ٹیلی گراموں کا تبادلہ ہوا اور آخر کار ونگیٹ کو حکم ملا کہ وہ حسین کو درج ذیل جواب بھیج دے.

"ترک عربوں اور ان کی حلیف یورپی طاقتوں کے درمیان بد اعتمادی کا بیج بونا چاہتے ہیں... ہز میجسٹی کی حکومت ہز ہائی نس سے کیے ہوئے وعدوں کی پھر سے تجدید کرتی ہے."

جمال پاشا کے جانشین نے "سائیکس پیکاٹ" معاہدے کا وہ متن شائع کر دیا، جو روسیوں نے جاری کیا تھا. فارن آفس مخمصے میں پڑ گیا. قریب تھا کہ وہ اقرار کر لیتا کہ ونگیٹ کی ہدایت اور پھر فارن سیکرٹری مسٹر بالفور کی منظوری سے جدہ میں برطانوی ایجنٹ کے ذریعے ایک تحریر حسین کو بھیج دی گئی. یہ تحریر حیلہ بازی، غلط بیانی اور جھوٹ کا شاہکار تھی. برطانوی حکومت نے لکھا تھا کہ یہ معاہدہ محض ایک چال تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اتحادی طاقتوں کو ترکوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے میں دقت پیش نہ آئے اور یہ معاہدہ اب عملی طور پر مردہ ہو چکا ہے.

لارنس کی پر فریب ذہانت

حجاز میں لارنس کا اپنے فرانسیسی ہمزاد کرنل ایڈورڈ بلغے مونڈ سے اس بات

پر تصادم ہوگیا کہ عرب بغاوت کا راستہ کیا ہونا چاہیے۔ کرنل بغنے موند اس مشن کا انچارج تھا جو ستمبر ۱۹۱۶ء میں فیصل پر برطانیہ کے اثرات کا توڑ کرنے کے لیے جدہ بھیجا گیا تھا۔ بغنے موند نہ صرف پیشہ ور سپاہی تھا، بلکہ عالم بھی۔ وہ مراکش اور الجزائر میں خدمات انجام دے چکا تھا اور عربی زبان بڑی روانی سے بولتا تھا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا، تو لارنس آف عریبیا کی داستان جنم نہ لیتی اور لارنس، پرنس آف مکہ اور صحرائی رابن ہڈ جیسے القابات سے محروم رہتا۔ بغنے موند کا خیال تھا، بغاوت منظم اور باقاعدہ ہونی چاہیئے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عربوں کی مدد کے لئے برطانوی اور فرانسیسی فوجی دستے بڑی تعداد میں بھیجے جائیں۔ کرنل موند کی اس تجویز سے اکثر برطانوی ماہرین بھی متفق تھے، کیونکہ یہ خیال عام تھا کہ بدو ترکوں کی منظم فوج کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے، لیکن لارنس نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور کہا، بدوؤں نے اجنبیوں خصوصاً بے دینوں کو اپنے ملک میں در آتے دیکھا، تو وہ فوراً الگ ہو جائیں گے، اس لئے جنگ بے قاعدہ اور غیر منظم طرز پر ہونی چاہیئے اور وہ بھی زیادہ تر عرب خود لڑیں؛ تاہم اتحادی اسلحہ، روپیہ پیسہ، خوراک اور چند ایک انگریز افسران کی امداد کے لئے مہیا کریں۔ لارنس کی تجویز مان لی گئی۔ بغنے موند خود اپنی حکومت کی پوری تائید حاصل نہ کر سکا۔

خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

لارنس اپنی مرضی کے مطابق بغاوت کی پالیسی متعین کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اب اس کو کسی ایسے کامیاب اقدام کی ضرورت تھی، جس سے اس کی دانائی کا اظہار ہو، یہ مقصد اس نے جولائی ۱۹۱۷ء میں بحیرۂ قلزم کی بندرگاہ عقبہ پر قبضہ کر کے حاصل کر لیا۔

لارنس ابھی سوچ ہی رہا تھا (یعنی فیصل کے کیمپ میں تھا) کہ حویطات قبیلے کا شیخ عودہ

بغاوت میں شامل ہوگیا۔ اس نے عقبہ پر حملے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پورا منصوبہ در اصل اسی کا تیار کردہ تھا نہ کہ لارنس کا۔ کچھ اور لوگ اس کا سہرا فیصل کے سر باندھتے ہیں۔

یہ مہم ۹ مئی ۱۹۱۷ء کو وجہ سے شمال کی طرف روانہ ہوئی۔ اس میں لارنس کے علاوہ عودہ، شریف ناصر (بغاوت کے پرجوش لیڈروں میں سے ایک) دو شامی نصیب البکری اور زکی دروبی اور رائفلوں سے مسلح تیس اونٹ سوار تھے۔ لارنس نے زین کے تھیلوں میں بیس ہزار سونے کے سکے بھی ساتھ رکھ لئے تھے تاکہ بغاوت کو دور دور تک پھیلایا جاسکے۔ اس چھوٹے سے دستے نے دنیا کے گرم ترین اور لق و دق صحرا میں دو سو میل کا فاصلہ طے کیا اور وادیٔ سرحان پہنچ گیا، جہاں عودہ، ناصر اور دونوں شامی مقامی قبیلوں کو فیصل کی مدد پر آمادہ کرنے میں مصروف ہوگئے۔ دوسری طرف لارنس جیسا کہ اس نے "دانائی کے ستون" میں بیان کیا ہے۔ ملک کے شمال کی طرف لمبے سفر پر تنِ تنہا نکل کھڑا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شام کے از سر نو جائزے سے کچھ نئی جنگی چالیں آزمانے کا موقع ملے گا جو صلیبی جنگوں اور پہلی عرب فتح کے واقعات سے اس کے ذہن میں ابھری تھیں"۔ لارنس ۵ سے ۱۶ جون تک کیمپ سے غائب رہا۔ یہ دمشق کا وہ مشہور سفر تھا جو ابھی تک متنازعہ فیہ ہے۔

لارنس کے بہت سے سوانح نگار اس کے سفرِ دمشق کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ سلیمان موسیٰ کا دعویٰ ہے کہ اس نے لارنس کے دو عرب ساتھیوں نصیب البکری اور فیض الغصین اور بعض دوسرے عربوں کا انٹرویو لیا، جن کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا تھا۔ نصیب کا بیان ہے کہ لارنس ایک دن کے لئے بھی کیمپ سے غائب نہیں ہوا تھا، جب کہ فیض کے خیال میں اتنے مختصر عرصے میں اتنا لمبا فاصلہ طے کرنا ممکن نہیں۔ اس نے پوچھا کہ "کیا لارنس کوئی پرندہ تھا؟" اس نے یہ دلیل بھی دی کہ یہ سفر اس لئے بھی ناممکن

ہے کہ لارنس چوبیس گھنٹے بھی خود کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا اور بآسانی پہچان لیا جاتا، خصوصاً ایسے علاقوں میں جہاں کے لوگ بے حد متجسس ہیں، پھر جب بھی عربوں سے وابستہ کوئی انگریز کسی مشن پر جاتا، تو شریف یا شریف کا کوئی قابل اعتماد عرب اس کے ہمراہ ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مہم میں لارنس کے عرب ساتھی کون تھے؟ وہ کہاں ٹھہرے اور انہوں نے خوراک کہاں سے حاصل کی؟ پھر لارنس نے "دانائی کے سات ستون" اور "صحرا میں بغاوت" میں اتنی اہم مہم کا ذکر مبہم الفاظ میں کیوں کیا؟ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دمشق کا سفر محض من گھڑت افسانہ ہے۔

چہ ارزاں فروختند؟

۱۹ رجون، ۱۹۱۷ء کو عقبہ کی مہم دوسرے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ اب دستے میں پانچ سو افراد تھے، انہوں نے ۲ جولائی کو ابا اللسان میں ترکوں پر حملہ کردیا۔ تھوڑی دیر کی بے نتیجہ لڑائی کے بعد عودہ نے ستر سواروں کے ساتھ ترکوں پر یلغار کردی اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ لارنس نے افراتفری میں اپنے ہی اونٹ کے سر میں گولی مار دی، تو وہ اس کے نیچے کچلے جانے سے بال بال بچا۔ میدان عربوں کے ہاتھ رہا۔ تین سو ترک مارے گئے اور ایک سو ساٹھ قیدی بنے۔۔۔ جب کہ صرف دو عرب ہلاک ہوئے۔ ابا للسان کی فتح کے بعد عقبہ خود بخود زیر ہوگیا اور ۶ رجولائی کو اس پر عربوں نے قبضہ کرلیا۔ لارنس ایک ہیرو کی حیثیت میں قاہرہ پہنچ گیا۔ عقبہ کی فتح کا مطلب تھا کہ مدینہ کی ترک فوجوں کے ساتھ رابطے کا فاصلہ چھ سو میل اور بڑھ گیا۔

۱۰ رجولائی، ۱۹۱۷ء کو لارنس نے عرب بیورو کو رپورٹ دی جس میں اپنے سفر دمشق کا بھی ذکر کیا اور لکھا کہ وہ دمشق میں دشمن کی لائنوں کے پیچھے جاکر ترک فوج میں موجود عرب علی رضا الرکابی سے ملا۔ اس نے مختلف علاقوں میں عرب شیوخ سے بھی ملاقات کی اور ان کی ہمدردیوں کا پتہ چلایا، دشمن کی جنگی پوزیشنوں کی جاسوسی کی۔

کئی مقامات پر حجاز ریلوے کو نقصان پہنچایا اور ایک ٹرین تباہ کی۔

یہ بلاشبہ ایک نمایاں کارنامہ تھا؛ چنانچہ سر ریجنالڈ ونگیٹ نے لارنس کے لیے "وکٹوریہ کراس" کی سفارش کی، لیکن چونکہ یہ کارنامہ اس اعزاز کے لیے مخصوص شرائط پوری نہ کرتا تھا، یعنی کوئی افسر اس کارنامے کا عینی شاہد نہ تھا، اس لیے اس سفارش پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔

اگست ۱۹۱۷ء میں فیصل، اس کی فوجوں اور لارنس کو ونگیٹ کی کمانڈ سے نکال کر جنرل ایلن بی کی کمان میں دے دیا گیا۔ اس تبدیلی نے فیصل اور لارنس کو جنگ کی آزادی کے محدود ملٹری آپریشن سے عالمی سیاست اور عالمی جنگ کے وسیع اور پیچیدہ میدان میں لا کھڑا کیا۔ ایلن بی کی ماتحتی میں لارنس کے لیے فضا بڑی سازگار تھی، جس سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اس کے مقابلے میں خصوصی مراعات اور لامحدود اختیارات کے ساتھ دو لاکھ پونڈ سونے کی شکل میں اسے دیئے گئے۔ اس سونے نے عرب بغاوت کی کامیابی میں کیا کردار ادا کیا، یہ امر اب کوئی راز نہیں رہا۔ . . . سلیمان موسیٰ کا کہنا ہے: "بدوؤں میں لارنس کی شہرت اور قدرومنزلت کا باعث صرف سونا تھا، انہوں نے سوچا ہوگا کہ جس شخص کے قبضے میں اس قدر خطیر رقم ہے وہ ضرور اپنی حکومت کا اہم فرد اور بے پناہ اختیارات کا مالک ہوگا۔

لارنس کی موت کے بعد ریجنالڈ ونگیٹ نے لکھا:

"عرب آپریشن کی کامیابی کا واحد سبب وہ رقم تھی جو میں اسے بڑی مقدار میں بھیج رہا تھا، نہ کہ اس کی شخصی جرأت وہمت اور سوجھ بوجھ۔"

اکتوبر میں لارنس نے یرموک کے ریلوے پل کو اڑانے کی کوشش کی۔ وہ شمال در فلسطین کے محاذ پر ترکوں کے درمیان مواصلات کا واحد ذریعہ کاٹ دینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ بارود رکھ ہی رہا تھا کہ سنتری چوکنا ہو گیا اور مشن ناکام رہا۔ یرموک کی اس

مہم میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عبدالقادر نامی ایک عرب جو الجزائر میں پیدا ہوا تھا، اچانک لارنس سے الگ ہو کر روپوش ہو گیا۔ بریمونڈ نے لارنس کو خبردار کیا تھا کہ عبدالقادر ترکوں کا ایجنٹ ہے۔ اس وقت لارنس نے توجہ نہ دی، لیکن اب اسے بھی شک پڑ گیا! تاہم وہ ترکوں کے مواصلات کے مرکز درعہ کی جاسوسی کے لئے چل پڑا۔ ایک بوڑھے کسان کے ہمراہ پھٹے پرانے عربی لباس میں وہ قصبے میں داخل ہوا، جہاں ترکوں نے اسے پکڑ لیا۔ لارنس اپنی اس گرفتاری کا ذمہ دار عبدالقادر اور اس کے بھائی سعید کو ٹھہراتا ہے۔

ترکوں کی مشکلات

جنوری ۱۹۱۸ء میں لارنس نے طفیلہ کے معرکے میں حصہ لیا۔ اس نے عرب بیورو کو جو رپورٹ بھیجی، اس کے مطابق اس معرکے میں جنگی چالیں اس نے تشکیل دی تھیں، اس میں نوسو افسروں اور جوانوں پر مشتمل تین ترک انفنٹری بٹالین نے حصہ لیا، جن میں سے چار سو کھیت رہے اور ڈھائی سو قیدی بنا لئے گئے۔ اس کارنامے پر لارنس کو ڈی ایس او DISTINGUISHED SERVICE ORDER دیا گیا۔ جولائی تک غیر منظم عرب فوج بتدریج باقاعدہ فوج میں تبدیل ہو گئی (بریمونڈ اس عرصے میں دل شکستہ ہو کر واپس فرانس جا چکا تھا) اب فیصل کی فوج میں تین سو شتر سواروں کا دستہ ۳۵ سرنگ اڑانے والے مصری، ۳۰۰ گورکھا توپچی اور ۱۴۰ افریقی تھے اور چالیس انگریز (جن کی سپرداری میں آرٹلری اور مشین گنوں سے آراستہ بکتر بند گاڑیاں تھیں) تھے۔

۱۹ ستمبر کو ایلن بی ترکوں پر آخری وار کرنے کے لئے تیار تھا۔ اکیسویں کور نے ترکوں کے کمزور بائیں بازو پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جنگ کے دوسرے دن تک برطانوی فوج ترکوں کی ساتویں اور آٹھویں آرمی کو تین اطراف سے گھیرے میں لے چکی تھی۔ اب صرف اردن کی سمت کا راستہ کھلا رہ گیا تھا، لیکن ادھر بھی بیسیوں

کور کے ڈویژن تیزی سے جمع ہو رہے تھے۔ دوسری طرف دریائے اردن کے پار پہاڑی علاقے میں عرب فوجیں ترکوں کی سیکنڈ کور کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان حالات میں ترکوں کے لئے شمال کی طرف پیچھے ہٹنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ دمشق کا سقوط چند روز کی بات تھی۔ شریف حسین کو اپنی خواہشات کی تکمیل کی منزل سامنے نظر آ رہی تھی۔ انگریزوں کے وعدوں کے طلسم میں گرفتار یہ شخص سمجھتا تھا کہ شام کا مستقبل اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ دوسری طرف انگریز حکام بھی مضطرب تھے کہ اسے حقیقتِ حال سے کس طرح آگاہ کیا جائے۔ خاص طور پر جدہ میں برطانوی ایجنٹ لیفٹیننٹ کرنل سی ای ولسن کچھ زیادہ ہی پریشان تھا اور اس نے خفیہ خطوط کے ذریعے ونگیٹ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس دوران کلیٹون نے سائیکس کو لکھا

"فواد الخطیب قاہرہ پہنچ چکا ہے اور اس کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ شریفؔ اصل صورتحال سے بالکل بے خبر ہے اور ہے کہ شام اور عراق کسی شرط کے بغیر اسے مل جائیں گے"۔

وعدوں کا نیا جال

آخرکار جون ۱۹۱۸ء میں برطانوی ڈپلومیسی کے زیرِ اثر سات نیشلسٹ لیڈروں نے قاہرہ میں اعلان کیا کہ وہ حسین کو بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے، ان کی نظروں میں وہ ایک بدو اور ناتجربہ کار شخص ہے۔ غالباً سائیکس پیکاٹ، معاہدے پر ترکوں کے پروپیگنڈے اور اعلان بالفور کی وجہ سے اینگلو عرب تعلقات میں جو گڑبڑ پیدا ہو گئی تھی، اسے دور کرنے کے لئے برطانوی حکومت نے عربوں سے کچھ نئے وعدہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ان کا اعلان ایک دستاویز میں کیا گیا جسے "ڈیکلیریشن آف دی سیون" (سات قوم پرست لیڈروں کا اعلان) کا نام دیا گیا۔ اس کی ایک کاپی حسین اور فیصل کو بھی بھیج دی گئی۔ اس اعلان کے دو بڑے نکات یہ تھے کہ جو عرب علاقے جنگ کے آغاز سے

قبل آزاد تھے، وہ اسی طرح آزاد رہیں گے اور عربوں کے آزاد کرائے ہوئے علاقوں میں " ان کی مکمل آزادی اور اقتدار اعلیٰ " کو برطانوی حکومت تسلیم کرے گی۔ باقی علاقوں میں رعایا کی رضامندی کے مطابق حکومت تشکیل دی جائے گی۔ یہ وعدے کس قدر بے سروپا اور بے معنی تھے، اس کا جائزہ ہم آگے چل کر یں گے۔

اس اعلان نے معاملے کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا اس کا یہ مطلب تھا کہ سائیکس پیکاٹ معاہدہ ختم ہوچکا ہے؟ کیا فرانسیسیوں کے مفادات نظر انداز کر دیئے گئے؟

اتحادی افواج کے پہلے دستے کے دمشق میں داخل ہونے سے پانچ روز قبل فارن آفس نے ونگیٹ کو درج ذیل ٹیلی گرام ارسال کیا: " اگر جنرل ایلن بی دمشق کی طرف پیشقدمی کرے، تو ۱۹۱۶ء کے اینگلو، فرانسیسی معاہدے کی تعمیل ہر چیز پر مقدم ہوگی۔ ممکن ہو، تو وہ فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر عرب انتظامیہ سے کام چلائے۔ ہم نے اس سلسلے میں اسے تار بھیج دیا ہے"۔

چنانچہ جب آسٹریلین جنرل ہیری چاول نے، جو دمشق کی طرف پیش قدمی کرنے والی سوار فوج کی قیادت کر رہا تھا، پوچھا کہ شہر پر قبضے کے بعد اس کی انتظامیہ کا کیا کیا جائے، تو ایلن بی نے جواب دیا: "تمہیں معلوم ہے یروشلم میں ہم نے کیا کیا تھا؟ بالکل وہی کچھ یہاں کرنا ہوگا؟ ترک والی (سول گورنر) کو طلب کرو، اسے حسب سابق انتظام چلانے کی ہدایت دو اور ضرورت کے مطابق اسے پولیس مہیا کر دو"۔

پھر چاول نے پوچھا: "عربوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ افواہ ہے کہ وہ شام کا نظم ونسق سنبھالنا چاہتے ہیں"۔

ایلن بی نے جواب دیا: "مجھے خبر ہے، لیکن تمہیں میرا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر اس دوران فیصل گڑبڑ کرے، تو لارنس کے ذریعے اس سے نبٹ سکتے ہو، جو

کہ تمہارا مددگار آفیسر ہوگا"۔

فیصل بلاشبہہ گڑبڑ پیدا کرنے والا تھا، لیکن لارنس سے اس کے بٹنے کی جو توقع کی گئی وہ غلط تھی، بلکہ فیصل کے اقدامات کی پشت پر لارنس کا ہاتھ کام کر رہا تھا ایلن بی کو اس کی خبر دیر سے ہوئی۔

اتحادی دمشق کے دروازے پر پہنچ گئے اور لارنس، چاول اور الجزائری بھائیوں عبدالقادر اور سعید کے درمیان چپقلش شروع ہوگئی۔ اس کہانی کا آغاز ازرمین شہر سے ہوا۔

۳۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو فوج نے خبردار کیا کہ شہر کا سقوط بس چند گھنٹوں کا منتظر ہے۔ شہر کی ترک انتظامیہ نے کاغذات سنبھالے اور شہر چھوڑ دیا۔ روانگی سے پہلے گورنر نے الجزائری لیڈر سعید کو بلوا بھیجا اور بتا دیا کہ ترک شہر خالی کر گئے ہیں۔ سعید نے فوراً گورنمنٹ ہاؤس پر شاہ حسین کا ہاشمی پرچم لہرا دیا، حکومت کی صوبائی کونسل تشکیل کی اور حسین کے نام پر شام کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ بعد ازاں اس نے شام اور لبنان کے بڑے بڑے شہروں میں تار روانہ کر کے ترک فوجوں کی واپسی کی اطلاع دی اور حسین کے نام پر عرب انتظامیہ بنانے کی ہدایت کر دی۔

پہلا راؤنڈ

شام تک اتحادی فوجیں شہر کے باہر آ پہنچیں۔ سب سے آگے چودھواں کیولری بریگیڈ تھا، جس کے پیچھے شریف ناصر کی کمان میں عرب فوج تھی" دانائی کے سات ستون" میں لارنس نے دعویٰ کیا ہے کہ عرب سب سے پہلے شہر میں داخل ہوئے، لیکن جنرل چاول اس سے متفق نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے ایک آسٹریلین بریگیڈ اور انڈین کیولری کی ایک رجمنٹ شہر میں داخل ہوئی اور اگلے روز یعنی یکم اکتوبر کو لارنس اور عرب فوج پہنچی۔

۲۵ ستمبر کو ایک کانفرنس میں جنرل ایلنبی نے دمشق پر قبضہ کرنے کے لئے

چاول کے منصوبے منظور کیے اور فیصل اور اس کے دستوں کو اردن کے مشرق میں میجر جنرل سر جارج بارو کی کمان میں سونپ دیا۔ لارنس رابطہ افسر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ۳۰ ستمبر تک یہ واضح ہو گیا کہ دمشق پر پیش قدمی چاول کرے گا اور بارو کا ڈویژن ریزرو میں رہے گا۔ جونہی لارنس کو اس حقیقت کا پتہ چلا، وہ یکم اکتوبر کی صبح کسی کو بتائے بغیر بارو کے کیمپ سے غائب ہو گیا۔ وہ دمشق کی فتح میں پیچھے نہیں رہ سکتا تھا۔ چاول کو لارنس کی غیر حاضری کی خبر ساڑھے سات بجے ملی، جب وہ بارو سے ملنے کے لئے آیا۔

چاول لکھتا ہے: "میں بلا تاخیر دمشق کی سول انتظامیہ تشکیل دینے کے لئے بے چین تھا، لیکن میرا واحد سیاسی مشیر غائب ہو گیا تھا۔" چنانچہ اس نے خود شہر میں جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے لارنس مل گیا۔ اسے عربوں کے ایک جوشیلے ہجوم نے گھیر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا تعارف لارنس نے شکری پاشا کے نام سے کرایا۔ چاول لکھتا ہے:۔

"لارنس نے اپنی غیر حاضری کا بہانہ یہ بنایا کہ وہ حالات کا جائزہ لے کر (اسے) چاول کو مطلع کرنا چاہتا تھا، پھر اس نے بتایا کہ شکری دمشق کا گورنر ہے۔ میں نے کہا میں ترک گورنر سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اسے بلوا سکتے ہو؟

"ترک گورنر ایک روز پہلے جا چکا ہے اور شکری کو شہریوں کی اکثریت نے منتخب کر لیا ہے"، لارنس کا جواب تھا۔ میں نے کمانڈر انچیف کی طرف سے شکری کی تقرری منظور کر لی اور لارنس کو رابطہ افسر مقرر کر دیا اور ہدایت کی کہ وہ پتہ کرے، انتظامیہ کو کس قدر پولیس درکار ہے۔"

لارنس نے پہلا راؤنڈ جیت لیا تھا۔ ایک عرب دمشق کا گورنر بن گیا اور وہ بھی لارنس کا منتخب کردہ۔

الجزائری برادران

اب امیر سعید کا حال سنیئے۔ تقریباً چھ بجے جب فوج شہر میں داخل ہوئی، تو وہ فیصل کے سیکنڈ ان کمانڈ شریف ناصر سے ملا اور کہا کہ وہ حکومت سنبھال لے۔ ناصر بیمار اور تھکا ہوا تھا۔ اس نے پیش کش قبول نہ کی اور سعید کو حکومت کا نظم و نسق چلانے کی تحریری اجازت دے دی۔ لارنس کو یہ خبر ملی، تو وہ فوراً امیر سعید کے خلاف سرگرم عمل ہو گیا۔

لارنس، سعید کا اس قدر مخالف کیوں تھا؟ ۲۰ جون ۱۹۱۹ء کو اس نے جی ایچ کیو قاہرہ کے چیف پولیٹیکل افسر کے نام جو خفیہ رپورٹ بھیجی اس میں اس سوال کا جواب ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "عبدالقادر ایک جنونی مسلمان تھا اور شریف کی انگریز نوازی کا شدید مخالف ..... ایک رات وہ ازرق سے روپوش ہو گیا ... اور درعہ میں ترکوں سے ملا۔ اس نے اپنے مشن سے انہیں آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں اور علی اس ہفتے یرموک کا پل اڑانے والے ہیں؛ چنانچہ ترک باخبر ہو گئے اور ہماری مہم ناکام رہی۔ اس کے بعد عبدالقادر دمشق چلا گیا۔ میں ترکوں کی دفاعی پوزیشن معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر درعہ گیا، جہاں پکڑا گیا، کیونکہ عبدالقادر نے گورنر کو میرا حلیہ بتا دیا تھا۔ گرفتاری کے بعد مجھ پر بے پناہ تشدد کیا گیا اور گورنر نے میرے ساتھ بدفعلی کی۔ مجھے زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا، جہاں سے میں فرار ہو گیا۔ گورنر اپنے فعل پر اس قدر نادم تھا کہ اس نے کبھی اپنی حکومت کو میری گرفتاری اور فرار کی رپورٹ نہ دی۔

"میں ازرق کے راستے عقبہ واپس چلا گیا ... عبدالقادر کو جب خبر ملی کہ ترکوں نے دمشق خالی کر دیا ہے، تو وہ فوراً وہاں پہنچا اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی، جب ناصر اور میں پہنچے، تو عبدالقادر اور سعید اپنے مسلح ملازموں کے ساتھ ایک قطار میں بیٹھے تھے۔ فیصل نے مجھ سے درخواست کی کہ اسے ان لوگوں سے چھٹکارا دلواؤں۔ میں نے انہیں چلے جانے کو کہا اور بتایا کہ علی رضا کی واپسی تک شکری الایوبی گورنر ہو گا۔ عبدالقادر

نے جانے سے انکار کر دیا اور کونسل چیمبر میں مجھے خنجر گھونپنے کی کوشش کی، لیکن عودہ نے اسے نیچے گرا دیا اور نوری شعلان نے مجھے روئلہ قبیلے کی پناہ میں دے دیا۔

"اگر شام میں کوئی پھانسی کا مستحق تھا، تو وہ یہی دو بھائی تھے۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ سعید کو اس قدر ڈھیل دی گئی ہے۔ . . . صرف یہی حقیقی اسلامی اخوت کا علمبردار (پان اسلامسٹ) ہے اور ہمارے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا ہے۔"

دوسری طرف دونوں الجزائری بھائی بھی لارنس سے شدید نفرت کرتے تھے وہ اسے سمجھتے تو عرب ہی تھے، لیکن ایک تو وہ ملحد تھا، دوسرے انہیں یقین تھا کہ وہ انگریزوں کا جاسوس ہے۔ اسی لئے جب عبدالقادر کو گولی مار دی گئی، تو لوگوں نے اس شبہے کا اظہار کیا کہ اس قتل کے پس پردہ لارنس کا ہاتھ تھا۔

ڈرامے کا ایک منظر

۱۲ راکتوبر کو ایلنبی دمشق پہنچا اور جاتے ہی چاول کو بلوا بھیجا۔ اسے بتایا کہ فرانسیسیوں کے ساتھ معاملات الجھ گئے ہیں۔ اس لئے وہ فوراً فیصل سے ملنا چاہتا ہے۔ چاول نے فیصل کو لانے کے لئے اپنے اے ڈی سی کو رولس رائس میں بھیج دیا۔

فیصل اور ایلنبی کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟ اس کی تین تاریخی شہادتیں محفوظ ہیں جو ایلنبی، لارنس اور چاول نے الگ الگ تیار کیں۔ ایلنبی کا بیان بالکل مختصر ہے:

"میں نے متعلقہ اسٹاف کی موجودگی میں شریف فیصل کو بتایا کہ میں اردن کے مشرق میں دمشق سے معان تک کے علاقے میں عرب انتظامیہ تسلیم کرنے کو تیار ہوں، مگر وہ فوجی انتظامیہ کی صورت میں میرے سپریم کنٹرول میں ہوگی۔ میرے مقرر کردہ دو رابطہ افسر، ایک انگریز اور دوسرا فرانسیسی، میرے اور عرب انتظامیہ کے درمیان رابطے کا کام کریں گے، جب تک ملٹری آپریشن جاری رہیں گے، سپریم کمانڈ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ میں نے یہ حقیقت بھی فیصل پر واضح کر دی کہ برطانیہ اور فرانس کی

حکومتوں نے فلسطین اور شام میں اتحادیوں کے شانہ بہ شانہ مشترکہ دشمن سے نبرد آزما عرب فوج کی محارب (شریک جنگ) حیثیت تسلیم کر لی ہے"۔

اسی ایلنبی نے ونگیٹ کو ایک خط میں لکھا:

"میں نے یہ فیصل کو خبردار کر دیا ہے کہ ذاتی حیثیت میں وہ سول گورنمنٹ میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اسے اب آرام کرنا، اپنی فوج کی نفری بڑھانا اور اسے آئندہ پیش قدمی کے لئے تیار کرنا چاہیئے"۔

لارنس نے "دانائی کے سات ستون" میں اس واقعے کے ضمن میں حسب عادت بے پر کی اڑائی ہے اور اصل معاملہ گول کر گیا ہے۔

چاول نے اس ڈرامے سے اپنے سپاہیانہ انداز میں یوں پردہ اٹھایا ہے:

"فوراً کانفرنس بلائی گئی، جس میں جنرل سرایڈمنڈ ایلنبی، میجر جنرل سر لوئس بولس، چیف آف سٹاف ای ای ایف، بریگیڈیر جنرل سی۔ اے۔ سی گڈوین خود، میرا چیف آف سٹاف، شریف ناصر، نوری بے السعید، امیر فیصل کا قائم مقام چیف آف سٹاف شریف ناصر سیکنڈ ان کمانڈ حجاز فورسز، لیفٹیننٹ کرنل پی سی جوئس، لیفٹیننٹ کرنل ٹی۔ ای لارنس، میجر اسٹرلنگ، کیپٹن ینگ اور عرب بیورو قاہرہ کے لیفٹیننٹ کرنل کارن والس شریک تھے۔ لارنس ترجمان کے فرائض ادا کر رہا تھا۔ کمانڈر انچیف نے فیصل سے کہا:

۱۔ فرانس، شام پر پاسباں طاقت ہوگی۔

۲۔ فیصل اپنے باپ حسین کے نمائندے کی حیثیت سے فرانس کی رہنمائی اور معاشی سرپرستی میں شام کی انتظامیہ سنبھالے گا۔ (شام میں لبنان شامل ہوگا نہ فلسطین)

۳۔ فیصل لبنان سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گا۔

۴۔ فیصل کو فوراً فرانسیسی رابطہ افسر رکھ لینا چاہیئے، جو لارنس کے ساتھ مل کر کام کرے گا

فیصل نے اس پر شدید اعتراض کیا۔ اس نے کہا اسے برطانیہ کی مدد قبول ہے، لیکن فرانس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ایلنبی کے فرستادہ مشیر نے تو اسے بتایا تھا کہ شام، لبنان سمیت عربوں کو ملے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ بندرگاہ کے بغیر ملک اسے قبول نہیں۔ اس نے فرانسیسی رابطہ افسر یا فرانس کی رہنمائی حاصل کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

چیف لارنس سے مخاطب ہوا۔

"کیا تم نے اسے نہیں بتایا تھا کہ شام، فرانس کے زیر حمایت ہوگا؟"

"نہیں جناب، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" لارنس نے جواب دیا۔

اس پر چیف نے کہا: "لیکن تمہیں یہ تو خبر تھی کہ لبنان سے فیصل کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔"

"نہیں جناب مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔" لارنس نے پھر نفی میں جواب دیا، کچھ دیر بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ آخر چیف نے فیصل سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں (یعنی سر ایڈمنڈ ایلنبی) کمانڈر انچیف ہوں اور فیصل اس وقت میرے ماتحت ایک لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ اسے میرے احکام کی بے چون وچرا تعمیل کرنی ہوگی۔ جب تک جنگ ختم نہیں ہوتی اور معاملے طے نہیں ہوتا، اس وقت تک اس (فیصل) کو موجودہ صورت حال قبول کرنا ہوگی۔ فیصل نے اس فیصلے کو مان لیا اور اپنے مصاحبین کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ لارنس وہیں رہا۔

فیصل جا چکا تو لارنس نے چیف سے کہا: "میں فرانسیسی رابطہ افسر کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتا اور انگلینڈ واپس جانا چاہتا ہوں۔" "ہاں مجھے تم سے اتفاق ہے۔" چیف نے کہا اور لارنس کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایلنبی بھی کار میں طبریہ روانہ ہوگیا۔

نیا اعلان ، پر فریب وعدے

لارنس یونہی لندن نہیں گیا تھا۔ اس کے پیشِ نظر خاص مشن تھا۔ راستے میں وہ قاہرہ میں رکا اور ونگیٹ سے طویل ملاقات کی۔ لندن پہنچ کر لارنس نے دو ہفتے کے اندر حکومت کو ایک حیرت ناک منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبے میں اس نے تجویز کیا کہ سائیکس پیکاٹ معاہدہ ترک کر دیا جائے اور (حجاز کو چھوڑ کر) عرب کی تین ریاستیں بنادی جائیں۔ زیریں میسوپوٹیمیا عبداللہ کو بالائی میسوپوٹیمیا زید کو، اور شام فیصل کو دے دیا جائے۔ میسوپوٹیمیا کی دونوں ریاستیں برطانوی مفادات کے تابع ہوں گی اور زیریں میسوپوٹیمیا پر عملاً برطانیہ کا کنٹرول ہو گا۔

سائیکس پیکاٹ معاہدے کی طرح یہ منصوبہ بھی عربوں کے لئے قابلِ اعتراض تھا۔ اس منصوبے نے مشرق وسطیٰ کے بہترین علاقے کاٹ دیئے اور انہیں غیر عرب کے کنٹرول میں دے کر ایک بڑی اور خود مختار عرب مملکت کا تصور ملیا میٹ کر دیا۔

لارنس کا یہ منصوبہ سائیکس پیکاٹ کے منصوبے سے بھی بڑھ کر برطانوی مفادات کا محافظ تھا۔ دوسری طرف فرانسیسی، سائیکس پیکاٹ منصوبے کو ایک لمحے کے لئے بھی منجمد تصوّر کرنے کو تیار نہ تھے اور جس وقت انگریز شام میں ترکوں کی آخری مزاحمت سے نبرد آزما تھے، وہ اس معاہدے کو روبہ عمل لانے کی زور شور سے جدوجہد کر رہے تھے۔ شکری پاشا جسے فیصل کی آمد تک لارنس نے دمشق کا گورنر بنایا تھا۔ فیصل کے آتے ہی بیروت روانہ ہو گیا، وہاں اس نے گورنمنٹ ہاؤس پر حجاز کا پرچم لہرایا اور حسین کی عملداری کا اعلان کر دیا۔ اللنبی کے دوستوں نے آکر حجاز کا پرچم اتارا اور فیصل کے آدمی بغاوت کی دھمکیاں دینے لگے! چنانچہ برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کو ایک نیا اعلان کرنا پڑا، جس کو بڑے وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا۔ بازاروں میں منادی کی گئی اور ناخواندہ علاقوں میں پڑھ پڑھ کر سنایا گیا۔

اس نئے اعلان میں بڑے دل خوش کن وعدے کئے گئے۔ کہا گیا کہ ترکوں کی غلامی کا جوا اتارنے والی آبادی کو اپنی مرضی سے قومی حکومت تشکیل دینے کا حق ہو گا اور اس حکومت کو حق خود اختیاری حاصل ہو گا۔ اعلان میں برطانیہ اور فرانس دونوں نے متفقہ طور پر یہ وعدہ کیا کہ وہ ایسی حکومتوں کے قیام میں ہر ممکن تعاون کریں گے اور ان کے وجود میں آتے ہی انہیں تسلیم کر لیں گے۔

اس موضوع پر اب جو کیبنٹ پیپرز جاری ہوئے ہیں، ان سے آشکارا ہوتا ہے کہ اعلان میں انگریزوں کے ذاتی محرکات کام کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ امن کانفرنس میں سائیکس پیکاٹ معاہدے سے دامن چھڑانے کے لئے اس اعلان کو استعمال کر سکیں گے۔ بہرحال اعلان کے محرکات جو کچھ بھی تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شام میں حالات فوراً پر سکون ہو گئے۔ چھ ماہ بعد یعنی امن کانفرنس کے موقع پر عربوں کو پتہ چلا کہ وہ کس سادگی سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ اعلان کی قدر و قیمت اس سیاہی سے زیادہ نہ تھی جو اسے تحریر کرنے میں صرف ہوئی تھی۔

اس عرصے میں لارنس بہت سرگرم رہا اور سائیکس پیکاٹ معاہدے کو سبوتاژ کرنے کے لئے اپنے گرد حمایتی جمع کرتا رہا اور بڑی بے چینی سے ترپ کے پتے کی تلاش میں رہا جسے مارسیلز میں استعمال کر سکے اور پھر خلافِ توقع اس کا رخ صیہونیوں کی طرف پھر گیا۔

صیہونیوں کے عزائم

ترکی کی متوقع شکست قریب دیکھ کر صیہونیوں نے فلسطین میں اپنے قومی وطن کے قیام کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی برطانوی حکومت نے ان کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ دوسری طرف برطانیہ نے فلسطین عربوں کو دینے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا، چنانچہ ایک نئی مہم چل پڑی جس میں لارنس سب سے آگے تھا۔ اس نے عربوں کو نئی

صورت حال قبول کر لینے کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ وہ سمجھتا تھا فلسطین میں صہیونیوں کے عزائم سائیکس پیکاٹ معاہدے کا توڑ کر سکتے ہیں اور اس طرح فرانسیسیوں کو مشرق وسطیٰ سے نکالا جا سکے گا۔ دمشق سے واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ اس نے کیبنٹ کی مشرقی کمیٹی کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انڈیا آفس نے اس کے خیالات پر فوراً گرفت کی، اور پھر محکمہ جاتی جنگ شروع ہو گئی۔ لارنس، فیصل کو امن کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے یورپ آنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن جب فیصل مارسیلز پہنچتا ہے، تو فرانس کی طرف سے لارنس کا پرانا دشمن بغے موند، فیصل اور لارنس کا راستہ روک لیتا ہے۔

لندن میں لارنس، فیصل کو صہیونی لیڈر خائم وائزمن سے دوبارہ متعارف کراتا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنے ماسٹر پلان کو آگے بڑھائے، پلان جس میں وہ یہودیوں کو مرکزی کردار ادا کرنے کے لئے سامنے لاتا ہے اور جس میں فرانسیسی ہمیشہ کے لئے ڈوب جاتے ہیں۔

پانچ متبادل راستے

جنگ عظیم کے نتائج نے ایک طرف سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے اور یورپی طاقتوں کے سامراجی عزائم کا دائرہ مشرق وسطیٰ تک پھیل گیا، دوسری طرف صہیونیوں کو بھی فلسطین پر قبضہ کرنے کا راستہ مل گیا۔ جنگ سے پہلے صہیونیوں نے ترک حکمرانوں سے "مقدس سرزمین" میں آباد ہونے کی اجازت حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ جنگ شروع ہوئی اور صہیونیوں کی سرگرمیوں کا مرکز برلن بن گیا، لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ یروشلم پر اتحادیوں کا کنٹرول ہو گا، چنانچہ ہوشیار صہیونی لیڈروں نے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ پینگیں بڑھانا شروع کر دیں۔

برطانوی صہیونیوں کا سرخیل ممتاز سائنسدان اور کیمیا دان ڈاکٹر خائم وائزمن تھا، جو سیاست کی طرف بھی گہرا میلان رکھتا تھا۔ وائزمن چھوٹے قد اور گٹھے ہوئے جسم، باریش

اور سحر کن شخصیت کا مالک تھا، بڑا ہی بے رحم اور مخالفوں کا خطرناک دشمن۔ برطانیہ کے سیاستدانوں میں اس کی موثر لابی پہلے سے موجود تھی۔ اب اس نے لابی کا دائرہ وسیع کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی۔

سب سے پہلے دسمبر ۱۹۱۴ء میں صیہونیوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں طاقتور اپوزیشن سے ملاقات کی اور ہوم آفس کے انڈر سیکرٹری ہربرٹ سموئیل کے ذریعے اپنا کیس کابینہ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ سموئیل نے ایک خفیہ اور کسی حد تک مبالغہ آمیز میمورنڈم کے ذریعے یہ خدمت انجام دی جسے اس نے "فلسطین کا مستقبل" کا نام دیا۔

سموئیل کا کہنا تھا کہ ایک آزاد اور خودمختار یہودی ریاست کے قیام کا وقت ابھی تک نہیں آیا! تاہم صیہونی سلطنت برطانیہ سے فلسطین کے الحاق کا خیر مقدم کریں گے۔ اس نے برطانیہ کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے پرکشش دلائل دیئے۔ اس وقت کے برطانوی وزیراعظم اسکوئتھ نے میمورنڈم پڑھا اور اپنی ڈائری میں یہ نوٹ لکھا: "یہ ٹانکرڈ کا تازہ ایڈیشن معلوم ہوتا ہے۔ . . . مجھے متاثر نہیں کر سکا، لیکن وہ ڈیزی کے پسندیدہ قول نسل ہی سب کچھ ہے، کی عجیب و غریب تمثیل ہے"۔

سموئیل کو کسی طرح وزیراعظم کے خیالات کا پتہ چل گیا اور اس نے میمورنڈم پر نظر ثانی کی اور اسے مبالغہ آمیز خیالات سے پاک کر کے دوبارہ اس کی تشہیر شروع کر دی۔ اب کے اس نے فلسطین کے لئے پانچ متبادل راستے پیش کئے۔

۱۔ فرانس سے الحاق ۲۔ ترکوں کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ ۳۔ بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا جائے۔ ۴۔ خودمختار یہودی ریاست قائم ہو۔ ۵۔ برطانوی انتداب جس کے تحت یہودیوں کی آبادکاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

سموئیل نے جو جیوش کمیونٹی سے برطانوی کابینہ میں لیا جانے والا پہلا ممبر تھا، آخری راستے کی وکالت کی، لیکن اسکوئتھ اب بھی لاتعلق رہا۔ تاہم معاملہ ختم نہ ہوا اور ۱۹۱۶ء

میں سرمارک سائیکس نے صیہونیوں سے اس مسئلے پر گفت وشنید شروع کردی۔ یہودیوں نے رسمی یقین دہانی کرادی کہ برطانیہ کی حمایت کے بدلے میں وہ فلسطین میں برطانوی اقتدار قائم کرنے کے لئے کام کریں گے؛ چنانچہ ۲ نومبر ۱۹۱۷ کو فارن سیکرٹری مسٹر بالفور نے وہ مشہور اعلان کیا، جو تاریخ میں اعلان بالفور کہلاتا ہے۔ اعلان میں کہا گیا تھا:

"ہز میجسٹی گورنمنٹ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے حق میں ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زبردست کوشش کرے گی؛ تاہم ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے فلسطین کی غیر یہودی آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق متاثر ہوتے ہوں۔"

دستاویزی شہادت

یہ اعلان بالکل مبہم سا تھا؛ چنانچہ جب عربوں نے احتجاج کیا، تو برطانوی حکومت نے اس کی تاویلیں شروع کردیں۔ ادھر یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ برطانیہ نے عربوں کے ساتھ واقعی کوئی وعدہ کیا تھا کہ فلسطین ان کے حوالے کردیا جائے گا؟ اب وہ خط وکتابت شائع ہوچکی ہے جو ۱۶-۱۹۱۵ء میں سر ہنری میک ماہن (مصر میں برطانیہ کے ہائی کمشنر) اور مکہ کے شاہ حسین کے درمیان ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں عربوں اور انگریزوں کے درمیان پہلا معاہدہ وجود میں آیا تھا۔

جارج انتونیو اپنی کتاب "THE ARAB AWAKENING" میں اس خط وکتابت کا جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے:

"برطانوی حکومت کی دو دستاویزیں جو حال ہی میں منظر عام پر آئی ہیں، ظاہر کرتی ہیں کہ فلسطین بلاشبہ عربوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

پہلی دستاویز عرب بیورو کی رپورٹ ہے جو ہوگارتھ نے نومبر ۱۹۱۶ء میں تیار کی۔ اس میں مختصراً بتایا گیا ہے کہ میک ماہن اور حسین کے درمیان کیا طے ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا۔ متعلقہ شق میں لکھا ہے کہ عربی بولنے والے ان تمام علاقوں کی خود مختاری تسلیم کرلی جائے۔

جہاں برطانیہ فرانس کے مفادات کو نقصان پہنچائے بغیر عمل کے لئے آزاد ہے۔ شق میں آگے چل کر دمشق، حمص، حما اور حلب کے مغرب میں ایک لائن کھینچی گئی ہے جو مشرق میں ایران کی سرحد تک اور جنوب میں خلیج فارس اور بحر ہند تک چلی گئی ہے۔ ان حدود میں آنے والے تمام ممالک کے مستقبل کے انتظامات عربوں اور فرانسیسیوں پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور صرف عدن اور عراق کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس شق کی رو سے فلسطین، شام کے اس حصے میں آیا ہے، جو عربوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بعد بعد میں اس دستاویز کی نہ تو وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کی گئی، نہ اسے منسوخ کیا گیا۔

دوسری دستاویز پچاس سال تک خفیہ رہی۔ یہ ۲۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو لندن میں ہونے والی وار کیبنٹ کی مشرقی کمیٹی کے ایک اجلاس کی حرف بحرف رپورٹ ہے۔ اس کی تفصیلات پہلی بار شائع کی جا رہی ہیں۔ اس اجلاس میں صدارت کی کرسی پر لارڈ کرزن رونق افروز تھے۔ کمیٹی شام کے معاملے پر بحث و تمحیص کے بعد مسئلہ فلسطین پر غور کرنے والی تھی۔ کرزن نے اپنے دستور کے مطابق حکومت کے اقدامات کا لب لباب بیان کیا:-

"فلسطین کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی پابندیوں کو زیر بحث لائیں، تو سب سے پہلے وہ عام وعدہ ہے جو ۱۹۱۵ء میں حسین سے کیا گیا، جس کے تحت فلسطین اس علاقے میں شامل کیا گیا تھا، جسے مستقبل میں خود مختار عرب ریاست قرار پانا ہے۔"

لارنس کا نیا منصوبہ

نومبر ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کے بعد یہودیوں کے عزائم کے متعلق عربوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوئے، انہیں دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، چونکہ لارنس کے فیصل کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے، اس لئے وہ عربوں کو نئی صورت حال قبول کرنے کی ترغیب دینے میں پیش پیش تھا۔ لارنس سمجھتا تھا کہ اعلان بالفور فرانسیسیوں

کو نہ صرف فلسطین سے دور رکھے گا، بلکہ یہ اس اسکیم کا بھی حصہ بن سکتا ہے، جس کے تحت فرانس کو شام سے بھی دور رکھنے کی راہ ہموار کی جا رہی تھی۔ یہ بڑا دلیرانہ منصوبہ تھا اور لارنس شام میں ایک ایسی عرب ریاست کے قیام کے لیے کوشاں تھا جس کے سرپرست، تو انگریز ہوتے، مگر مشیر اور سرمایہ کار صہیونی۔

انگلینڈ پہنچے کچھ دن ہوئے تھے کہ ——— ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۸ر کو لارنس وار کیبنٹ کی مشرقی کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوا، جس کی صدارت لارڈ کرزن کر رہا تھا۔ اجلاس میں تمام فارن سیکرٹری شریک تھے۔ ایڈون مانٹیگو سیکرٹری آف سٹیٹ آف انڈیا نے، جو برطانیہ کی یہودی کمیونٹی کا ممتاز ممبر تھا، صہیونیوں کی تحریک کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ قومی تعلقات نسلی یا مذہبی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف سر مارک سائیکس نے عربوں کی خود مختاری اور صہیونیت دونوں کی حمایت کی؛ تاہم اس نے مایوسی کا اظہار کیا کہ عرب اور یہودی اکٹھے کام کر کے ایک نئے مشرقِ وسطیٰ کو جنم نہیں دے سکتے۔ اجلاس میں بالفور اور ایڈجوٹنٹ جنرل بھی موجود تھے۔ اپنے منصوبوں کو مستحکم شکل دینے کا لارنس کو یہ سنہری موقع ملا تھا۔ پھر لارڈ کرزن نے جس طرح اس کا تعارف کرایا، اس سے اس کا اعتماد اور بھی پختہ ہو گیا۔ کرزن نے کہا: "حکومت کا ہر ممبر عرب میں لارنس کے عظیم کارناموں کو تعریف اور تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ ایک افسر نے برطانیہ کی ترقی اور استحکام اور عرب فوجوں کے لیے اس قدر کام کیا ہے"!

لارنس نے اپنے خطاب میں سائیکس کی موجودگی کی پروا کیے بغیر سائیکس پیکاٹ معاہدے پر شدید نکتہ چینی کی، فیصل اور عرب شیوخ کے خیالات شرکاء کو بتائے اور پھر مشرقِ وسطیٰ سے متعلق اپنا منصوبہ پیش کیا، جس کے مطابق بغداد اور زیریں میسوپوٹیمیا پر عبداللہ، بالائی میسوپوٹیمیا پر زید اور شام پر فیصل کی حکومت ہو۔ فرانس کو بیروت اور لبنان کے سوا اور کسی علاقے پر قبضے کا حق نہ دیا جائے۔ لارنس نے یہ بھی بیان کیا کہ فیصل بضد ہے کہ وہ اپنی مرضی سے

مشیر منتخب کرے گا۔ اس مقصد کے لیئے وہ انگریزی یا امریکی صیہونی یہودیوں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔

کمیٹی نے لارنس کو ہدایت کی کہ وہ ان خطوط پر ایک میمورنڈم تیار کرے:

اب لارنس کو اعلیٰ مشیر کا درجہ مل گیا اور اسے یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ پیرس میں ہونے والی امن کانفرنس میں برطانیہ کے مطالبات منوانے کی جو تدبیر بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

کمیٹی کے اجلاس اس کے بعد بھی جاری رہے۔ میسوپوٹیمیا کے بارے میں کمیٹی کی گرفت مضبوط تھی، وہاں برطانیہ کو کنٹرول قائم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی، لیکن یہ کنٹرول کس قسم کا ہو یہ طے کرنا ابھی باقی تھا۔

انڈیا آفس اور فرانس دونوں لارنس کے منصوبے کے شدید مخالف تھے، جس کی حمایت فارن آفس کا ایک حصہ کر رہا تھا۔ فرانس کو خدشہ تھا کہ اگر سابق سلطنت عثمانیہ کے عربوں نے خود مختاری حاصل کر لی، تو اس کا اثر شمالی افریقہ میں فرانس کی مسلم رعایا پر لازماً پڑے گا۔ ایسے ہی خدشات انڈیا آفس کو ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں تھے۔ انڈیا آفس کا نقطۂ نظر لارنس کے لیئے بہت اہم تھا، چنانچہ عرصے تک حرمین شریفین کا معاملہ طے نہ ہو سکا۔

میسوپوٹیمیا کے بارے میں لارنس کے خیالات کی پذیرائی نہ ہو سکی، تو اس نے سفارش کی کہ شام کا اقتدار فیصل کو سونپ دیا جائے، لیکن کمیٹی ایک بار پھر سائیکس پیکاٹ معاہدے میں الجھ کر رہ گئی۔ برطانیہ فلسطین کو خود حاصل کرنا —— اور فرانسیسیوں کو شام سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ لارنس نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کمیٹی کو بتایا کہ اس کے خیال میں فلسطین اور شام میں صیہونیوں اور عربوں کے درمیان تصفیہ کرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، جس کے نتیجے میں فرانس شام سے نکلنے پر مجبور ہو جائے گا، بشرطیکہ فلسطین کی انتظامیہ برطانیہ کے ہاتھوں میں رہے۔ کمیٹی یہی کچھ چاہتی تھی، چنانچہ پیرس امن

کانفرنس میں کمیٹی نے اس موقف پر مبنی تجاویز پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فیصل پیرس میں

۲۰ نومبر کو لارنس نے ونگیٹ کے توسط سے شاہ حسین کو تار بھیجا کہ امن کانفرنس میں شاہ کی نمائندگی فیصل کرے اور وہ (حسین) اپنے فیصلے کی اطلاع تار ہی کے ذریعے برطانیہ، فرانس، امریکہ اور اٹلی کو دے دے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو فیصل ایک برطانوی کروزر میں روانہ ہوا۔ فرانس نے فیصل کو عربوں کا نمائندہ ماننے اور اسے امن کانفرنس میں بولنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔

برطانوی دفتر خارجہ نے پیرس میں برطانوی سفیر کو ہدایت کی کہ لارنس کو تمام تفصیلات بتا دی جائیں جو کہ مارسیلز کے راستے میں ہے اور باقی معاملہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ فیصل کو براہ راست لندن لانے کی رائے مسترد کر دی گئی، کیونکہ اس اقدام سے فرانس یہ سمجھے گا کہ فیصل کو فرانس کے خلاف کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فرانس نے لارنس پر الزام عائد کیا کہ اس منصوبے کے پس پردہ اس کا ہاتھ کارفرما ہے اور فیصل کے استقبال کے لئے پروگرام تیار کر لیا۔ لارنس کے پرانے حریف بطے موند کے ذریعے لارنس کو کہلوا دیا گیا کہ اگر وہ برطانوی کرنل کی حیثیت سے برطانوی وردی میں یہاں آتا ہے، تو ہم خوش آمدید کہیں گے، لیکن عربوں کے لبادے میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

لارنس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور فوراً لندن واپس چلا گیا۔ فیصل نے باوقار طریقے سے حالات کا سامنا کیا اور پیرس پہنچ گیا۔ ۷ دسمبر کو وہ فرانس کے صدر سے ملا۔ تین روز بعد بطے موند نے فیصل کو کیلے کے مقام پر لارنس کے سپرد کر دیا اور وہ دونوں انگلینڈ چلے گئے۔

صیہونی لیڈر کا دام

فیصل ۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء تک انگلینڈ میں رہا اور لندن میں شہنشاہ جارج پنجم نے

اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لارنس کی معیت میں مسٹر بالفور سے بھی ملا لیکن سب سے اہم واقعہ کارلٹن ہوٹل میں صیہونی لیڈر خائم وائزمن سے اس کی ملاقات تھی جس میں مشرق وسطیٰ میں عربوں اور یہودیوں کے لئے ایک عارضی تصفیہ تیار کیا گیا۔ لارنس سقوط یروشلم کے وقت فلسطین میں وائزمن سے مل چکا تھا اور اس کا بڑا مداح تھا۔ اب وہ برطانوی حکومت کی مکمل منظوری سے فیصل اور وائزمن کو ایک دوسرے کے قریب لے آیا۔ اس نے صیہونی لیڈر کے سامنے مشرق وسطیٰ کا ایک نیا منصوبہ رکھ دیا۔ یہ منصوبہ لارنس نے خود تیار کیا تھا۔ صیہونی اس میں مرکزی کردار ادا کرنے والے تھے۔

فیصل کی وائزمن کے ساتھ یہ پہلی ملاقات نہ تھی۔ وہ ۴ جون ۱۹۱۸ء کو عقبہ کے مقام پر پہلے بھی اس سے مل چکا تھا۔ اس ملاقات میں اس نے فیصل کو یاد کرایا تھا کہ اگر وہ ایک طاقتور اور خوشحال عرب مملکت قائم کرنا چاہتا ہے، تو صرف ہم یہودی ہی اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں روپیہ بھی دیں گے اور ان کی قوت منظم کرنے میں ان کا ہاتھ بھی بٹائیں گے۔ ہم اس کے بے ضرر پڑوسی ہوں گے، کیونکہ ہم نہ تو اس وقت بڑی طاقت ہیں اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے۔ اس ملاقات کے بعد صیہونی، فیصل سے تعلقات استوار کرنے میں لگے رہے۔ اسے عربوں اور اتحادیوں کے آزاد کرائے ہوئے علاقے کا انتظام کرنے کے لئے روپے کی اشد ضرورت تھی۔ صیہونیوں نے تخمینہ لگایا کہ اخراجات دو لاکھ پونڈ ماہوار ہوں گے اور ۱۹۱۹ء میں فصل آنے اور اس کا ٹیکس وصول ہونے تک آمدنی صفر رہے گی، چنانچہ فیصل کو قرضے اور مالیاتی مشیر کی پیشکش کی، بشرطیکہ وہ فلسطین کے معاملے میں ان کی اعانت کرے۔

یہ اعانت کس قسم کی ہوگی، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے فیصل اور وائزمن کارلٹن ہوٹل میں ۱۱ دسمبر کو ملے۔ فیصل کا کوئی معاون یا افسر اس ملاقات یا اس کے نتیجے میں ہونے والے معاہدے سے آگاہ نہ تھا۔ وائزمن کے اپنے بیان کے مطابق فیصل

نے سائیکس پیکاٹ معاہدے پر خفگی کا اظہار کیا اور اسے عربوں اور یہودیوں دونوں کے لئے مہلک قرار دیا۔ عربوں نے دمشق میں حکومت بنالی تھی، لیکن یہ بہت کمزور تھی۔ اس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ فوج کے لئے ایمونیشن اور آدمی۔ فیصل کی ساری امیدیں امریکہ سے وابستہ تھیں کہ وہ اس معاہدے کو ختم کرا دے گا۔ اس پر وائزمن نے بتایا کہ وہ ۱۹۱۵ء سے اس معاہدے سے واقف ہے اور نہ صرف احتجاج کر چکا ہے، بلکہ امریکی صیہونیوں سے کہہ چکا ہے کہ جب بھی موقع آئے اس کی مخالفت میں اقدام کریں۔

وائزمن نے مزید کہا کہ صیہونیوں کا پروگرام یہ ہے کہ امن کانفرنس اور فیصل فلسطین پر یہودیوں کے قومی اور تاریخی حق کو تسلیم کرلیں، برطانیہ ٹرسٹی طاقت بن جائے، یہودیوں کو حکومت میں مناسب حصہ ملے اور ملک کو اس طرح ترقی دی جائے کہ عرب کسانوں کے ملکیتی حقوق غصب کئے بغیر پچاس لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں آباد کیا جاسکے۔ اس کے بدلے میں یہودی، فیصل کو دماغوں اور روپے کی شکل میں ہر ممکن مدد دینے کو تیار ہیں۔ اس کے جواب میں فیصل نے کہا کہ فلسطین میں زمین کی کوئی کمی نہیں۔ وائزمن لکھتا ہے:

"اس نے قسم کھاکر ہمیں یقین دلایا کہ وہ امن کانفرنس میں اعلان کرے گا کہ صیہونیت اور عرب تحریک ساجھی تحریکیں ہیں اور ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے"۔

اس گفت و شنید کے نتیجے میں آخرکار معاہدہ طے پاگیا جس کی رو سے برطانیہ کو ٹرسٹی شپ، صیہونیوں کو فلسطین میں داخلہ، آبادکاری اور حکومت میں شراکت کا حق مل گیا اور فیصل کو یہودیوں سے روپیہ، مالی مشورے اور امن کانفرنس میں صیہونیوں کی حمایت حاصل ہوگئی، لیکن ۳ جنوری کو جب معاہدے کے اصل مسودے پر دستخط کرنے کا وقت آیا، تو اختلافات پیدا ہوگئے۔ لارنس نے مشہور مؤرخ ٹائن بی، جو برطانوی امن وفد کا ایک رکن تھا، کو بتایا کہ وائزمن نے دستاویز کے ڈرافٹ میں "جیوش اسٹیٹ" اور "جیوش گورنمنٹ" کے الفاظ شامل کردیئے تھے، جب لارنس نے یہ الفاظ پڑھے، تو فیصل

نے اصرار کیا کہ ان کی جگہ ”فلسطین“ اور ”فلسطین گورنمنٹ“ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

وائزمن نے فیصل کو مطمئن کرنے کے لئے کہا کہ جیوش اسٹیٹ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فلسطین کے عربی بولنے والے باشندوں کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔ فیصل نے اصرار کیا کہ معاہدے کے آخر میں استثنائی جملہ عربی میں لکھا جائے۔ لارنس نے فوراً مندرجہ ذیل الفاظ لکھ دیئے:۔

”اگر عرب حکومت قائم کر لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے ۴ جنوری کو برطانوی امور خارجہ کے سیکرٹری کو اپنے منشور میں لکھا تھا، میں اس معاہدے کی پابندی کروں گا، لیکن اگر اس میں تبدیلی کی جاتی ہے، تو اس پر عمل ہوتا ہے یا نہیں میں جوابدہ نہیں ہونگا۔“ اس کے بعد فیصل اور وائزمن نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

اکتوبر میں فیصل نے جیوش کرانیکل کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ جہاں تک وہ سمجھا ہے وائزمن بس یہ چاہتا ہے کہ یہودیوں کو آبادکاری کی اجازت، مساوی حقوق اور حکومت میں مناسب حصہ مل جائے، جب جیوش کرانیکل کے نمائندے نے کہا کہ یہودی اعلانِ بالفور کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ انہیں اپنے قومی وطن کے قیام کا حق ہے، جو آخر کار ایک یہودی ریاست بن جائے گا، تو فیصل نے کہا: ”فلسطین کو عرب مملکت کے علاوہ کسی اور کے حوالے کرنے کے خلاف اور اس سرزمین پر عربوں کی بالادستی قائم رکھنے کے لئے عرب اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔“

حسین اور ابن سعود

۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء کو پیرس میں امن کانفرنس شروع ہوئی، جس میں لارنس نے برطانوی وفد کے ممبر کی حیثیت میں شرکت کی۔ اس کا کام فیصل کو ”صحیح سمت میں“ رکھنا تھا۔ فیصل اس خوش فہمی میں مبتلا تھا وہ عربوں کے لئے جو کچھ چاہتا ہے لارنس کے ذریعے حاصل کرے گا۔ ادھر کرزن اور اس کے ساتھی لارنس کی مدد سے برطانیہ کے لئے عربوں

سے اپنی مرضی کی باتیں منوانا چاہتے تھے۔ اس دوران میں لارنس اور انڈیا آفس کی چپقلش شدید ہو گئی تھی۔ لارنس، شریف کو عرب لیڈر قرار دیتا تھا اور انڈیا آفس ابن سعود کو؛ چنانچہ پیرس امن کانفرنس میں لارنس کو جس بڑے مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ حقیقی عرب لیڈر کون ہے؟ شریف یا ابن سعود؟ ابن سعود، حسین کو عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھا اور حجاز پر حملے کر رہا تھا۔ اس کے خلاف حسین نے دو مہمیں روانہ کیں جو ناکام رہیں۔ مئی ۱۹۱۹ء میں عبداللہ چار ہزار پیدل فوج اور دس ہزار سواروں کے ساتھ ابن سعود کو کچلنے کے لیے روانہ کیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ انڈیا آفس ابن سعود کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کر رہا تھا اور فارن آفس عبداللہ کو۔ وہابیوں نے رات کے وقت عبداللہ کی فوج پر یلغار کر دی اور اسے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ عبداللہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ ابن سعود اب مکہ کی طرف مارچ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ فارن آفس کا الٹی میٹم ملا، وہ پیچھے ہٹ جائے، ورنہ اسے روکنے کے لئے ہوائی جہاز بھیجے جائیں گے۔ انڈیا آفس نے بھی اسے پیچھے ہٹ جانے کا مشورہ دیا اور ابن سعود کی یلغار تھم گئی (۲۵-۱۹۲۴ء میں ابن سعود نے حجاز اور مقدس شہروں پر قبضہ کر لیا (یہ اب سعودی عرب میں شامل ہیں) عبداللہ کی شکست سے لارنس کو بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اس نے وار کیبنٹ کو بتایا تھا کہ حجاز پر حملے کی صورت میں حسین، ابن سعود سے آسانی کے ساتھ نبٹ لے گا۔

کمیشن کی رپورٹ

فیصل صاف محسوس کر رہا تھا کہ امن کانفرنس میں برطانیہ، فرانس کے آگے آہستہ آہستہ جھکتا جا رہا ہے؛ تاہم صدر ولسن کی اس تجویز سے لارنس اور فیصل دونوں کا حوصلہ بلند ہو گیا کہ عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن شام بھیجا جائے۔ اس کمیشن میں امریکہ اور برطانیہ کے دو دو نمائندے تھے، لیکن کوئی فرانسیسی نمائندہ نہ تھا۔

کانفرنس نے فیصل کے مطالبات پر فیصلہ ملتوی کر دیا اور وہ شام واپس چلا گیا۔ برطانیہ ابتداء میں بڑا سرگرم تھا، لیکن جب کمیشن نے تجویز کیا کہ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ میسوپوٹیمیا اور فلسطین تک بڑھا دیا جائے، تو اس کی دلچسپی سرد پڑ گئی۔ آخر کار کمیشن کے امریکی ممبروں نے اپنی رپورٹ پیش کر دی جس کے مطابق شام، فلسطین اور عراق کو مختصر مدت کے لیے انتداب کے تحت دے دیا جائے اور پھر جتنی جلدی ممکن ہو سکے انہیں خود مختاری دے دی جائے۔

شام کا انتداب امریکہ کو اور عراق کا برطانیہ کو دے دیا جائے۔ فلسطین کو یہودیوں کا امن وطن بنانے کا خیال ترک کر دیا جائے۔ یہ مشورہ کسی کے لیے بھی قابل قبول نہ تھا یہاں تک کہ واشنگٹن نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔

جس وقت صیہونی فلسطین کے بارے میں فیصلے کے منتظر تھے اور فیصل دمشق میں تخصصاتی کمیشن کی حمایت کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ لارنس فرصت کے موقع کو غنیمت جان کر قاہرہ سے اپنے کاغذات حاصل کرنے کے لئے رائل ایئر فورس کے ایک طیارے میں روانہ ہوا، لیکن طیارہ اٹلی میں حادثے کا شکار ہو گیا اور وہ زخمی ہو کر واپس لندن پہنچ گیا۔

سازشوں کے نئے جال

برطانوی حلقوں میں یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ مستقبل میں تیل ایک اہم ہتھیار ہوگا، مگر سائیکس پیکاٹ کے معاہدے کے نتیجے میں موصل ایسا تیل کے ذخائر سے مالا مال علاقہ فرانس کو ملنے والے علاقے میں شامل ہو گیا تھا۔ تاہم دسمبر ۱۹۱۸ء میں کلیمنسو لندن آیا، تو لائڈ جارج نے اس سے تصفیہ کر لیا، جس کے تحت موصل برطانیہ کو مل گیا۔ اس کے بدلے میں برطانیہ نے تیل میں فرانس کو حصہ دینے، دریائے رائن کے بائیں کنارے کے مسئلے پر اس کی حمایت کرنے اور شام کو بیروت اور دمشق میں تقسیم نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا، چنانچہ امن کانفرنس میں برطانیہ کی کوئی سازش نہ چل سکی۔ فرانس اپنے موقف

پر ڈٹا رہا اور آخر کار برطانیہ کو شام اور فیصل سے دست کش ہونا پڑا۔

تیل کے ماہرین کا خیال تھا کہ رعایت اور رائلٹی کے بارے میں گفت و شنید اس صورت میں زیادہ آسان ہوگی، جب مشرق وسطیٰ میں ایک طاقتور عرب مملکت کی بجائے اتحاد کے شعور سے عاری کئی حریف ریاستیں ہوں، چنانچہ تیل کی لابی، مشرق وسطےٰ میں سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال بچھانے میں مصروف ہوگئی۔

maablib.org

باب ۸

سلطنتِ عثمانیہ کا آخری تاجدار

سُلطان عبد الحمید

عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو مغربی مصنفین بے رحم قاتل، قوم کا دشمن، غدار اور خائن کہتے ہیں، ترک بھی ایک مدت تک اس پروپیگنڈے سے مسحور رہے ——— لیکن اب رفتہ رفتہ اس پروپیگنڈے کا طلسم ٹوٹتا جارہا ہے۔ سلطان کا واحد جرم یہ تھا کہ وہ فلسطین کا علاقہ یہودیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تھے ——— حال ہی میں ترکی زبان میں لکھی ہوئی سلطان کی اپنی یادداشتیں شائع ہوئی ہیں۔ یہ یادداشتیں انہوں نے اس زمانے میں تحریر کیں، جب وہ قصر بیلربی میں قید تھے۔ ان یادداشتوں کا ترجمہ عربی میں ہوچکا ہے۔ ——— ہم انہیں پہلی بار اردو میں شائع کر رہے ہیں۔

سلطان عبدالحمید کی یادداشتیں

۱۸ مارچ ۱۹۱۷ء

جنگ سے پہلے جرمنی کی ابھرتی ہوئی طاقت کو یورپی ممالک خصوصاً برطانیہ، فرانس اور روس بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے، لیکن میرے نزدیک یورپی طاقتوں میں توازن برقرار رکھنے کے لیے جرمنی کا ابھرنا ضروری تھا۔ جرمنی کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تصادم دوسری یورپی طاقتوں سے ناگزیر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ طاقتیں دولتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے پر جس طرح تلی ہوئی تھیں، اس کے پیشِ نظر ہمیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ جنگ کی صورت میں ہمارا موقف کیا ہوگا۔ میرا بہت سا وقت اسی مسئلے پر غور و فکر میں گزرتا۔

استنبول میں بڑی طاقتوں کی جو کانگرس منعقد ہوئی، اس میں ان کی نیتیں واضح ہو کر سامنے آگئیں۔ یہ کانگرس انہوں نے عیسائی رعایا کے حقوق کی حفاظت کی خاطر میں بلائی تھی، جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا، بلکہ درحقیقت ان کا مقصد خود اپنی "آزادی" کا

تحفظ تھا، وہ چاہتی تھیں کہ انہیں ملک میں کھل کھیلنے کی کھلی چھٹی مل جاتی تاکہ وہ دولت عثمانیہ کو پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا عمل مکمل کر سکیں۔

اس مقصد کو بر لانے کے لئے یہ طاقتیں دو طریقوں سے کام کر رہی تھیں۔ اوّل یہ کہ مسیحی رعایا کو بغاوت پر اکسانے اور ملک کی خوشگوار فضا کو مکدّر کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ دوم، پارلیمنٹ اور دستور کے مطالبات کے پردے میں ہمارے اندر ایسے آدمی پیدا کرنے کی تدبیروں میں مصروف تھیں جو ان کے منصوبوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ان کے معاون اور مددگار بن سکیں۔ ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ افسوس یہ کہ ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ ترک نوجوان ان کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو گئے۔ وہ دستوری حکومت کے علمبردار تو تھے، لیکن اس کے پیچھے جو مغربی فلسفہ کارفرما تھا، اس سے بالکل بے خبر تھے، یہ کہ اجنبی طاقتوں کو خود ہماری اپنی صفوں میں تفریق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ میرے لئے خیانت اور غداری پر مبنی یہ صورتحال ناقابلِ برداشت تھی اور مجھے اپنے ملک کو اس سے نجات دلانا ضروری تھا۔

یورپی طاقتوں کی اس کانگرس میں ایک بات اور سامنے آئی۔ وہ یہ کہ سلطان عبدالعزیز خان نے اپنے عہد میں عثمانی لشکر اور بحریہ کو طاقتور بنانے کے جو اقدامات کئے تھے، ان سے یہ طاقتیں سخت پریشان تھیں۔ یہ اقدامات گویا سلطان کے عہدِ حکومت کا حاصل تھے۔ ان کے موثر اور کارگر ہونے کا پتہ روس کے ساتھ جنگ میں چلا۔ بدقسمتی سے عثمانی فوج کے افسر دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک وہ گروہ جو حکمران خاندان کا مخالف تھا اور دوسرا وہ جو اس کا حامی اور موئید تھا۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کشمکش میدانِ جنگ میں بھی جاری رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ہم روسی لشکر کی پیش قدمی نہ صرف روکنے میں کامیاب ہو جاتے، بلکہ جوابی حملہ کر کے اسے تباہ بھی کر دیتے۔ اس

طرح سلطان عبدالعزیز خان کی عثمانی فوج کے متعلق پالیسی کلیتہً ناکام نہ رہی تھی۔

تاہم عثمانی افواج کے برعکس عثمانی بیڑے نے اپنی بھاری تعداد کے باوجود کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا۔ وجہ یہ تھی کہ ہمارے تقریباً تمام جہازوں کی کمان انگریزوں کے ہاتھ میں تھی اور جب ہم نے بعض جنگی جہازوں کی کمان ان سے لینا چاہی، برطانوی سفیر بھاگا بھاگا قصرِ خلافت میں آیا اور کسی شرم اور جھجک کے بغیر صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اس اقدام کو بالکل برداشت نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ کہ مجھے عثمانی بیڑا واپس خلیج میں بھیجنا پڑا اور بحرابیض میں یورپی بیڑوں کی ترکتازیوں کا مقابلہ کرنے والی قوت نہ رہی۔ لوگوں نے خفیہ دباؤ سے پیدا ہونے والی اس صورتحال کے متعلق سراسر جھوٹے افسانے گھڑ لیے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ چونکہ بحری بیڑے نے عبدالعزیز کو تختِ خلافت سے اتارنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس لئے عبدالحمید نے اسے بیکار کر کے رکھ دیا۔ یورپی طاقتوں سے تن تنہا لڑنے کی عثمانی سلطنت میں سکت نہ تھی۔ ایشیا کے اکثر مسلمان ملکوں پر انگریز اور روس ایسی بڑی طاقتیں مسلط تھیں اور عثمانی خلافت کا وجود ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہا تھا۔ وہ اسے ختم کرنے کے درپے تھیں اور عثمانی سلطنت کے اندر جگہ جگہ بغاوتیں کھڑی کر رہی تھیں۔

اسی زمانے میں میرے ہاتھ ایک ایسا منصوبہ لگا جو برطانوی وزارتِ خارجہ کے دفتر میں تیار ہوا تھا۔ اس منصوبے میں دو آدمی بنیادی کردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک جمال الدین افغانی اور ایک انگریز جو اپنا نام بلنٹ بتاتا تھا۔ منصوبے میں کہا گیا تھا کہ ترکوں سے خلافت کی قبا لے لی جائے اور مکہ کے شریف حسین کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا جائے۔

میں جمال الدین افغانی کو بہت قریب سے جانتا تھا۔ اس وقت وہ مصر میں تھے۔ وہ خطرناک آدمی تھے۔ مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے میرے سامنے

تجویز رکھی کہ وہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو روس کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ مجھے خوب علم تھا کہ افغانی ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ وہ انگریز کے آدمی تھے اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ انہیں انگریز نے میری جاسوسی کے لئے تیار کیا تھا۔ میں نے فوراً انکار کر دیا۔ میں نے انہیں ابوالہدیٰ الصیادی الحلبی کے ذریعے استنبول آنے کی دعوت دی اور پھر انہیں نکلنے نہ دیا۔

خلافت کو برباد کرنے کے لئے انگریز آئے دن کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہتے تھے۔ وہ ایشیا میں پندرہ کروڑ مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے۔ یہ لوگ خلافتِ عثمانیہ کے حامی تھے۔ مجھے اس صورتحال کی خبر تھی۔ میں نے وسط ایشیا اور دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لئے بہت سے معزز اصحاب، شیوخ طریقت اور درویش بھیجے۔ ان لوگوں نے اسلامی اخوت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے بڑا کام کیا۔ شیخ سلیمان آفندی بخاری ان میں سے ایک تھے۔ ہندوستانی مسلمان بھی دولتِ عثمانیہ کے ساتھ گہرا جذباتی رشتہ رکھتے تھے۔ ہم پر جب بھی کوئی افتاد پڑتی ہے، بے چین ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ انگریزوں کا جو طرزِ عمل تھا، اس سے سخت نالاں تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ انگریزی حکومت، دولت عثمانیہ کے ساتھ امن و امان سے رہے۔ مسلمانوں کی اس ہمدردی سے ہمیں آزمائش کی گھڑیوں میں بڑی تقویت ملتی تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب انگریز جرمنوں کے بارے میں ہماری مملکت میں شکوک و شبہات پھیلا رہے تھے۔ دراصل وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم جرمنوں کے ساتھ مل کر ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ روس اور برطانیہ دونوں عثمانی سلطنت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انگریزوں نے اس سلسلے میں ایک تجویز بھی روسیوں کے سامنے رکھی، لیکن انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ دراصل دونوں کا مقصد تو ایک تھا، لیکن ان میں سے ہر ایک خود سلطنت عثمانیہ کے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ

کرنا چاہتا تھا۔ وہ دوغلی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ایک طرف انگریز ایشیا میں روس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے، اس طرح وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے اور دوسری طرف انہوں نے جرمنی کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا تھا۔ میری نیت شروع میں جرمنی سے معاہدہ کرنے کی نہ تھی، لیکن جب یورپی طاقتوں کے باہمی معاہدوں کا پتہ چلا تو میرے لئے بھاری بھرکم بحری طاقت رکھنے والے ملک کے ساتھ معاہدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

انگریزوں کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ فری میسنری تحریک زوروں پر تھی۔ نوجوان ترک مرد وزن اس تحریک میں شامل ہو رہے تھے۔ سالونیکا ان کا گڑھ تھا۔ ادھر جرمنی نے بھی اپنی نگرانی میں فری میسنری کی محفلیں جما رکھی تھیں۔ ان کا مرکز مناستر میں تھا۔ یہ دونوں مرکز آپس میں دست بگریباں رہتے۔ انور، نیازی، شمسی وغیرہ مناستر کے مرکز سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے جرمنی کے ساتھ بغداد میں ریلوے لائن بچھانے کا معاہدہ کیا، تو انگریز بھڑک گئے اور مقدونیہ میں ہمارے خلاف ایک مصیبت کھڑی کر دی۔

ادھر ہم یونانیوں سے نبٹ رہے تھے، ادھر جنگ عظیم قریب تر آتی جا رہی تھی۔

۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء

روسیوں نے جب عثمانی سلطنت کا بٹوارا کرنے کی برطانوی تجویز مسترد کر دی کہ اس میں فائدہ انگریزوں کو پہنچتا تھا، تو انگریزوں نے میرے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کئے۔ ابتدا میں میں ان کی چال نہ سمجھ سکا۔ کئی مہینے بعد حقیقتِ حال واضح ہو کر سامنے آئی۔ ایک روز انگریز سفیر مجھ سے ملنے آیا۔ وہ اناطولیہ، شام اور حجاز کے متعلق دیر تک باتیں کرتا رہا۔ کہنے لگا: "یہ علاقے تاریخ کی عظیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ رہے ہیں۔ یہاں قدیم آثار کی جگہ جگہ موجود ہیں۔ عثمانی سلطنت کو ان کی کھدائی کرنی چاہئیے۔ بڑے قیمتی خزانے ملیں گے۔ قدیم مورتیوں اور یادگاروں کی صورت ہی میں نہیں، نقد اور سونے چاندی کی صورت میں بھی۔" اس نے مصر میں آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں کا حوالہ دیا۔ "برطانوی حکومت اس مقصد کے لئے ہر قسم

کی مدد دینے کو تیار ہے۔ معاہدہ طے پاتے ہی برطانوی ماہرین آثار قدیمہ پہنچ جائینگے۔ میں چونکہ انگریزوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا خواہشمند تھا، اس لئے اس تجویز کے پیچھے کارفرما مقصد پر میری نظر گئی۔ میں نے تجویز منظور کر لی۔ فوراً صدر علم خلیل رفعت پاشا کو طلب کیا۔ برطانوی تجویز اس کے سامنے رکھی اور کہا کہ وہ اس سلسلے میں ضروری اقدامات کرے۔ آثار قدیمہ کے جو ماہرین آئیں، انہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائے۔ بے حد تاخیر کے بعد انگریزوں نے اپنے ماہرین استنبول بھیجے۔ میں نے سب کو باریاب کیا، ان کی کامیابی کی تمنا کی، ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں دوسری حکومتوں کے سفیر بھی شریک ہوئے۔ روسی سفیر سے بات چیت کے دوران میں نے کہا کہ انگریزوں نے تاریخ اور تہذیب کی خدمت کے لئے مجھ سے آثار قدیمہ کھودنے کی اجازت طلب کی تھی جو میں نے دے دی ہے، تو وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرایا، جیسے اسے اس بات پر یقین نہ ہو۔

برطانوی ماہرین کے ایک گروہ نے قیصریہ میں کھدائی شروع کی، دوسرے نے موصل میں اور تیسرے نے بغداد کے قریب ایک مقام پر، ان کے ساتھی مقامی مزدور اور کارکن کام کر رہے تھے۔ ہمارے آدمی اپنی جگہ پر اس کام کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان مقامات سے سوائے چند شکستہ برتنوں، چھوٹی موٹی مورتیوں، تانبے کے پرانے سکوں اور مقبروں وغیرہ کے کوئی خاص شے برآمد نہ ہوئی۔ ہم نے معاہدے کے مطابق یہ برتن، مورتیاں اور سکے ان کے حوالے کر دیئے۔ اس اثناء میں برطانوی سفیر مجھ سے ملنے آیا کرتا اور ہم کام کی رفتار اور تاریخ پر گفتگو کرتے۔ ایک روز وہ آیا تو خاصا مسرور اور پرجوش تھا۔ ایک مرصع تلوار پیش کرتے ہوئے کہنے لگا یہ موصل کے قریب کھدائی میں ملی ہے۔ تلوار ٹوٹی ہوئی تھی، لیکن اس کے دستے میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ تلوار کسی زلزلے سے زمین میں دب گئی، اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر دور کہیں چلا گیا اور باقی حصہ کھدائی کے دوران ہاتھ آ

گیا۔ میں نے سفیر کا شکریہ ادا کیا اور اسے انعام سے نوازا۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ ہماری انٹیلی جنس کو اس تلوار کے دستیاب ہونے کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کی دو ہی وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ ہمارے مخبروں کو تلوار کے ملنے کی خبر تک نہیں مل سکی، دوسرے یہ کہ سفیر کوئی ایسا ڈرامہ کر رہا تھا جس سے میں ناواقف تھا۔ میں نے یہ تلوار بازار بھیج کر بعض تاجروں کو پیش کی۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ بتایا یہ تلوار پرانے زمانے کی نہیں ہے۔ میں نے کہا نہیں یہ بہت پرانی ہے اور پھر میں نے اس کے کئی دلائل دیئے۔ تاہم میں حقیقت کا سراغ لگانے میں مصروف رہا لیکن کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ پھر اخبار میں چھپنے والی ایک خبر سے مجھے معلوم ہوا کہ جو ماہرین موصل اور بغداد میں کھدائی کر رہے تھے، وہ آثارِ قدیمہ کی تلاش چھوڑ کر کنویں کھودنے لگے ہیں۔

اب مجھ پر ان کے حقیقی عزائم عیاں ہوئے۔ دراصل تیل تلاش کرنے کے لئے انہوں نے آثارِ قدیمہ ڈھونڈنے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ اگر وہ تیل تلاش کرنے کی پیش کش لے کر آتے، تو میرا طرزِ عمل بالکل مختلف ہوتا، اس لئے انہوں نے ماہرین آثارِ قدیمہ کا نقاب اپنے چہرے پر ڈال لیا۔ پھر مجھے اپنے اعتماد میں لینے کے لئے مرصع تلوار دریافت کرنے کا ڈرامہ رچایا۔

کچھ مدت بعد برطانوی سفیر نے مجھ سے ملاقات کی اور کہنے لگا کہ شام اور حجاز کے علاقے زیادہ تر صحرا پر مشتمل ہیں اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے پیاس یہاں کے باشندوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ پانی کے فقدان کی وجہ سے اس علاقے کو ترقی بھی نہیں دی جا سکتی۔ ہم انسانیت کے نام پر اس مسئلے کو حل کرنے اور صحرا میں کنویں کھودنے پر آمادہ ہیں، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ پانی کی قلت ختم ہو جائے اور صحرا میں نخلستان وجود میں آ جائیں تو موجودہ کنویں جو مقامی لوگ اب تک استعمال کرتے آئے ہیں، بند کر دیئے جائیں گے اور ہمارے کھودے ہوئے کنوؤں پر ہمارا کنٹرول ہوگا۔

میں نے یہ تجویز مسترد کر دی، یہی نہیں بلکہ موصل اور بغداد میں جو کنویں کھودے گئے تھے، وہ بھی بند کروا دیئے۔ انگریز اس پر بڑے تلملائے۔ کھدائی وغیرہ تو وہیں رہ گئی،

اب انہوں نے اپنی ساری تگ و دو عثمانی سلطنت کو ختم کرنے اور خلافت کا منصب ہم سے چھین کر مکّہ کے شریف کے حوالے کرنے پر مرکوز کردی۔ میں نے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لئے درویشوں کا ایک بڑا قافلہ ہندوستانی مسلمانوں کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے اس منصوبے کا مقابلہ اور زیادہ سرگرمی سے کیا اور جزیرہ کریٹ میں بغاوت کروادی۔ مزید یہ کہ ایک بار پھر ہمارے خلاف روس اور فرانس سے سازباز شروع کی، لیکن روس کے زار نے انکار کر دیا۔ زاروں کی حکومت کے خلاف روس میں جو تحریکیں چل رہی تھیں، انگریز ان کی سعادت کر رہے تھے اور ملک میں دستوری نظام قائم کرنے کے مطالبے کے اسی طرح مؤید تھے، جیسے وہ عثمانی سلطنت میں دستوری حکومت کے نام پر چلنے والی تحریکوں کے حامی تھے۔

ٹھیک اس زمانے میں جب انگریز ہمارے ساتھ کشمکش میں مصروف تھے۔ جرمنی نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور کریٹ کے مسئلے پر ہماری حمایت کی اور یورپ کی دوسری حکومتوں کے موقف کی مخالفت، ادھر یونان میں ہماری افواج فتحیاب ہو رہی تھیں۔ ان فتوحات نے جرمنوں کی آنکھیں کھول دی تھیں، چنانچہ فرانس، برطانیہ اور روس کے گٹھ جوڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے قیصر جرمنی میرے اور قریب ہوگیا۔ میں نے بھی جواب میں دوستانہ روابط بڑھائے۔ میں دراصل اس طرح انگریزوں پر واضح کر دینا چاہتا تھا کہ ہمیں کمزور و ناتواں نہ سمجھو۔ ہم جرمن افواج کے لئے ہندوستان فتح کرنے کے دروازے کھول دینے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن جرمنی کے ساتھ تعاون کرنے کے یہ معنی نہ تھے کہ ہمیں اس کے نظریات و افکار سے سو فی صد اتفاق تھا۔ کئی امور و معاملات میں ہمارا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔

انہی دنوں قیصر ولیم سرکاری دورے پر استنبول آیا۔ میں نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا، اس کے اعزاز میں جو دعوت دی، اس میں تقریر کرتے ہوئے اسے دنیا بھر میں رہنے والے تیس کروڑ مسلمانوں کا دوست قرار دیا۔ قیصر نے دمشق پہنچ کر جو تقریر کی

اس میں اس نے زار روس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "دولتِ عثمانیہ موت کے کنارے پر نہیں کھڑی، بلکہ وہ زندگی کی توانائیوں سے پوری طرح بہرہ ور ہے...... روس کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں اور ان کے شرف سے نہ کھیلے، قیصر کے طرزِ عمل اور اس کی تقریروں نے میرے پاکیزہ جذبات کے ساز کو چھیڑ دیا۔

جرمن شہنشاہ کے ساتھ بعض اہلِ علم بھی آئے تھے ان میں ماہرین آثارِ قدیمہ بھی تھے۔ انہیں بھی انگریزوں کی طرح پرانے آثار ڈھونڈنے کے کام سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے موصل اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ منتخب کیا اور میں نے اس کی اجازت دے دی۔ اب بھی وہی معاملہ پیش آیا۔ میں نے سنا کہ جرمن ماہرین آثارِ قدیمہ کی جماعت بھی کنویں کھود کر پٹرول نکالنے کی فکر میں ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے دھوکا کھایا تھا۔ اگر جرمن شہنشاہ پٹرول تلاش کرنے کے مسئلے پر میرے ساتھ بات چیت کرتا، تو بعض شرائط کے تحت میں اسے اجازت دے دیتا، اس لئے کہ خود میرا ملک پٹرول تلاش کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ آثارِ قدیمہ کی تلاش کے پردے میں پٹرول ڈھونڈنے والے ماہرین اور جاسوسوں کو بھیجنے سے صاف ظاہر تھا کہ جرمن ہم عثمانیوں کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔

قصرِ شاہی کے سیکرٹری تحسین پاشا کی رائے یہ تھی کہ ہم جرمن شہنشاہ سے احتجاج کریں لیکن مجھے اس سے اختلاف تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہ تلاش کرتے رہیں۔ آخر وہ پٹرول جیب میں ڈال کر نہیں لے جائیں گے۔ ہم انہیں کھدائی سے نکلنے والے شکستہ برتن وغیرہ دے دیں گے اور پٹرول اپنے کام میں لائیں گے کہ ان سے معاہدہ پٹرول کا نہیں، آثارِ قدیمہ کے نوادرات کا ہوا ہے۔

میرے ایک مشیر صلاح الدین آفندی اس قسم کے مسائل خوب سمجھتے تھے۔ میں نے انہیں طلب کیا اور امریکہ بھیجا۔ اس زمانے میں امریکہ اس میدان میں بہت ترقی یافتہ تھا اور ہماری سلطنت کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم یہ جاننا

چاہتے تھے کہ ہمارے ملکوں میں پٹرول ہے یا نہیں، مگر افسوس میری سعی بے ثمر رہی، صلاح الدین آفندی نے امریکہ میں جن کمپنیوں سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے اس سلسلے میں کسی گرمجوشی کا اظہار نہ کیا؛ چنانچہ انہیں بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔

واپسی پر صلاح الدین آفندی نے مجھے بتایا کہ امریکیوں کا خیال ہے، وہ خود اپنے ملک میں اتنا پٹرول نکال لیں گے کہ دنیا بھر کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ کسی دوسرے ملک میں پٹرول نکالنے کی مہم میں کیا دلچسپی لے سکتے ہیں، عجب کہ یہ بھی جانتے ہوں کہ امریکہ سے باہر کسی ملک میں وسیع پیمانے پر نکلنے والا پٹرول ان کے تیل کی قیمتوں پر بھی اثر انداز ہوگا۔

بہر حال انگریزوں اور جرمنوں کے بعد ہم نے بھی اپنے زیر نگیں ممالک میں پٹرول کی بو سونگھ لی؛ چنانچہ میں نے جاپان سے تیل کے کنوئیں کھودنے والے ماہرین کا ایک وفد بلایا، جاپان کی حکومت نے میری درخواست مان لی ـــــــ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ تھوڑی ہی مدت بعد مجھے تخت سے معزول کر دیا گیا۔

۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء

عثمانی سلطنت کو رعایا کے حالات اور مسائل و مشکلات کی خبر مختلف ذرائع سے ملتی رہتی تھی، ایک تو گورنر اور قاضی اپنی رپورٹیں دیا کرتے تھے۔ دوسرے عثمانی سلطنت کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تکیوں اور ان کے مشائخ اور درویشوں کے ذریعے آستانے کے متعلقہ حکام یہ ساری خبریں اور رپورٹیں اکٹھی کر کے میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ میرے دادا سلطان محمود ثانی نے اپنی انٹیلی جنس کا دائرہ مزید وسیع کر دیا، اب درویش بنفس نفیس سلطان تک اپنی فراہم کردہ خبریں پہنچایا کرتے۔ یہ سلسلہ میرے تخت نشین ہونے کے بعد تک جاری رہا۔

ایک روز ہمارے لندن میں متعین سفیر موسوراسی پاشا سے مجھے پتہ چلا کہ سابق صدر اعظم حسین عونی پاشا اپنے زمانۂ وزارت میں انگریزوں سے روپیہ وصول کیا کرتا تھا، میں اس

خیانت پر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ کتنے ہی دن میری طبیعت مکدر رہی، ان ہی دنوں محمود پاشا نے مجھ سے ملاقات کی اور "نوجوان ترکوں" کے بعض ارکان کے متعلق بے حد اہم معلومات پیش کیں۔ میں نے محمود پاشا سے ان کا ماخذ دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ پاشا نے انٹیلی جنس کا ایک خصوصی بیورو قائم کر رکھا ہے، اس میں بعض اشخاص کے آقا رب پیسے کر کام کرتے تھے۔ یہ رشتہ دار ان لوگوں سے ملتے اور ان سے جو بات بھی سنتے اس کی رپورٹ محمود پاشا کو دیتے۔

بے شک پاشا میرا بہنوئی ہے، لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں تھا کہ سلطنت کا کوئی پاشا اپنے طور پر حکومت سے بالکل الگ تھلگ کوئی خفیہ محکمہ قائم کرے۔ میں نے پاشا سے کہا اپنے اس محکمے کو فوری طور میرے حوالے کر دے اور آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔ پاشا نے خاصی دل تنگی کے ساتھ میرے حکم کی تعمیل کی۔

میرے لئے سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ بڑی طاقتیں وزیر اعظم تک کے لوگوں کو خریدنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ ایسی سلطنت دشمن کے ہاتھوں سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، جس کے بڑے بڑے عہدیدار روپے سے خریدے جا سکتے ہوں؟ اسی بنیاد پر میں نے انٹیلی جنس کا ایک خصوصی محکمہ قائم کیا جس کی نگرانی براہ راست میں خود کرتا تھا۔ یہی وہ محکمہ ہے جسے میرے دشمن جرنالجی (خفیہ پولیس) کا نام دیتے ہیں۔

جرنالجی کی فراہم کردہ معلومات کی میں پوری طرح چھان پھٹک کرتا تھا، اس لئے کہ اصلی "جرنالجی" کے علاوہ جھوٹے لوگ بھی ان میں شامل ہو سکتے تھے، چنانچہ جب تک پوری طرح تحقیقات نہ کر لیتا، ان کی فراہم کردہ کسی خبر کو سچا نہ سمجھتا۔ میرے ایک بزرگ سلطان سلیم خان اکثر کہا کرتے تھے کہ میں اجنبیوں کے ہاتھ اپنے کلیجے پر محسوس کر رہا ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر ممالک میں اپنے سفیر مقرر کریں اور اپنے پیغامبر اور قاصد باہر بھیجیں تاکہ جو کچھ اجنبی طاقتیں کر رہی ہیں، یہ لوگ اس کی ہمیں اطلاع دے سکیں اور ہم فوراً ان اطلاعات پر کوئی اقدام کر سکیں۔

میں خود بھی اجنبی ہاتھ محسوس کر رہا تھا، اپنے کلیجے پر نہیں! اس کے اندر۔ وہ میرے وزیر اعظموں اور وزیروں کو خرید رہے تھے اور انہیں ہمارے ملک کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر سلطنت کے خزانے کا ایک بڑا حصہ صرف ہو رہا تھا۔ میں ان کی کارستانیوں سے بے خبر رہنے پر کیسے رضامند ہو سکتا تھا!

ہاں، میں نے یہ خفیہ محکمہ قائم کیا اور خود اس کی نگرانی کرتا رہا۔ یہ محکمہ محب وطن لوگوں کی نہیں، غداروں اور خائنوں کی خبریں فراہم کرتا تھا۔

۲۲، مارچ ۱۹۱۷ء

جب سے تخت و تاج مجھ سے چھینا گیا ہے اس وقت سے اب تک میرے دشمن میرے متعلق کئی مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں، ان کے قلم سے خون ٹپک رہا ہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں مجھ سے منسوب کرتے ہیں، جو کبھی میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی تھیں، میرے زمانۂ حکومت میں بھی یہ لوگ ایسی کتابیں لکھا کرتے تھے اور میرا تمسخر اڑاتے تھے، لیکن اس خرافات کو مملکت عثمانیہ میں نہ پھیلا سکتے تھے، اس لئے اکثر کتابیں یورپ میں طبع ہوتیں اور صرف مصر میں پھیلا کرتی تھیں، لیکن اب یہ جھوٹ باب عالی میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے خوف کھاتے ہیں اور اسی لئے میرے خلاف لکھتے رہتے ہیں، لیکن اب انہیں کس بات کا خوف ہے کہ ان کے قلم میرے خلاف مسلسل چل رہے ہیں؟ میرے پاس اقتدار نہیں رہا۔ میں یہاں قیدی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ کسی شخص کے ساتھ میرا رابطہ نہیں ہے، پھر وہ یہ کتابیں کس مقصد کے لئے لکھ رہے ہیں؟ کیا وہ ضمیر کے عذاب میں مبتلا ہیں اور جانتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ہمیشہ بھلے مانسوں کی طرح پیش آتا رہا ہوں۔

"میں دانشوروں کا دشمن تھا!" یہ بات وہ کسی شرم و ندامت کے بغیر لکھ رہے ہیں۔ اگر دانشور انہی جیسے لوگ ہوتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جو یہ کر رہے ہیں، تو میں نے

ایسی عقل و دانش کو زندگی میں ایک دن بھی ذرا اہمیت نہیں دی۔ اگر ان کی مراد تحقیق و دانشوری سے ہے، تو پہلے وہ خود اس کا نمونہ پیش کریں۔ میرے ساتھ دلیل سے بات کریں۔ ان کی دلیل میں وزن ہوا، تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ مجھے زندگی بھر اہلِ دانش کی تلاش رہی، لیکن افسوس کہ ایسا کوئی شخص ہاتھ نہ آیا۔ مجبوراً مجھے ان مصنفین ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔

اگر میں عقل و دانش اور علم کا دشمن ہوتا، تو یونیورسٹی کا افتتاح کیوں کرتا؟ مکتبِ شاہانہ ایسے مدارس کیوں قائم کرتا؟ لڑکیوں کے لئے الگ دار المعلمات کس لئے بنواتا؟ یورپ کی یونیورسٹیوں کے طرز پر اعلیٰ درس گاہیں کیوں کھولتا اور طلبہ کو قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں اور مراعات کیوں فراہم کرتا؟ میں نے جب مکتبِ شاہانہ میں فلسفے کی تعلیم شروع کی تو طلبہ نے اس پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں کافر بنایا جا رہا ہے، لیکن میں جانتا تھا کہ کفر، علم میں نہیں جہالت میں ہے، چنانچہ فلسفہ پڑھایا جانے لگا۔ اسی طرح دوسرے سائنسی علوم فزکس وغیرہ کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ میں نے زندگی کے ہر شعبے کے افراد تیار کرنے کے لئے صرف اسکول اور کالج کھولنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اصحابِ علم و فضل اور ادیب کہلانے والے اشخاص کی مادی اور معنوی دونوں طرح سے حوصلہ افزائی کی، ان میں جودت پاشا، احمد مدحت آفندی اور مراد آفندی (جو اپنے آپ کو مؤرخ کہتا ہے) ایسے بہت سے لوگ شامل تھے، انہیں میں نے کتابیں تک فراہم کیں۔

میں نے کبھی کسی پڑھے لکھے شخص سے خوف نہیں کھایا؛ البتہ ان احمقوں سے ضرور مجتنب رہتا ہوں جو چند کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو عالم فاضل کہلوانے لگتے ہیں۔ یہی لوگ مغرب کے شیدائی ہیں۔ مغربی قوموں کے ہاتھوں میں کھیلنے والے لوگوں کی طرف میں نے کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی نہیں کی اور نہ اس پر مجھے ندامت ہوئی ہے

جس شخص نے اپنے تیس سالہ عہدِ حکومت میں ہر قریے میں ایک مسجد اور ہر مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا ہو وہ علم اور عقل و دانش کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے عہد میں

جو کتابیں شائع ہوئیں، ان پر نظر ڈالیئے اور ان کا موازنہ میرے بعد شائع ہونیوالی کتابوں سے کیجیے، یورپ کے بڑے بڑے ادیبوں، فلسفیوں اور عالموں کی بہترین تصانیف میرے عہدِ حکومت میں چھپیں، فروخت ہوئیں اور لوگوں کی بڑی تعداد نے انہیں پڑھا۔ میں نے یورپ کی جن چیزوں سے اپنی مملکت اور قوم کو بچانا چاہا، وہ یورپ کا علم نہیں، اس کی جہالت کا مرقع تھیں۔ میں نے طلبہ کی بڑی تعداد، تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ بھیجی۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں سے چار پانچ بگڑے ہوئے نکلے، لیکن ان کی اکثریت مملکت کے لئے مفید ثابت ہوئی اور مجھے ان پر فخر ہے۔ میں نے مملکت کو زمانے کے دوش بدوش چلانے کی کوشش کی تخت پر بیٹھتے ہی میں نے پوری مملکت میں ٹیلیگراف کا نظام رائج کیا، حالانکہ اس وقت یورپ کے بعض ممالک تک اس سے محروم تھے۔ میری نگرانی میں تیس ہزار کلومیٹر ٹیلی گراف کے تار شہروں ہی میں نہیں بعض قریوں تک پھیلا دیئے گئے۔ اسی طرح میں نے اپنے خصوصی اموال سے آبدوز کشتیاں بنانے کا حکم دیا، حالانکہ اس زمانے میں انگریزوں کے پاس بھی آبدوز کشتیاں نہ تھیں۔ میرے بعد انہوں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا، تو میرا قصور نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں اور دکھ بھرے دل کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں کسی بھی اچھی اور مفید چیز کا دشمن نہیں تھا۔

۲۴ مارچ ۱۹۱۷ء

قصر بیلر بی

میرے رفیق نے پوچھا: آپ اپنی یادداشتیں اس انداز میں قلمبند کر رہے ہیں گویا آپ اپنا دفاع کر رہے ہیں..... آپ نے اپنے عہدِ اقتدار میں مملکت کے تحفظ کے لیے جو راستہ اختیار کیا، کیا کسی شخص کو اس میں شک ہے کہ وہ واحد اور ناگزیر راستہ نہ تھا؟

میں نے کہا: میں اپنے خدا اور تاریخ کے حضور اس بات پر بالکل مطمئن ہوں کہ میں

نے اپنے ملک کی حفاظت اور خوشحالی کی خاطر اپنی حد تک بہترین اقدامات کیے۔ ان اقدامات کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے کبھی انانیت اختیار نہ کی حتیٰ کہ جن لوگوں نے ملک سے خیانت اور غداری کی انہیں بھی کبھی خود کوئی سزا نہیں دی، بلکہ انہیں عدالت کے حوالے کیا اور عدالت نے جو سزا دی، اس میں بھی میں نے تخفیف کر دی۔ بعض کو معاف تک کر دیا۔ میں کہا کرتا تھا اللہ کا کوئی بھی بندہ خطا سے خالی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حقیقت کو نہیں جانتا، تو اللہ اور تاریخ تو جانتے ہی ہیں۔ مجھے اس بارے میں ذرا بھی رنج اور قلق نہیں ہے۔

رہا یہ کہ میں اپنا دفاع کر رہا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ میرے ملک پر مصیبت ٹوٹ رہی ہے۔ ہماری افواج شکست کھا کر دار الحکومت کی طرف آ رہی ہیں۔ سلطنت کی عظمت اور وقار خاک میں مل گیا ہے کہ شاید کبھی بحال نہ ہو سکے اور اس ہزیمت و رسوائی کا سبب خائنوں اور غداروں کی سیاہ کاریاں ہیں۔ یہ لوگ تاریخ کی عدالت اور امت کی نفرت اور غضب سے بچنے کے لئے مجھے ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ آگ عبدالحمید نے جلائی ہے۔ میں یہ یادداشتیں ان ابنائے امت کے لئے لکھ رہا ہوں جو عظیم عثمانی سلطنت کی تباہی پر اندوہگیں ہیں ـــــ۔ انہیں قلمبند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر بات صاف اور واضح دیکھ سکیں۔ انہیں پتہ چل جائے کہ اس تباہی کے اصل ذمہ دار کون ہیں، وہ اس حیرت سے نکل آئیں، جس میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں اور تاریخ کے فیصلے کا انتظار کرنے کے بجائے خود سوچ بچار کے بعد حقیقت کو پہنچ سکیں۔

یہ مہذب اور کلچرڈ لوگ مجھے ساری خرابیوں کی جڑ بتاتے ہیں اور کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں ان کی وطن پرستی کا طول و عرض یہ ہے کہ ایک ارمنی جب اپنے سلطان اور خلیفہ عثمانی کو ہلاک کرنے کے لئے بم پھینکتا ہے، تو یہ اس پر تالیاں بجاتے اور اس کی مدح و تحسین کرتے ہیں (اشارہ ہے ترکی شاعر توفیق فکرت کی طرف جو

سلطان عبدالحمید کا سخت مخالف تھا جب ایک ارمنی نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا، تو توفیق فطرت نے اس کی شان میں قصیدہ لکھا) یہ مہذب اور کلچرڈ لوگ مجھ پر افترا کی بوچھاڑ کرتے ہیں حتیٰ کہ سعید پاشا ایسے لوگ بھی اپنے سیاہ ضمیر کی روشنائی سے میرے چہرے پر کالک ملنے سے نہیں ہچکچاتے (سعید پاشا ۱۸۴۰-۱۹۱۶ء ادیب اور صحافی تھا۔ متعدد بار صدرِ اعظم رہا) میں یہ یادداشتیں اپنے دفاع میں نہیں، اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہوں۔

یہ مفتری مزے لے لے کر کہتے ہیں عبدالحمید نوجوانوں کو سمندر میں ملاقات کے لئے بلایا کرتا تھا اور وہیں غرق کر دیتا تھا، لیکن کیا ان کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ کسی ایک نوجوان نے بھی مجھ سے سمندر میں ملاقات کی ہو۔ . . . یقیناً وہ ادنیٰ سے ادنیٰ ثبوت بھی نہیں پیش کر سکتے، پھر بھی یہ بات بار بار لکھتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔

ملک کے بیٹے میرے بیٹے ہیں، میں نے انہیں ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا ہے' ان کی بڑی تعداد کو میں نے معاف کیا۔ اکثر کے عیوب سے چشم پوشی کی، ان کی خطاؤں سے درگزر کیا، حالانکہ مجھے ان کی ایک ایک بات کی خبر تھی۔ پھر میں انہیں سمندر کی موجوں کا نوالہ کیوں کر بنا سکتا تھا؟ یہ فعل محض جرم ہی نہیں، بلکہ سوء بچار کی دعوت بھی دیتا ہے۔ مجھے اس جرم کا مرتکب گردانے والوں نے میرے بعد خود کیا کیا؟ کیا انہوں نے خود یہی جرم نہیں کیا، وہ مجھے غدار قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود غداری کے مرتکب ہوئے۔

میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس کے آئینے میں ان غداروں کا چہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب روس سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ طونہ اور بلقانہ کے محاذ پر ہماری فوج کی کمان سلیمان پاشا کر رہا تھا، ایک روز مجھے اس کا تار ملا۔ اس نے اطلاع دی تھی کہ فوج کے بعض کمانڈر گرفتار کئے گئے ہیں، انہیں استنبول بھیج رہا ہوں۔ یہ کمانڈر پاشا کے منصب پر فائز تھے، ان میں سے بعض پر خیانت کا الزام تھا اور بعض پر انہیں جاری کئے جانے والے احکام میں تغیر و تبدل کا۔ یہ پاشا استنبول پہنچے؛

تو میں نے ان کے خلاف تحقیقات اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی، پتہ چلا کہ سلیمان پاشا نے سلطان عبدالعزیز خان کو تخت سے معزول کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا، یہ لوگ اس پر تنقید کرتے تھے۔ سلیمان پاشا کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی، اس نے ان پر خیانت و غداری اور حکم عدولی کا الزام عائد کر کے انہیں گرفتار کیا اور گولی کا چارہ بنانے کے لئے استنبول بھیج دیا۔

یہ تحقیقات رائم پاشا نے کی تھی، اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ان پاشاؤں پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان میں سے کوئی الزام بھی درست نہیں ہے۔ میں نے ان پاشاؤں کو بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا اور انہیں دوسری خدمات سونپ دیں، یہ سب کچھ جنگ کے دوران ہوا، جب کہ ہمیں ایک ایک فوجی افسر کی محاذِ جنگ پر شدید ضرورت تھی، سلطنت کے بہی خواہ افسر، فوج اور سول میں سے اسی طرح کی سازشیں کر کے نکالے جا رہے تھے۔

سلیمان پاشا اس پر بڑا تلملایا۔ اس نے ایک تار صدرِ اعظم ادہم پاشا کو بھیجا جس میں اس نے پوچھا تھا کہ کارروائی کا کیا نتیجہ نکلا ہے..... کیا ان پاشاؤں کو سزا دی گئی ہے۔

باب ۹

ابنِ سعود کا دورِ حکومت

maablib.org

ابن سعود ۲۲ دسمبر ۱۸۸۰ء کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں باقاعدہ عسکری مہمات میں حصہ لینا شروع کیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں شریف حسین نے ابن سعود سے ترکوں کی حاکمیت اعلیٰ منوائی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ابن سعود نے الحساء کو فتح کیا۔

۲۶ دسمبر کو ابن سعود نے برطانیہ سے مندرجہ ذیل معاہدہ کیا۔

(۱) برطانیہ نے ابن سعود اور ان کی اولاد کو نجد اور الحساء کا حکمران تسلیم کیا۔

(۲) بیرونی جارحیت کی صورت میں ابن سعود کو برطانیہ کی اعانت حاصل ہوگی۔

(۳) ابن سعود کے بیرونی معاملات پر برطانوی سیادت تسلیم کرلی گئی۔

(۴) ابن سعود نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنا علاقہ یا اس کا کچھ ظاہری حصہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی طاقت کے حوالے نہ کریں گے۔

(۵) ابن سعود اپنے علاقہ میں حاجیوں کے قافلہ کے راستے کھلے رکھیں گے۔

(۶) ابن سعود نے وعدہ کیا کہ وہ کویت، بحرین اور ساحلی امارتوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

اس معاہدہ کی تمام دفعات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن سعود برطانیہ کے حاشیہ نشین بن چکے تھے اور ان کے زیر تصرف علاقہ دراصل برطانیہ کی ایک کالونی سے زیادہ نہ تھا۔ ابن سعود نے برطانیہ سے اپنی اس غلامی کی قیمت ایک لاکھ پونڈ سالانہ مقرر کی۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں ابن سعود نے اخوان کو اپنے ساتھ ملالیا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں ابن سعود نے رشیدیوں کو مکمل شکست دے کر جبل الشمر اور حائل کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

۲۲ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو ابن سعود نے جدہ اور حجاز پر مکمل قبضہ کر لیا اور اپنے مقبوضات کا نام مملکت نجد و حجاز رکھا۔

۱۹۲۵ء کے بعد ہندوستان کی مرکزی خلافت کمیٹی ابن سعود سے مذاکرات کرتی رہی، جس کا منشا یہ تھا کہ ابن سعود تمام بلاد اسلامیہ کے متحدہ علماء کے مشورہ سے حکومت کرے، کیونکہ سرزمین حجاز سے تمام مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اس کی حیثیت بادشاہ کی نہ ہو، بلکہ اس کے بجائے وہ ایک نگران اور خلیفہ کی حیثیت اختیار کرے، جس میں موروثی بادشاہت کا تصور نہ ہو۔ اس کے علاوہ مرکزی خلافت کمیٹی کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ تمام قبہ جات کی حفاظت کی جائے اور جو منہدم کرا دیے گئے ہیں ان کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ ابن سعود شروع شروع میں خلافت کمیٹی کی تائید کرتا رہا۔ ان کے مطالبات پورے کرنے کے وعدے بھی کیے، لیکن آہستہ آہستہ وہ تمام وعدوں سے منحرف ہوتا گیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تمام مزارات گرا دیے گئے اور ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو اس نے اپنے مطلق العنان بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور نجد و حجاز پر مشتمل عرب علاقہ کا نام سعودی عرب رکھا۔

سردار حسنی ابن سعود کی مطلق العنانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

نجد کی حکومت قدیم وضع کی ہے، وہاں حکومت علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے۔ نہ وزارت ہے، پوری حکومت خود سلطان کی ذات ہے۔ [1]

۱۱ر مئی ۱۹۳۳ء کو شاہی ہائی کونسل نے سعود کو ولی عہد بنانے کا فرمان جاری کیا۔ فرمان پر کونسل کے تمام ارکان کے دستخط ثبت تھے۔ اس کونسل کے سربراہ فیصل تھے، ابن سعود نے اس فرمان کی توثیق کر دی۔

---

[1] سردار محمد حسنی بی اے حیات سلطان ابن سعود ص ۱۴۸

سعودی عربیہ پر امریکی اثر کی ابتداء

سنہ ۱۹۴۳ء تک امریکہ نے عملی طور پر سعودی عرب کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ جدہ میں اس کی سفارتی نمائندگی تھی۔ نہ قونصل خانہ۔ امریکی دورے سے لوٹنے پر امیر فیصل نے امریکی ارباب اختیار سے تبادلہ خیال کیا، دورہ کامیاب رہا اور اسی سال امریکہ نے جدہ میں اپنا مستقل لیگیشن قائم کیا۔ لیگیشن قائم ہوتے ہی امریکہ نے ظہران میں ہوائی مستقر تعمیر کرنے کی گفتگو شروع کر دی، جس کا مقصد کراچی کے راستہ جاپان سے نمٹنے کے لیے سہولتیں حاصل کرنا تھا۔ مستقر کی تعمیر سنہ ۱۹۴۴ء میں شروع ہوئی اور سنہ ۱۹۴۶ء میں یہ مکمل ہوگیا۔ ؎۱

اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء میں امیر فیصل کی کوششوں سے امریکہ ایکسپورٹ بنک نے سعودی عرب کو ایک کروڑ ڈالر کا قرضہ دیا، تاکہ وہ اپنی معیشت کو بہتر بنا سکے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں وزارت خارجہ نے ولی عہد امیر سعود کے دورہ امریکہ کا بندوبست کیا، جس میں دونوں ملک ایک دوسرے کے اور قریب آگئے۔ ؎۲

سنہ ۱۹۱۵ء کے معاہدہ دارین کے بعد سے سنہ ۱۹۲۷ء کے معاہدہ جدہ تک سعودی عرب برطانیہ کا حاشیہ نشین خیال کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۲۷ء سے سنہ ۱۹۴۳ء تک کے درمیانی عرصہ میں برطانیہ کو سعودی عرب میں ایک چہیتی قوم کا درجہ حاصل رہا۔ جنگ عظیم دوم کے اوائل میں برطانیہ نے سعودی عرب کو مالی امداد دی۔ جنگ سے سعودی عرب کی معیشت بری طرح متاثر ہوئی تھی، سعودی عرب کی آمدنی کے بڑے حصہ کا انحصار حج پر تھا۔ جنگ کی وجہ سے حاجیوں کی تعداد کم ہوتی۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں امریکہ نے جدہ میں اپنا لیگیشن قائم کیا تھا، جسے سنہ ۱۹۴۹ء میں سفارت خانہ کا

؎۱ محمد صدیق قریشی، فیصل، ص ۷۴-۷۶ ملخصاً

؎۲ " " " ۷۸ "

درجہ دے دیا گیا۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں امریکہ نے ایک خصوصی معاہدہ کی رو سے چار نکاتی پروگرام کے تحت سعودی عرب کو فنی امداد دینا شروع کی۔ ۱۸ جون سنہ ۱۹۵۱ء کو دونوں ملکوں کے درمیان ایک دفاعی معاہدہ طے پایا جس کی رو سے ظہران کا ہوائی مستقر پانچ سال کے لیے امریکہ کو دے دیا گیا۔ معاہدہ کے متن میں فوجی مستقر کے الفاظ استعمال نہ کیے گئے۔ اس رعایت کے عوض امریکہ نے سعودی عرب کو فوجی ساز و سامان بہم پہنچانے کے علاوہ سعودی فضائیہ کے پائیلٹوں کو تربیت دینے کا بھی وعدہ کیا۔ اس معاہدہ پر ملک کے اندر اور باہر عرب قوم پرستوں نے ناک بھوں چڑھائی، حالانکہ سعودی حکومت مندرجہ بالا فوائد کے علاوہ اس مستقر کا کرایہ بھی وصول کرتی تھی۔ ؎

سعودی عربیہ میں تیل کی دریافت کا دیرینہ خواب

مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ اور امریکہ مدت سے یہ چاہتے تھے کہ عرب سے ترکوں کا اقتدار ختم ہو اور وہ آزادانہ طور پر صحرائے عرب میں تیل کی دریافت کر سکیں، چنانچہ محمد صدیق لکھتے ہیں۔ سعودی عرب کی تاریخ تیل کی دریافت سے ایک اہم موڑ مڑ گئی۔ یہ ۲۹ مئی سنہ ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے۔ کیلی فورنیا کی اسٹنڈرڈ آئل کمپنی نے ۶۰ سال کے لیے سعودی عرب کے مشرقی حصہ میں تیل تلاش کرنے کا ٹھیکہ لیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ٹیکساس کمپنی بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں یک ایکسن، ٹیکساس اور موبل بھی شریک جستجو ہو گئیں اور اس طرح مجموعی طور پر کمپنی کا نام عرب امریکی آئل کمپنی (آرامکو) پڑا۔ صوبہ حسا میں ظہران، دمام، ابقیق اور ابوحدریہ کے مقامات پر تیل کے کنوئیں کھودے گئے۔ پہلا کنواں جس سے تیل نکالا گیا ۱۹۳۸ء میں مکمل ہوا۔ تجارتی سطح پر سنہ ۱۹۳۵ء میں پیداوار شروع کی گئی۔

؎ محمد صدیق قریشی   فیصل   ص ۵۱

عالمی جنگ کے دوران میں آرامکو صحیح معنوں میں تیل کی تلاش میں کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکی یہی وجہ ہے کہ تیل کی آمدنی محدود رہی۔ اس کا اثر سعودی معیشت پر پڑا، کیونکہ حاجیوں کی آمد سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، ان دنوں محوری طاقتوں کا پلہ بہت بھاری تھا۔ جرمنی نے یوگوسلاویہ اور یونان کو سر کر لیا تھا۔ کریٹ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر بغداد میں محوری طاقتوں کی حمایت میں انقلاب برپا ہو چکا تھا اور اب مصر پر ان کی گہری نظر تھی۔ جاپان کی نظریں بھی خلیج فارس کے تیل سے مالا مال علاقہ پر لگی تھیں؛ ابن سعود نے امنڈتے ہوتے خطرات کے باوجود برلن اور ٹوکیو کو نظر انداز نہ کیا اور اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے برطانوی اور امریکی حکومتوں سے رجوع کیا۔ اس وقت تک امریکہ غیر جانبدار تھا۔ ابن سعود نے تین کروڑ ڈالر قرضہ مانگا اور پانچ سال کی اقساط میں واپس کرنے کا وعدہ کیا۔ شاہ نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر قرضہ نہ ملا، تو تیل کی تلاش کے متعلق مراعات واپس لے لی جائیں گی امریکہ کی کمپنی نے ۱۹۳۳ء میں تیس ہزار پونڈ پیشگی دیے تھے، لیکن ایک جدید مملکت کی تعمیر و ترقی کے لیے یہ رقم نہایت قلیل تھی۔ دھمکی دیتے جانے کے بعد کمپنی کے نمائندے جیمز اے موفٹ نے اپریل ۱۹۴۱ء میں صدر روزویلٹ سے ملاقات کی، بالآخر طے پایا کہ برطانیہ سے کہا جاتے کہ امریکہ نے حال ہی میں جو ۴۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر اسے قرضہ دیا تھا۔ اس میں سے سعودی عرب کو مطلوبہ رقم فراہم کرے! چنانچہ برطانیہ نے سعودی عرب کو ایک سال کے لیے چار لاکھ پونڈ دیے اور بتدریج اس رقم میں اضافہ کیا حتیٰ کہ ۱۹۴۵ء میں یہ رقم ۵۰ لاکھ پونڈ ہو گئی۔

جنگ ختم ہونے کے بعد سعودی عرب میں تیل کی پیداوار میں خاصہ اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں سالانہ پیداوار پچاس لاکھ ٹن تھی اور اس کا شمار مشرق وسطیٰ میں ایران

کے دوسرے نمبر پہ ہوتا تھا۔ اس وقت ایران کی پیداوار تین کروڑ ٹن تھی بسنہ ۱۹۵۱ء میں سعودی عرب کو تیل سے ۹ کروڑ ڈالر آمدنی ہوئی۔ امریکہ، سعودی تیل درآمد کرنے والے ملکوں میں سرفہرست تھا۔[1]

۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ابن سعود کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ ان کے بڑے بیٹے شاہ سعود حکمران بن گئے۔

اب تک جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ ابن سعود کے دورِ حکومت کا ایک اجمالی، سیاسی جائزہ تھا، اب ان کے عہد میں ان کے ایما پر جو مذہبی کارگزاریاں کی گئیں وہ بہار الحق قاسمی دیوبندی سے سنیے۔

دیرینہ خواب

جناب بہار الحق قاسمی (دیوبندی) نے ابن سعود کی حکومت کی کارگزاریوں کے بارے میں ایک مختصر رسالہ "نجدی تحریک پر ایک نظر" کے نام سے لکھا اس رسالہ کے شروع میں شیخ نجدی بارے میں علماء دیوبند کے تاثرات پیش کیے گیے ہیں، جن کو ہم اس کے کتاب کے تیسرے باب میں پیش کر چکے ہیں، اب رسالہ کا وہ حصہ پیش کر رہے ہیں، جس میں جناب بہار الحق قاسمی نے حکومت ابن سعود کی کارگزاریوں کا ایک اجمالی نقشہ کھینچا ہے۔

---

[1] محمد صدیق قریشی فیصل ص ۱۱۵، ۱۱۴

نجدی تحریک کے ثمرات

پہلا ثمرہ

کافرسازی اور مشرک گری

عبدالعزیز ابن سعود موجودہ امیر نجد نے مکہ معظمہ پر قابض ہو کر اپنے عقاید کی اشاعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے، جو کتاب شائع کرا کر مفت تقسیم کی، وہ "مجموعۃ التوحید" ہے۔ اس کے متعدد مقامات میں اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر، مشرک، بدعتی اور خدا جانے کیا بنایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عبارت مع ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

ان اعداء اللہ لھم اعتراضات کثیرۃ علی دین الرسل یصدون بھا الناس منھا قولھم نحن لا نشرک باللہ بل نشھد ان لا یخلق و لا ینفع و لا یضر الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لا یملک لنفسہ نفعا و لا ضرا فضلاً من عبد القادر او غیرہٖ و لکن انا مذنب والصالحون لھم جاہ عند اللہ و اطلب من اللہ بھم فجوابہ بما تقدم وھو ان الذین قاتلھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرون بما ذکرت و مقرون ان اوثانھم لا تدبر شیئا و انما ارادوا الجاہ والشفاعۃ' (مجموعۃ التوحید ص۵۷ مطبوعہ ام القریٰ مکہ معظمہ ۱۳۴۲ھ بحکم ابن سعود)

(ترجمہ) دشمنان خدا کے بہت سے اعتراضات ہیں، جن سے وہ لوگوں کو

بہکاتے ہیں۔ ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا پیدا کرنے، نفع اور نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ (حضرت شیخ) عبدالقادر (جیلانی) وغیرہ کے لیے یہ وصف ثابت ہو، لیکن چونکہ میں گنہگار ہوں اور اللہ کے نزدیک صلحاء کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس لیے میں ان کی طفیل سے خدا سے حاجات طلب کرتا ہوں"۔ پس تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے (جو گزر چکا) کہ اے معترض جس کا تو نے ذکر کیا اس کا وہ لوگ (مشرک) بھی اقرار کرتے تھے (جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ ان کے بت کسی چیز کے مدبر نہیں ہیں اور وہ (تیری طرح) جاہ اور شفاعت ہی کا ارادہ رکھتے تھے"۔

اس عبارت میں اس مسلمان کو مشرکین عرب سے شمار کیا گیا ہے (جو پکار پکار کر توحید کا اقرار کر رہا ہے۔ اس کو فقط اس بنا پر گردن زدنی قرار دیا گیا کہ وہ کیوں خدا سے صلحاء کا واسطہ دے کر حاجات طلب کرتا ہے؟ کہو! نجدیوں کی حمایت کرنے والو! اب بھی وہابیوں کی کافر سازی اور مشرک گری میں کچھ شک ہے۔

دوسرا ثمرہ

کتب درود شریف کا تلف کیا جانا ابن سعود مذکور کے حکم سے ایک اور کتاب چھپ کر مفت تقسیم ہوئی ہے۔ جس کا نام ہے۔ "الہدیۃ السنیۃ" اس میں لکھا ہے۔

ولا نامر باتلاف شیئٍ من المؤلفات اصلا الا ما اشتمل علی ما اوقع

الناس فی الشرک کروض الریاحین وما یحصل بسببہ خلل فی العقائد کعلم المنطق فانہ قد حرمہ جمع من العلماء علی انا لا نفحص من مثل ذلک وکالدلائل

(الھدیۃ السنیہ ص ۴۵، ۴۶ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۲ھ)

(خلاصہ مطلب) ہم کسی کتاب کے تلف کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتے، مگر ہاں ہم اس کتاب کو تلف کرا دیتے ہیں۔ جن میں ایسے مضامین ہوں جو لوگوں کو شرک میں مبتلا کریں۔ یا ان کے سبب سے عقائد میں خلل آتا ہو، جیسے روض الریاحین کتب منطق اور دلائل الخیرات (یعنی ان کو تلف کرا دیا جاتا ہے)

دیکھئے! دلائل شریف کو تلف کرنے کا صاف اعتراف ہے۔ اس بہانہ سے کہ اس میں (معاذ اللہ) مشرکانہ کلمات ہیں، حالانکہ یہ وہ پاکیزہ اور بابرکت کتاب ہے کہ جس میں اول سے آخر تک کلمات درود شریف کے علاوہ توحید، عشق الٰہی اور محبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولولہ انگیز درس موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہزاروں علماء، صلحاء اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس مقدس کتاب کو حرز جان بناتے رہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب علماء دیوبند سے حسن ظن کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلائل الخیرات کا وظیفہ دیوبندی علماء کے معمولات سے ہے (کتاب سفرنامہ شیخ الہند ص ۹۸ والتصدیقات ص ۱۱)

کیا مولوی ثناء اللہ صاحب نجدیوں کی شرک باری کے طوفان بے تمیزی سے علماء دیوبند کو بچانے کی کوشش فرمائیں گے؟ (دیدہ باید)

تیسرا ثمرہ

مقامات مقدسہ کے ساتھ نجدیوں کی گستاخی

گستاخی اور بے ادبی مشہور ہے، نعت خوانان نجدیہ اگرچہ اس سے

انکاری ہیں، مگر تابکے؟ کتاب "حیات طیبہ" میں (جو مولوی ثناءاللہ صاحب کے دفتر میں فروخت ہوتی ہے) اگرچہ نجدیوں کی خوب تعریف کی گئی ہے، مگر بعض مقامات پر حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:۔

۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا۔

مدینہ لیکر اس کے مذہبی جوش میں یہانتک اُبال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اُٹھا دیا، جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی تھی"۔ (صہ ۲۰۹)

چوتھا ثمرہ

اسلامی سلطنتوں کی مخالفت اور ان کی تباہی و بربادی

وہابی فرقہ جب سے عالم وجود میں آیا ہے۔ اسلامی بادشاہوں سے برابر لڑتا رہا۔ اس فرقہ نے ترکی سلطنت کو مٹانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ بنظر اختصار چند ثبوت عرض کرتا ہوں۔

(۱) کتاب مذکور (حیات طیبہ) میں لکھا ہے کہ:۔

"عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد اپنے باپ سے زیادہ پُر جوش نکلا اس نے اور بھی فتوحات کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا"۔ (صہ ۲۰۸)

پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے:۔

"سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں

پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اس کی فوج کے آگے ترکوں کی ملکی اسپرٹ کی وال نہ گلی۔"

(۲) یہ تو خود ترکی سلطنت کے ساتھ نجدیوں کا سلوک رہا۔ ترکوں کے نہایت گہرے دوست ابن رشید امیر حائل مرحوم اور ان کے خاندان پر نجدی ظالموں نے انگریزوں کی طرفداری میں جو مظالم توڑے اس کی مختصر کہانی عالی جناب ظفر علیخان صاحب ایڈیٹر زمیندار کی زبانی سناتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے اپنے اخبار میں ایک مضمون عـه لکھا تھا جس کا عنوان ہے "ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا" اور اس کو مندرجہ ذیل سطور سے شروع کیا گیا تھا۔

وسط عرب میں حائل ایک زبردست امارت ہے، جس کے فرمانروا امیر ابن رشید کے قتل کی افسوسناک خبر پچھلے دنوں بعض انگریزی اخبارات میں چھپی تھی۔ "لندن ٹائمز" اپنی ۱۰ رمئی کی اشاعت میں امیر مغفور کے واقعہ قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دوران جنگ میں ابن رشید ترکوں کا حلیف تھا اور ابن سعود جو وہابیہ کے امیر ہیں۔ دول متحدہ کی طرفداری میں اس سے برسرپیکار تھے۔ ابن رشید کا خاندان کئی نسلوں سے قاتل کے خنجر کا شکار ہوتا چلا آیا ہے اور اب شاید بجز ایک طفل شیرخوار کے ابن رشید کی نسل بالکل ہی مٹ گئی ہے۔" (زمیندار ۱۲ رجون ۱۹۲۰ء)

(۳) آج مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے "یاران طریقت" نہایت بلند آہنگی سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ دوران جنگ عظیم میں نجدیوں نے ترکوں کی ہرگز مخالفت نہیں کی، حالانکہ آپ اس سے پہلے نجدیوں کی مخالفت کا اقرار کر چکے ہیں۔ مولوی

عـه یہ مضمون ذرا طویل ہے، بعدم گنجائش کے باعث پورا نقل نہیں ہو سکتا۔ ایڈیٹر صاحب نے اسی مضمون میں لکھا تھا کہ وہابی صلیب کی لڑائیاں لڑتے ہیں اور یہ کہ وہابیت کذب، بغاوت اور تمرد و سرکشی کی مترادف ہے ۱۲ منہ

صاحب موصوف کے ایک مضمون مندرجہ "زمیندار" کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے ایڈیٹر "زمیندار" کے مذکورہ بالا مضمون کے اُس حصّہ کی تردید میں لکھا تھا جہاں ایڈیٹر صاحب نے ہندوستانی غیر مقلدوں کو "وہابی" کہا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

اس خلاف واقعہ الزام لگانے میں ان کی دو غرضیں تھیں۔ ایک مذہبی کہ یہ لوگ (اہلحدیث) باوجود دعویٰ ترک تقلید کے عبدالوہاب نجدی کے مقلد ہیں۔ دوسرے پولیٹیکل غرض تھی کہ گورنمنٹ کے ذہن نشین کریں کہ جس طرح نجدی لوگ اپنی اعلیٰ حکومت ترکی کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ بھی گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ اس لیے اعیانِ اہلحدیث نے اس الزام کو دُور کرنے میں مقدور بھر کوشش کی، جس میں وہ بحمداللہ کامیاب ہوگئے۔" (زمیندار صہ مورخہ ۲۲ ، جون ۱۹۲۰ء)

آج ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جنگ عظیم میں نجدیوں نے ترکوں کی مخالفت کرکے ان کو نقصان پہنچایا تھا، تو ہمارا گلا دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ ہم آپ کے پہلے اقوال کی تائید کر رہے ہیں ؎

گُل دگلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

پانچواں ثمرہ

جزیرۃ العرب پر نصاریٰ کا قبضہ و اقتدار

کہا جاتا ہے کہ ابن سعود نے حجاز میں داخل ہوکر اس کو غیر مسلم اقتدار سے پاک کر دیا ہے، حالانکہ یہ واقعات کے خلاف ہے۔ اگر اس کے جنگ وجدل کا واعی

یہی جذبہ ہوتا، تو عقبہ و معان پر انگریزوں کے قبضہ کو کبھی گوارا نہ کرتا شریف حسین غدار ہونے کے باوجود اس قبضے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر چکا ہے (ریاست ۱۱۔ اکتوبر ۲۵ء) لیکن ابن سعود نے کیا کیا؟ اس کو روشنی میں لانے کے لیے معزز روزنامہ سیاست لاہور کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں:۔

ابن سعود کے اخبار "ام القریٰ" نے عقبہ اور معان پر انگریزی تعرف سے قبل ابن سعود سے ملکر دریافت کیا کہ عقبہ اور معان کی طرف جو فوج جانیوالی تھی، وہ کیوں روک دی گئی ہے؟ ابن سعود نے کہا ہمیں علم ہے کہ چند روز میں شریفی فوجیں عقبہ اور معان سے نکل جائیں گی" مولانا محمد علی اگر چاہیں تو ام القریٰ کی یہ تحریر ان کی خدمت میں بھیجی جاسکتی ہے۔ ذرا ابن سعود کے الفاظ پر غور کیجیے۔ کیا یہ الفاظ معنی خیز نہیں؟ کیا ان سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابن سعود کو علم تھا کہ انگریز عقبہ اور معان پر قبضہ کرنے والے ہیں غرضیکہ عقبہ اور معان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور ابن سعود کی مرضی سے ہوا اور اس کی وجہ سے اس کو مدینہ منورہ پر فوج کشی کا موقع ملا اور اگر ابن سعود اس ناپاک سازش میں انگریزوں کے ساتھ شامل نہ ہوتا، تو انگریز مجبور ہوتے کہ عقبہ اور معان کو نجدی افواج سے بچانے کے لیے شریف کی مدد کریں، اور نہ فلسطین کا امن مخدوش ہو جاتا"۔ (ریاست صہ بابتہ ۸ر اکتوبر ۲۵ء

اس مضمون کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن سعود نے اس وقت تک اس قبضہ کے خلاف کوئی عملی کارروائی نہیں کی۔ اگر اس کا یہی مطمح نظر ہوتا کہ حجاز غیر مسلم اثر سے پاک ہو جاتے، تو سب سے پہلے مدینہ شریف پر چڑھائی کرنے کی بجائے عقبہ اور معان پر انگریزوں سے لڑتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں نے ان ...

قبضہ کے خلاف اس کی پیشانی پر ابھی تک بل بھی نہیں پڑا، پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعود حجاز کو غیر مسلم اقتدار سے پاک کر رہا ہے؟ ؎

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا رفیق!
قائل نہیں ہے بھائی کسی شیخ و شباب کا

چھٹا ثمرہ

نصاریٰ کی ابدی غلامی شریف حسین اور امیر علی کے قبضۂ حجاز کو اس لیے گوارا نہیں کیا جاتا کہ وہ انگریزوں کے پٹھو اور زیرِ اقتدار ہیں، مگر ابن سعود اور اس کی حکومت انگریزوں کے اس قدر بے بس غلام ہیں کہ شریفی خاندان کی غلامی کو نسبتہً آزادی سے تعبیر کرنا چاہیے، چنانچہ وہ معاہدہ اس کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے، جو ۱۹۱۵ء میں انگریزوں اور نجدیوں کے مابین ہوا اور جس کی تصدیق ۱۹۲۰ء میں ہوئی تھی، وہ معاہدہ یہ ہے۔

ابن سعود اور انگریزوں کا معاہدہ

دفعہ اوّل حکومتِ برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد، احسار، قطیف، جبیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات، جن کی حد بندی بعد کو ہوگی۔ یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں، حکومت برطانیہ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خود مختار

عہ : اگر ابن سعود نے اس قبضہ کو حل مشکل سے تعبیر کر کے اس پر اظہار مسرت و شادمانی کیا ہے، دیکھو ابن سعود کا خط بنام مسٹر ایمری وزیر مستعمرات لندن مطبوعہ اخبار "فتی العرب" دمشق مجریہ "سیاسات" نمبر ۳ بابت ۱۹، نومبر ۱۹۲۵ء ۱۲ منہ

حکومت حاصل ہے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب و تقرر کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنت برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا کے بھی خلاف نہ ہو۔

دفعہ دوم اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ سے مشورہ کیے بغیر یا اس کو ابن سعود سے مشورہ کرنے کی فرصت دیے بغیر حملہ آور ہوتی، تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

دفعہ سوم ابن سعود اس معاہدہ پر راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ:۔

(۱) وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

(۲) ممالک مذکورۂ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی، تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصہ کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کیے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرف کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔ ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ارشاد کی تعمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہو یا موافق۔

دفعہ پنجم ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے لیے جو راستے اس کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں، وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے میں ان کی حفاظت کرے گا۔

دفعہ ششم ابن سعود اپنے پیشتر سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات، کویت، البحرین، علاقہ جات رؤسا و شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہو گی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

دفعہ ہفتم اس کے علاوہ حکومتِ برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کے لیے ایک اور مفصل عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مؤرخہ ۱۸ رصفر سنہ ۱۳۳۴ ہجری

۲۶ , نومبر سنہ ۱۹۱۵ عیسوی

مہر و دستخط عبد العزیز السعود

دستخط پی ریڈ کاکس رکیل معاہدہ ہذا و نمائندہ برطانیہ، خلیج فارس۔

دستخط چیمسفورڈ نائب ملک معظم وائسرائے ہند۔

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ رمئی سنہ ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط اے۔ ایچ گرانٹ سیکرٹری حکومت ہند شعبہ خارجیہ و سیاسیات "

ابن سعود اہلحدیث حضرات کی نظر میں

انہدام قباب اور ترکوں کی یاد

مسلک اہل حدیث کی ایک خاتون راحیل شروانیہ بنت حاجی محمد موسیٰ خان شروانی نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) میں حج کیا اور اپنے سفر حج کی روداد لکھی۔ اس کے دو سال بعد راحیل شروانیہ کے بھائی ہارون خاں شروانی اور ان کے دوست محمد مقتدی شروانی نے حج کیے اور راحیل کے سفرنامہ زاد السبیل پر بعد کے بدلے ہوئے حالات کے تحت نوٹ لکھے۔

ہم یہاں پر محمد مقتدیٰ شروانی کے نوٹ سے بعض اقتباس نقل کرتے ہیں۔
محمد مقتدیٰ شروانی (اہل حدیث) لکھتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) میں جب راحیل صاحبہ نے حج کیا ہے تو عرب میں ترکوں کی ترکی تمام ہو چکی تھی اور شریف کی رذیل حکومت قائم تھی ان کے واپس ہونے کے معاً بعد سلطان ابن سعود کا دور آیا اور قتل و خونریزی اور زیارات و مزارات کی انتہائی بے حرمتی اپنے ساتھ لایا جس سے اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ عظیم بپا ہو گیا۔ صدہا پرائیویٹ خطوط ہندوستان پہنچے اور بیسوں مضامین اخبارات میں شائع ہوئے، جن میں نجدیوں کے خلاف نالۂ شیون بلند کیا گیا۔ موقع کی تحقیقات کے لیے دو وفد ہندوستان سے گئے، جن میں سے ایک مئی ۱۹۲۶ء میں ہمارے بمبئی پہنچنے سے پہلے ہندوستان واپس پہنچ چکا تھا اور دوسرا سید حبیب شاہ والا واپس ہوتا ہوا ہمیں بمبئی میں ملا اور جو حالات ہم بعض پرائیویٹ خطوط سے معلوم کر چکے اور اخبارات میں پڑھ چکے تھے اور جو اس وفد کی زبانی منکشف ہوئے، ان سب کی رمع شی زائد اخود

ہمارے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ نے تصدیق کی۔

سرزمین عرب کی سہ ماہیہ خاک بوسی کے دوران میں، جو بات ہمیں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محسوس ہوئی، وہ یہ تھی کہ عرب اترکوں کے لیے رہتے اور شریفیوں اور نجدیوں کی مصیبت کو ترکوں کے ساتھ اپنی ناشکرگزاری و احسان فراموشی کا وبال سمجھتے تھے۔ سارا ملک بلا استثنار شریف سے بوجہ اس کے غایت درجہ حریص ہونے اور نجدیوں سے بسبب ان کی انتہائی مذہبی ناروا داری کے بے حد نالاں تھا اور چونکہ عرب ایک آزاد قوم ہیں اس لیے (علی نوف من فرعون وملائہ) اپنے جذبات کو مطلق نہ چھپاتے تھے۔[۱]

حرمین شریفین سے باہر کی زیارت گاہیں اور متبرک یادگاریں نہ صرف منہدم بلکہ نہایت بے حرمتی کی حالت میں تھیں اور معلوم نہیں، راحیل صاحب کے ہم اعتقاد وہم ملت سلطان ابن سعود (اہلِ حدیث) نے ان دلخراش و شرمناک افعال کی حلت و اباحت کن نصوص سے مستنبط کی تھی۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے ہیں، تو یہ عالم تھا کہ کوئی شخص بغیر سخت مار کھاتے ان مقامات و مکانات کے قریب تک نہ جا سکتا تھا، حتیٰ کہ حرم شریف کے اندر مقام ابراہیم کے دروازہ کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ ملتزم و حجر پر اسی وقفہ پر بھی نجدی پولیس کے سپاہی جو غلاف شریف کو تھامے دیوارِ کعبہ کے پشتبان پر کھڑے رہتے تھے، بید کی مار مارتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے مدفن جنت المعلیٰ میں اجہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی مزار ہے) نہ صرف قبوب کو زمین بوس بلکہ قبور تک کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے گرد و پیش بول و براز پڑا ہوا اور اونٹوں کو بے مہار چرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہی نقشہ مدینہ منورہ میں بھی تھا، وہاں کے مدفن جنت البقیع کے تمام قبوب و اکثر قبور (از انجملہ مزار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

---

[۱] محمد مقتدی شروانی نظر اول زاد السبیل ص ۲۲

ڈھائے جا چکے تھے۔ کوئی شخص شبکہ (جالی) مبارک کو ہاتھ نہ لگا سکتا تھا۔ نہ اس کے قریب جا کر باآواز صلوٰۃ وسلام پڑھ سکتا تھا۔ ایک قاری صاحب صف پر بیٹھ کر قرآن شریف بجہر ولحن پڑھا کرتے تھے ان کو روک دیا گیا تھا۔

گر ہمیں است مسلمانی کہ واعظ دارد

وائے گر از پس امروز بود فردائے [1]

زاد السبیل کی مصنفہ راحیل شروانیہ کے بھائی (اہلِ حدیث) ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء میں سعودی حکومت کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں!

بلاشبہ نجدیوں نے جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں مختلف قبوں کو منہدم کرا کر اس طرح ترکوں کی بنائی ہوئی نہایت نفیس عمارتوں کو برباد کر دیا [2]

راحیل صاحبہ زاد السبیل کے مقدمہ میں لکھتی ہیں۔

گو کہ اعتقاداً سلطان ابن سعود اور میں ایک ہی ملت کے سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ الحمد للہ میں بھی اہلِ حدیث ہوں، مگر پھر بھی میں وہاں کے بعض حالات کو افسوس کی نگاہ سے دیکھتی ہوں، مثلاً مقامات متبرکہ کے مسمار کر دینے سے ہرگز اسلام کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سلطان ابن سعود ضرور غلطی پر ہیں، کیونکہ ہم اگر کوئی ایک آدھ معمولی کام بھی جراءت سے اپنی عمر میں کر گزرتے ہیں، تو یہ امید ہمارے دل میں ہوتی ہے کہ ہماری یادگار قائم ہوگی۔ چہ جائیکہ جنہوں نے تمدن اسلام کی شان سے دنیا کی اصلاح کی جن کے واسطے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان پیدا ہوتے ان کی بعض ضروری یادگاریں رہ گئے زمین سے نابود کر دی گئیں۔ مولد النبی، مولد فاطمہ کو مسمار کر دیا گیا اور یہ فرمایا جاتا ہے کہ اس کی سند نہیں کہ یہ وہی جگہ ہے۔ اگر اس کی سند نہیں، تو ضرور مکہ میں کوئی جگہ، تو

---

[1] محمد مقتدیٰ شروانی النظر الاول زاد السبیل ص ۲۶، ۲۵

[2] ہارون خاں شروانی (اہلحدیث) نظر ثانی " " ۴۴

وہ ہوگی رجہاں یہ واقعات گزرے حکومت عرب کا یہ فرض عین تھا کہ ایسے مقامات پر جو شرک و بدعات ہوتے تھے، تو ان کی روک تھام کرتی، تو ثواب دارین حاصل ہوتا، مگر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے سے ہرگز کوئی تقویت اسلام کو نہیں ہوتی۔ مولد فاطمہ میں غرباء کے بچوں کا مدرسہ تھا، وہ کونسی بدعت تھی کہ اس کو بھی نہ قائم رہنے دیا گیا۔ اصل میں سلطان ابن سعود اپنی بادشاہی کے غرہ میں اگر یہ سب کچھ کر رہے ہیں، ان کو حد سے ہرگز نہیں گزرنا چاہیے۔ ان کو اہل اسلام کی ہر ملت کے قلوب کا لحاظ کرتے ہوئے سلطنت کرنا مناسب ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو صرف اپنے اثر سے بدعات (راحیل صاحبہ کی بدعات سے مراد کسی بزرگ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر اس کے وسیلہ سے مقبولیت کی دعا کرنا ہے) کو نہ روک سکا اور مقامات کو مسمار کرا کر اپنی کمزوری کا ثبوت دے۔ ہم شریف کی بے اعتدالیوں اور لاپرواہیوں سے نالاں تھے، حنفی لوگ نجدیوں کے مظالم سے ہراساں ہیں۔

اسلام کو سکون کب حاصل ہوا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس گروہ کو شرک (شرک سے راحیل صاحبہ کی مراد بزرگوں سے توسل اور استغاثہ ہے اور یہ خود امام ابو حنیفہ اور امام شافعی و دیگر ائمہ کا طریقہ رہا ہے) کی ہرگز تلقین نہیں کی، بلکہ لوگ خود ہی سینکڑوں سال سے اصلاح نہ ہونے کے باعث گمراہی میں مبتلا ہو گئے ان کی اصلاح اس طرح کرنی تھی کہ حکومت شرک و بدعات کو جبراً روکتی۔ جیسا کہ ترکوں کے زمانہ میں ہر مقام پر کوڑا بردار کام کیا کرتے تھے (ترکوں کے عہد میں کوڑا برداروں کا صرف یہ کام تھا کہ جو شخص جہالت کی بنا پر آستانوں پر سجدہ تعظیمی کرتا تھا، اس کو کوڑوں سے سرزنش کی جاتی تھی۔ توسل اور استغاثہ نہ شرک و بدعت ہے نہ اس پر کوئی باز پرس ہوتی تھی (قادری)، مگر یہ چند مقامات برباد کر دینے سے عام بے چینی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی۔ ؎

ؔ راحیل شروانیہ زاد السبیل ص ۳ - ۲

اہل حدیث حضرات کا تعصب اور انبیا اور اماموں کی بے حرمتی

راحیل شروانیہ اہل حدیث حضرات کی تنگ نظری کے بارے میں لکھتی ہیں اور دہلی کے پنجابی اہل حدیث حضرات کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

اور سب اہل حدیث ہیں، ہر ایک نیک بات کے شوقین ہیں، مجھے ان لوگوں کا وجود بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں، مگر افسوس ہے کہ زیادہ تر یہ سب متعصب ہیں، حالانکہ اہل حدیث کا مقصد اول یہ ہے کہ تعصب پاس نہ رہے۔ بس تعصب نے ان کو داغ لگایا ہے۔ ورنہ مذہبی خیال سے یکتا خاندان ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک چاروں اماموں کی وقعت برابر اور ان کے احکام کی صداقت کا حکم ہے، مگر میں نے دیکھا کہ یہ لوگ اماموں کی منزلت کا لحاظ اکثر بھول جاتے ہیں اور اپنی معلومات کے زعم میں ہیں۔ اصل میں یہ بات کم علمی کی وجہ سے ہے، چونکہ عورتوں ہی سے میرا سابقہ رہا تھا؛ لہٰذا ظاہر ہے کہ فرقہ اناث ہے، جو علم سے بہت کم تعلق ہے بس جو حالت ہونی چاہیے تھی ہوتی۔ میری عادت مذہبی معاملات میں مباحثہ کی نہیں ہے، کیونکہ اول تو میں خود اس معاملہ میں ناواقف ہوں اور نہ عالم سے بحث کر سکتی ہوں اور نہ جاہل سے، کیونکہ اگر عالم سے بحث کروں تو جذبات میرے ذہن نشین نہیں اور جو جاہل سے بحث کروں، تو دہرا گناہ سر پر لوں۔ اس لیے مذہبی معاملہ میں مباحثہ سے بہت ڈرتی ہوں، مگر وہ لوگ چونکہ اپنے کو ہر ایک علامۃ الدہر سمجھتے تھے۔ اس لیے ہر جاہل سے ہر وقت مباحثہ ہوتا اور نہایت برا نتیجہ اس کا نکلتا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ بغیر رفع یدین اور کھڑے سجدہ کے نماز ہی نہیں ہوتی حالانکہ اہل حدیث کے عالموں نے ہر دو کی اجازت دی ہے۔ ان لوگوں نے نہایت بری خصلت اختیار کی ہے کہ جہلاء کو اپنی روش پر لانا چاہتے ہیں۔ یہ تو علم کے اہل

ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ بس سے

گر ہمیں مکتب ست و ایں ملا!

کار طفلاں تمام خواہد شد

کا مضمون ہے۔ یہ جاہل ور جاہلوں نے اور بھی اہل حدیث کو بدنام کیا ہے، جاہلوں کے چیلوں کی یہاں تک نوبت ہے کہ اماموں کو برا کہنے لگے اور پیغمبروں کو اپنا ہمسر بنانے لگے۔ یہ حالت نہایت ہی افسوسناک ہے۔ اس گروہ کے ایک بڑے رکن ہیں، ان کا ملازم ایک روز حرم شریف میں کہنے لگا کہ یہ مصلے اماموں کے نام کے کیوں بنا دیتے ہیں اور اس حنفی مصلیٰ کو تو مجھے ایسا غصہ آتا ہے کہ توڑ ڈالوں ایک دوسرا حنفی بھی بیٹھا تھا، وہ مارنے مرنے پر مستعد ہوا اور اس نے کہا کہ اگر تم حرم شریف میں نہ ہوتے، تو تمہارا منہ بگاڑ دیتا۔ اس قسم کی بات کہاں تک اسلام میں جائز ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کفاروں کے معبودوں کو بھی بُرا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ بگڑ کر تمہارے معبود کو برا کہنے لگیں۔ غور کرو کہ پتھروں کی بابت یہ حکم اور رہبران دین کی عمارات اور وہ بھی حرم شریف کا جز اس کے واسطے یہ احمقانہ الفاظ کہاں تک جائز ہیں۔ افسوس کہ جہلا ہر جگہ خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مکہ میں اہل حدیث کا ہر شخص دشمن ہو گیا ہے۔ جہاں تک کلام اللہ سنانے کو رمضان المبارک میں کہیں جگہ نہ ملتی تھی ان میں دو ایک حافظ بھی تھے انہوں نے چاہا کہ ہم بھی اس سعادت میں شریک ہوں، مگر لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ہرگز وہابیوں کو اپنی صفوں میں نہ آنے دیں گے۔ بڑی مشکل سے اس گرمی میں دالان کے اندر کونہ کے چبوترے پر اجازت ملی، تو کوئی قرآن شریف سننے کو نہ آتا تھا۔

اور سنسوں میں کوا۔ یہ خود ہی پڑھتے تھے اور خود ہی سنتے تھے۔ الحمد اللہ

میں بھی اہل حدیث ہوں، مگر خداوند عالم مجھ کو ان خرابیوں سے بچائے، جس سے اسلام کو داغ لگے۔ اہل حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مشائخ اسلام کی عزت نہ کرے اور اماموں و انبیاء علیہم السلام کی وقعت نہ پہچان کر دوزخ کی طرف اپنے کو لے جائے، بلکہ اہل حدیث وہ فرقہ ہے کہ چاروں اماموں کے احکام کی وقعت کرتا ہے اور حتی الوسع بحسبہٖ احادیث پر چلنے کی کوشش ہمارے علماء تمام بزرگان دین کی عزت کو فرض تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں ان کو خدا کے مرتبہ تک پہنچانا اور ان کی قبروں کو معبود بنانے (نیز سوائے خدا، دوسرے کے سامنے سر جھکانے کو شرک، بلکہ کفر خیال کرتے ہیں[1]

---

[1] یہ غالی اہل حدیث حضرات کا محض افتراء ہے کہ اہل سنت انبیاء کو خدا کے برابر درجہ دیتے ہیں یا ان کی قبروں کو معبود بناتے ہیں یا قبروں کے سامنے جھک کر تعظیم بجالانے کا حکم دیتے ہیں ایسا امور علماء اہلسنت کی کسی تصنیف سے ثابت نہیں ہیں، بلکہ اس کے برعکس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ابر المقال اور فتاویٰ رضویہ جلد ۴ میں قبروں کے آگے جھکنے کو حرام قرار دیا ہے۔ وہابیوں کو خدا کے برابر قرار دینا یا قبروں کو پوجنا، تو امتِ مسلمہ کے بارے میں یہ گمان سخت گمراہی پر مشتمل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں پیش گوئی فرمائی ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک کا خوف نہیں، نیز آپ نے دعا فرمائی اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اے اللہ میری قبر کی پرستش نہ کرانا، لہٰذا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ امت مسلمہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئی، وہ حضور کی پیش گوئی کے صدق اور آپ کی دعا کی استجابت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی تفصیلی بحث سابقہ ابواب میں گزر چکی ہے؛ البتہ غالی اہل حدیث اور عقیدت سے محروم وہابی جب اہل سنت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اصحاب اور اولیاء اللہ کے آستانوں کو تعظیماً بوسہ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو اس کو سجدہ عبودیت پر محمول کر کے جھٹ شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں علامہ اقبال عبد العزیز بن سعود کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست | کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجود نیست اے عبد العزیز ایں | بروبم از مژہ خاک در دوست
تو سلطان حجازی، من فقیرم | ولے در کشور معنی امیرم (ارمغان حجاز)

(تو بھی محبوب کے ساغر سے محبت کی شراب پی تاکہ تجھے ہمیشہ کے لیے محبوب کی بارگاہ میں پذیرائی حاصل ہو۔ اے عبد العزیز بن سعود جس کو تو سجدہ سمجھتا ہے، یہ سجدہ نہیں ہے، یہ تو میں اپنی پلکوں سے محبوب کے دروازہ کی جاروب کشی کرتا ہوں مانا کہ تو سلطنت حجاز کا امیر ہے اور میرے پاس کوئی ظاہر سلطنت نہیں لیکن محبت کی مملکت کا میں بادشاہ ہوں جس میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے) علامہ اقبال نے ان اشعار میں صاحب رسالت اہلسنت اور خشک اور محبت و عقیدت سے محروم وہابیوں کے درمیان فرق ظاہر کر دیا ہے کہ اہلسنت متعززین بارگاہ الوہیت کی محبت میں جو محض ان کے تقرب الی اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے، آستاں بوسی کرتے ہیں اور خشک وہابی اس کو سجدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قادری غفر لہٗ

ہمارے علماء ہرگز ابن عبدالوہاب کی روش پر چلنے کا حکم نہیں دیتے، مگر افسوس ہے کہ نیم ملاں خطرہ ایمان ہو گئے اور انہوں نے احادیث جیسی چیز کو بدنام کیا۔ (ابن عبدالوہاب کے دل میں تو کوئی نہیں گھسا تھا اگر وہ فاسد خیالات رکھتا تھا، تو ضرور وہ راہ بھولا ہوا تھا، ہم کو اس سے کیا غرض وہ کوئی نبی نہ تھا، امام نہ تھا، رہا عالم ہونا، تو بہت سے عالم بھی راہ بھول جاتے ہیں اور اپنے علم کے زعم میں اپنے ساتھ دوسروں کا بھی ناس لگاتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے، بہت سے عالم مع اپنے گھر والوں کے دوزخ کی طرف ہنکا لے جائیں گے۔

ناا ہلوں کی حرکات کی وجہ سے لوگوں نے اہل حدیث کو وہابی کا خطاب دیا ہے، لیکن ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں، علماء کو چاہیے کہ ضرور اس خرابی کی طرف متوجہ ہوں اور اصلاح کریں اور بذریعہ وعظ جاہلوں کو راہ پر لائیں، ہر ملت، ہر قوم اور طبقہ میں ایسے لوگ جاہل موجود ہوتے ہیں؛ چنانچہ شریف عون کے وقت میں کسی نیم ملا نے کوئی کلمہ آنحضرت کی شان میں کہا تھا، وہ کم بخت اپنے کو اہل حدیث کہتا تھا۔ [1]

ابن سعود کی جسارتیں

راحیل صاحبہ اہل حدیث حضرات کے تعصب اور ان کی جارحیت اور جہالت پر تبصرہ کرنے کے بعد ابن سعود کے شرمناک افعال پر تبصرہ کرتی ہیں:

جس وقت میں نے سفرنامہ لکھا تھا، تو شریف حسین کا دور دورہ تھا، جس نے اہل حدیث کی مٹی خراب کی تھی اور اب ابن سعود رنگ لا رہے ہیں۔ انہوں نے حنفیوں کو شکست دینے کے خیال سے تو قبر اسلام کو ہی مٹانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ تمام نشانات بزرگان دین کے نابود کر دیے یہاں تک کہ سرور کائنات کی پیدائش کی جگہ کو مسمار کر دیا۔ اس خدا کے بندہ کے دل میں

[1] راحیل شروانیہ زاد السبیل ص ۱۷۱ - ۱۶۹

یہ خوفِ خدا نہ آیا کہ اپنے راہبر کے اس مقام متبرک کے پامال کرنے سے کیا دنیا میں سرسبز رہینگے ہرگز نہیں، جس طرح آج شریف حسین کا صرف نام نیکی یا بدی سے ہماری زبان پر رہ گیا ہے۔ اسی طرح بہت جلد ابن سعود کی حرکات کو یاد کریں گے، مگر اسلام کے نشانات کیا ایک ادنیٰ شخص کے مٹانے سے مٹ جائیں گے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر ہم ایک کام معمولی اہمیت سے انجام دیتے ہیں، تو اس کی یادگاریں قائم ہوتی ہیں اور اسلام جیسے اہم کام کے بانیوں کے نشان کو مٹا دینا کیا شانِ ایمان ہو سکتی ہے۔ میں بھی شکر کرتی ہوں کہ اہلِ حدیث ہوں اور اس بات کو مانتی ہوں کہ ان مقامات پر بدعات اور بعض اوقات شرک (غیر مقلدوں کا خود ساختہ) بھی ہوتا تھا، مگر کیا اس کا تدارک یہ تھا کہ اس جگہ کو بھی مٹا دو۔ نہیں بلکہ شانِ بادشاہت یہ تھی کہ ابن سعود کوڑا بردار مقرر کرتے کہ جو شخص خلافِ شرع حرکت کرے اور حد سے بڑھے اس کو تعزیر کرکے خدا کے سامنے پورے طور پر سرخروئی حاصل کی ہوتی اور بندگانِ خدا کی نگاہ میں بھی وقعت ہوتی۔ اگر ابن سعود ایسا کرتے، تو آج دنیاءِ اسلام ان کے پیر دھو کر پیتی اور خدا بھی خوش ہوتا، لیکن صد حیف اسلام میں حمیت باقی نہیں رہی ہم اپنے اعجاز کو خود پائمال کرتے ہیں۔

احادیث شریف سے قبور گنبد اگر ناجائز ثابت ہوتے ہیں (کسی حدیث صحیح میں قبر پر گنبد بنانے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ بکثرت فقہاءِ اسلام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے (قادری) مگر مولد النبی یا مولد فاطمہ وغیرہ کے گنبد توڑنے سے کیا حاصل۔ اس کا تو شرع شریف میں کہیں حکم نہیں ہے۔ ان کا قول ہے کہ اس جگہ کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ مولد النبی یا حجرہ عائشہ صدیقہ کا ہے، تو مکہ میں کسی جگہ تو ضرور حجرہ عائشہ صدیقہ اور مولد النبی ہوگا۔ اس جگہ کو تلاش کرنا تھا۔ علاوہ اس کے یہ ہی کیا ثبوت ہے کہ اس جگہ پر مولد النبی یا مولد فاطمہ نہیں ہے۔ مولد فاطمہ میں تو میرے جانے کے

وقت غربار کا مدرسہ تھا جس کو اسلام صدقہ جاریہ کہتا ہے، لیکن اس کو بھی برباد کیا

میں ہرگز اس بات کے ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ابن سعود کی یہ حرکتیں فی سبیل اللہ

یا حکم شرع کی بنار پر ہیں نہیں۔ وہ محض ملیت کے تعصب سے مغلوب ہو رہے ہیں

ورنہ کلام مجید کی نص صریح ہے کہ کفار کے معبودوں کو ان کے سامنے برا نہ کہو کہیں

تمہارے معبود کو وہ برا کہنے نہ لگیں۔ بلکہ ان کی غلطیاں ان پر آسانی اور حلم سے

ثابت کر دو پھر وہ بتائے گا کہ جب بتوں کو برا کہنے سے اسلام روکتا ہے، تو بزرگان

دین کے واسطے گستاخی کہاں تک جائز ہے۔

ہم کو افسوس ہے کہ ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی صاحب اور نواب صدیار

جنگ بہادر عرب کو گئے اور اس بارے میں کچھ کر کے نہ آتے ! مجھ کو پوری امید تھی

کہ یہ لوگ ابن سعود کو ضرور تعصب سے بچنے پر مجبور کریں گے۔ خاص کر علمار لوگ

تو جا کر ان سے احادیث کی رو سے بحث کر کے قائل کر سکتے ہیں (علمار نے ابن سعود

کو قائل تو کر لیا تھا، لیکن ابن سعود ان سے قبوں اور مقامات مقدسہ کی حفاظت

کے پیہم وعدہ اور مستحکم عہد کرنے کے بعد ان سے پھر گیا اس کا کیا علاج (قادری غفرلہٗ)

لیکن میرے عمومی صاحب محترم صدر الصدور امور مذہبی حیدر آباد دکن۔ ایسا عالم شخص

جا کر ابن سعود کو راہ راست پر نہ لا سکا، تو سوائے اس کے کہ ہم اسلام کی کمزوری پر

آٹھ آٹھ آنسو رو کر صبر کر لیں اور کچھ چارہ نہیں ہو سکتا۔

آگے چل کر لکھتی ہیں :۔

ابن سعود نے وہ سختی اور وہ بے رحمی برتی ہے کہ ہر مسلمان کا دل بہت دکھ

گیا، بلکہ ناسور ہو گئے ہیں۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ہمارے باپ دادا کا بنایا

ہوا کچا گھر ہوتا ہے۔ اس کی ہم کیسے حفاظت کرتے ہیں اور اس کی ایک مٹھی مٹی پر ہم

اپنی جان دیتے ہیں اور مرنے مارنے پر تیار رہتے ہیں، پھر یہ مقامات ہماری نگاہوں

میں کیوں وقعت نہیں رکھیں گے کہ جب اپنے قدیم آبائی مکان کی حفاظت ہم صرف اسی لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دادا پردادا کے ہاتھ کی نشانی ہے۔ یادگار تو ہر مذہب خواہ عیسائی ہو، یہودی ہو مسلمان ہندو آتش پرست ہر ایک قوم میں عزیز سمجھی جاتی ہے۔ آج ابراہیم خلیل اللہ کی صرف یادگار قائم رہنے کی بنا پر ہم پر حج فرض ہوا، ورنہ کیا ضرورت تھی کہ ہم مٹی کے بنائے ہوئے ستونوں پر کنکری مار کر یہیں کہ شیطان کو مارنے جاتے ہیں۔ سعی کیوں لازمی ہوتی۔ طواف کس واسطے ضروری ہے۔ یہ سب نشان اسلام قائم رکھنے کو برقرار رکھا گیا۔ یہ سچ ہے کہ سرورِ کائنات ایک درخت سے پیٹھ لگا کر بیٹھتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا۔ جب امیر المومنین سے وجہ دریافت کی گئی، تو انہوں نے فرمایا۔ مجھ کو خوف ہے کہ لوگ کہیں اس کو پوجنے نہ لگیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پوجنے کا خوف اس کے کاٹنے پر حاوی ہوا، مگر بادشاہ یا خلیفہ کس کے واسطے ہے۔ محض اس لیے کہ ان سب باتوں کی حفاظت کرے، کسی کو حد شرع سے نہ بڑھنے دے۔ اگر ابن سعود اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ لوگوں کو بدعت اور شرک اور وہابیوں کا خود ساختہ (قادری) سے روک سکیں، تو وہ ہرگز مکہ معظمہ کا حاکم کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس کو فوراً کنارہ کرنا چاہیے۔ ہم ہرگز نشانات اسلام مٹا دینے کو اور مومنین کا دل دکھانے کے واسطے ابن سعود کو حاکم بنانے کو تیار نہیں ہیں کعبہ کا حاکم خدا ہے۔ بادشاہی کا پہلا فرض شانِ اسلام کو قائم رکھنا ہے۔ اگر یہ نہیں تو ہرگز ہم کو حاکم کی ضرورت نہیں اگر تمام نشاناتِ اسلام کو مسمار کر دیا، تو تم حفاظت کس چیز کی کرو گے۔ میں یقین دلاتی ہوں۔ اگر ابن سعود نے اپنی بے جا حرکتوں سے توبہ نہ کی، تو چند روز کی ہوا ہے۔ ہرگز وہ قائم نہیں رہ سکتے۔ (ابن) عبدالوہاب نے اسلام کے ساتھ سرکشی کرنے کا بیڑہ اٹھایا آج اس کا نشان دنیا سے نیست د

بود ہے، نیز اہل حدیث کو کوئی وہابی کہتا ہے، تو اس طرح برا مانتے ہیں، جیسے
شیعہ رافضی کہنے سے صرف اس لیے ہماری نگاہ میں (ابن) عبد الوہاب کی وقعت نہیں کہ
س نے عمائدین اسلام کی شان میں گستاخیاں کیں اس وجہ سے دنیا میں پھلا پھولا نہیں
ہم اہل حدیث گروہ کو بے شک بندہ کو خدا بنانے کا حکم نہیں (الحمدللہ مسلمانوں
میں کوئی شخص بندہ کو خدا نہیں بناتا یہ محض اہل حدیث حضرات کا افتراء ہے (ناقل)
مگر محنت کسی قدر کیسے نہ کریں گے۔ کوئی معمولی شخص اگر معرکہ کا کام کر جاتے، تو عمر
بھر اچھے الفاظ میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ فلاں شخص نے یہ کیسا بڑا کام کیا، پھر خدمت
گزار اسلام کی وقعت ہمارے دل میں کیسے نہ ہو گی۔ کہ انہوں نے وہ کارہائے نمایاں
کیے ہیں۔ ؎

ترکوں کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے،

ترکوں کی یاد

راحیل صاحبہ لکھتی ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ ترکوں کا یہاں بہت اثر ہے۔ حکومت کا ذرا ذکر کر دو،
تو ہر کس زار زار رونے لگتا ہے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم جلد
ترکوں کا بول بالا کرے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو پرواہ نہیں کہ ہمارا بچہ بچہ مارا
جاتے، مگر ترکوں کی سلطنت حرمین میں ہو جاتے۔ بات یہ ہے کہ ترک ہر خادم حرم
کو صرف خاص سے تنخواہیں دیتے تھے اور اہل مدینہ میں کوئی ایسا ہو گا جس کا تعلق حرم
سے نہ ہو، اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ ہر گھر میں کسی نہ کسی کو ضرور ترکی سے تنخواہ
مقرر تھی اور بعض تو چین کرتے تھے۔ اب حالت یہ ہے کہ فوج کے سپاہی اور پولیس
کے لوگوں کو بھی سال ڈیڑھ سال سے پیسہ نہیں ملا، یہاں کا سرکاری اور غیر سرکاری
ہر فرد بشر شریف حسین کو بد دعا سے یاد کرتا ہے۔ کیا کرے مرتا کیا نہ کرتا یہاں

؎ راحیل شروانیہ زاد السبیل ص ۱۷۶ - ۱۷۷

کے خواجہ سراؤں کو آپ دور سے دیکھیں، تو سفید پوش معلوم ہوتے ہیں اور قریب جا کر دیکھو تو کئی کئی پیوندان کے جبہ میں نظر آئیں گے۔ ؎۱

؎۱ راحیل شروانیہ   نار السبیل   ص   ۲۱۰

اقبال کا پیغام ابن سعود کے نام

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست — کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں — بروبم از مژہ خاک در دوست

تو سلطان حجازی من فقیرم — ولے در کشور معنی امیرم
جہانے کو ز تخم لا الٰہ است — بیا بنگر بآغوشش ضمیرم

سراپا درد و درماں ناپذیرم — نہ پنداری زبون و زار پیرم
ہنوزم در کمانے مے تواں راند — ز کیش ملتے افتادہ تیرم

بیا باہم درآویزیم و رقصیم — ز گیتی دل برانگیزیم و رقصیم
یکے اندر حریم کوچہ دوست — ز چشماں اشک خوں ریزیم و رقصیم

ترا اندر بیابانے مقام است — کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر — طناب از دیگراں جستن حرام است

مسلمانیم و آزاد از مکانیم — بروں از حلقہ نہ آسمانیم
بما آموختند آں سجدہ کزوے — بہائے ہر خداوندے برانیم

ز افرنگی صنم بیگانہ تر شو — کہ پیمانش نمی ارزد بہ یک جو
نگاہے وام کن از چشم فاروق — قدم بے باک نہ در عالم نو

باب ۱۰

شاہ سعود کا دورِ حکومت

maablib.org

۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ابن سعود کی رحلت کے بعد شاہ سعود تخت نشین ہوا۔ ابن سعود کے دورِ حکومت میں امیر فیصل وزیر خارجہ تھے۔ سعود نے بادشاہ ہونے کے بعد فیصل کو نائب وزیر اعظم بھی بنادیا۔ ۱۹۵۰ء میں شاہ نے امیر فیصل کو وزیر اعظم بنادیا۔

امیر فیصل کا دورۂ بھارت

۱۹۵۹ء میں امیر فیصل نے نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے بھارت کا دورہ کیا۔ بھارت میں امیر فیصل کا شاندار استقبال کیا گیا۔

روزنامہ نوائے وقت لکھتا ہے:۔

بھارتیوں نے امیر فیصل کے استقبال میں بھارت سعودی عرب زندہ باد، راجکمار سعودی عرب زندہ باد کے نعرے لگائے۔ امیر فیصل نے بھارت میں قیام کے دوران میں ڈاکٹر راجندر شاد، ڈاکٹر رادھا کشن اور پنڈت نہرو سے ملاقاتیں کیں اور راج گھاٹ پر مہاتما گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھانے گئے، نیز ایک گاؤں رتی گڑھ میں تشریف لے گئے، جہاں دیہات سدھار کا کام دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ وہیں دس ہزار روپے کا عطیہ عنایت فرمادیا۔[1]

یاد رہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کو چومنے کی کوشش کرتا ہے یا جنت البقیع کی مقدس قبروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا اس کو نجدی سپاہی کوڑوں سے پیٹتے ہیں، کیونکہ اس سے توحید میں فرق آتا ہے اور مسلمانوں کے دشمن اور بدترین مشرک گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھانے سے شاید توحید

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۳) روزنامہ نوائے وقت ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء

میں فرق نہ آتا ہو گا۔ ۱۹۷۴ء میں جب شاہ فیصل پاکستان کے دورے پر آئے، تو نہ انہوں نے حضرت داتا دربار جا کر فاتحہ پڑھی نہ قائد اعظم کے مزار پر جا کر ایصال ثواب کیا۔

شاہ سعود کا دورۂ بھارت

۱۹۵۵ء کے اخیر میں شاہ سعود نے بھارت کا دورہ کیا۔ ہندوستان کا اخبار سیاست اس دورہ کی بعض تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شاہ سعود جب ہندوستان میں آئے، تو شملہ سے آٹھ میل دور آپ نے ہماچل پردیش کے لوگوں کا پیش کیا ہوا لوک ناچ کا ایک پروگرام دیکھا اور جناب صدر معزز وزراء خواتین اور راجندر پرشاد کے جواب میں شاہ سعود نے تقریر فرمائی۔ مدرسہ دیوبند کو پچیس ہزار روپیہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان اور سعودی عرب کے اتحاد اور دوستی کے رشتے ہمیشہ مضبوط رہیں گے"۔ [۱]

بھارت کے شاندار استقبال اور روح پرور تقریبات سے مسرور ہو کر شاہ سعود نے حکومت بھارت کو مسلمانوں کو امن سے رکھنے کی سند عنایت فرما دی۔

روزنامہ کوہستان شاہ سعود کا بیان نقل کرتا ہے۔

میں بھارتی مسلمانوں کے حالات سے مطمئن ہوں ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ ہو رہا ہے۔ [۲]

جن دنوں شاہ سعود بھارت کے دورے پر گئے ہوئے تھے ان دنوں مکہ ریڈیو سے شاہ سعود کے دورہ کی کمنٹری نشر ہو رہی تھی۔ بھارت میں شاہ سعود کے اعزاز میں دیئے جانے والے جلسوں، دعوتوں اور تقریروں کا خلاصہ بیان ہوتا تھا اس موقع پر ایک خاص قابل ذکر پروگرام کا ذکر روزنامہ غریب لائلپور سے سنیئے۔

(۱ بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۴۳) روزنامہ سیاست کانپور ۲۳ دسمبر ۱۹۵۵ء ۲ بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۴۳) روزنامہ کوہستان ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء) ۳ بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۴۴ روزنامہ غریب لائلپور ۱۳ جنوری ۱۹۵۶ء

• کمنٹری کے پہلے اور بعد اور درمیان میں جو موسیقی پیش کی جاتی ہے وہ ہندوستانی فلموں کے گیتوں کی موسیقی ہوتی، جس میں خالص ہندوانے مذہبی فلموں کی دھنیں بھی شامل ہوتی تھیں اور آرتی وغیرہ کے پس منظر میں ساز بھی بجتے تھے۔"

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں

پنڈت نہرو کا دورہ سعودیہ عرب

شاہ سعود نے بھارت سے روانگی کے وقت ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو سعودی عربیہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ ستمبر ۱۹۵۶ء کے اخیر میں پنڈت نہرو نے سعودی عربیہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔

پنڈت نہرو کے استقبال کے لئے جس تزک و احتشام سے سعودی عرب میں تیاریاں ہو رہی تھیں ان کے بارے میں روزنامہ امروز لکھتا ہے۔

سعودی عرب میں پنڈت نہرو کی مدارات کا ایسا انتظام کیا جا رہا ہے جو الف لیلا کے جاہ وجلال کی یاد کو تازہ کر دے گی۔ ہر روز طائف کے باغوں سے گلاب کے تازہ پھول طیارہ کے ذریعہ ان محلات میں لائے جائیں گے جہاں نہرو قیام کریں گے۔ وزیر اعظم اور ان کی پارٹی کے لئے شاہی نوشہ خانوں میں خاص انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ ہوائی مستقر سے ریاض میں شاہ سعود کے نہایت پرشکوہ محل تک نہرو کو جلوس کی صورت میں لے جایا جائے گا، جس کی پیشوائی شاہ کا محافظ دستہ اور موٹر سائیکلوں پر سوار فوجی کریں گے۔ تمام شاہراہوں کو بھارتی اور سعودی پرچموں سے مزین کیا جائے گا۔ [۱]

روزنامہ کوہستان نے پنڈت نہرو کے استقبال کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا:۔

روزنامہ البلاد السعودیہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے اداریے " بھارتی نہرو کو عرب میں خوش آمدید" میں لکھا ہے کہ "سعودی عرب ایک

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۱) [۱] روزنامہ امروز لاہور ۲۱ اگست ۱۹۵۶ء

رہنما کو خوش آمدید کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ مسٹر نہرو ایک ایسی شخصیت ہیں جو ہمیشہ پرامن اور دانشمندانہ پالیسی کے قائل رہے ہیں۔ آخر میں اس اخبار نے دعا کی ہے کہ امن کا یہ داعی ہزاروں برس جئے" شاہ سعود کی موتمر اسلامی کے سیکرٹری کرنل انور السادات نے بھی سرکاری طور پر روزنامہ" الجمہوریہ" میں پنڈت نہرو کو" ایشیائی فرشتہ بنایا" ہے۔ یہ اخبار لکھتا ہے کہ اے ایشیا کے فرشتہ تم پر سلامتی ہو۔ آگے چل کر کرنل سادات لکھتے ہیں، مسٹر نہرو کی نرم اور ملائم آواز توپوں کی گرج سے کہیں زیادہ با اثر ہے، کیونکہ یہ سچائی کی علمبردار ہے۔[1]

پنڈت نہرو کی ریاض میں آمد

روزنامہ جنگ اپنی ۲۹، ۲۸، ۲۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعتوں میں لکھتا ہے۔

سعودی عرب میں نہرو کا مرحبا نہرو رسول السلام (امن کے پیغمبر، ہم تیرا خیر مقدم کرتے ہیں) اور جے ہند کے نعروں سے استقبال کیا گیا سعودی عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہرو کے استقبال کے لئے نجدی عورتیں بھی موجود تھیں۔ یہ خواتین ٹرکوں اور کیڈلاک کاروں میں بیٹھی ہوئیں مسٹر نہرو کو نقابوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ ریاض پہنچنے پر شاہ سعود نے نہرو کو گلے لگالیا۔

سرزمین حجاز پر پہلی مرتبہ بھارتی ترانہ" جانا ما گانا بجایا" گیا۔ پنڈت نہرو جب سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض پہنچے، تو جن میں شاہ سعود، سعودی شہزادے، وزراء اور سعودی فوج کے اعلیٰ افسر شامل تھے، نہرو کا استقبال کیا اور ایک فوجی افسر نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد نہرو ایک کھلی کار میں شاہ سعود کے محل روانہ ہو گئے۔ راستے میں سڑک پر دونوں طرف کھڑے ہزاروں افراد نے نہرو کو دیکھ کر زندہ باد کے نعرے لگائے۔ چوبیس ستمبر کی رات کو شاہی محل الحمرا میں شاہ سعود نے نہرو کے اعزاز میں شاہی ضیافت دی۔ اس کمرے کو رنگارنگ روشنیوں سے سجایا گیا تھا، جب نہرو کمرے میں داخل ہوا، تو شاہ سعود نے آگے

[1] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۷۱) روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

بڑھ کر ان کی شیروانی کے کاج میں سرخ رنگ کا ایک گلاب ٹانک دیا۔

سپاسنامہ ظہران میں سعودی عرب کے گورنر نے نہرو کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں کہا گیا کہ پنڈت نہرو اور ان کی حکومت نے اسلام اور مسلمانوں کی دوستی اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے جو شاندار خدمات کی ہیں سعودی عرب کے لوگ ان کی قدر کرتے ہیں اور انہیں نہرو پر فخر ہے۔ نیز کہا گیا کہ پنڈت نہرو دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں ——— بھارتی سفیر نے اس موقع پر کہا اس دورہ سے ظاہر ہے کہ نہرو اور شاہ سعود کو ایک دوسرے سے کتنی عقیدت ہے۔

نجد میں گیتانجلی کے بھجن بھارتی وزیر اعظم نہرو کو ریاض میں ایک سکول میں لے جایا گیا جس میں سعودی عرب کے شہزادے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جب نہرو اس اسکول کے ایک کمرہ میں داخل ہوئے، تو انہیں یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ طلباء "گرو دیو ٹیگور" کی گیتانجلی کے بھجن مل کر گا رہے تھے جو اسکول کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔

سعودیوں کا نہرو پر بھروسہ جب نہرو ایک اور کمرے میں پہنچے، تو طلباء نے ان کا استقبال عظیم گاندھی کے جانشین کا نعرہ لگا کر کیا، انہوں نے یہ نعرہ بھی لگایا کہ "عربوں کا غیر متنازعہ دوست"۔

پنڈت نہرو نے بھی یہاں مسٹر گاندھی کا پروپیگنڈا کیا۔ اس اسکول میں شاہ سعود کے بھائی سطام نے نہرو کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا آپ امن کے ہیرو ——— اور جدوجہد آزادی میں حصہ لینے والے لیڈروں کے قائد ہیں، نیز کہا کہ نہرو ایک ایسا مضبوط ہاتھ ہے جس پر عرب بھروسہ کر سکتے ہیں، شہزادے نے کہا آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں۔

جانبین سے محبت کا مظاہرہ شاہ سعود نے پنڈت جواہر لال نہرو کو نئے ماڈل کی سات نشستوں والی ایک کیڈلاک

کار کا تحفہ دیا، اس کے علاوہ سونے کی ایک جیبی گھڑی اور دو عرب پوشاکیں بھی دیں۔ اور نہرو نے شاہ سعود کو راجستھان کا بنا ہوا پیتل کا ایک لیمپ دیا جس پر قرآن مجید کی ایک آیت کندہ ہے اور عرب شہزادوں کو نہرو نے ایر کنڈیشنڈ ریڈیو سیٹ اور بھارت کی بنی ہوئی سلائی کی مشینیں دیں۔

نہرو کے دورہ سعودیہ پر ہندوستانی اخبارات کا ردعمل

ہندوستان کے ایک سہ روزہ دیوبندی اخبار

مدینہ بجنور نے ۵/اکتوبر ۵۶ء کے اداریہ کا عنوان لکھا "مرحبا نہرو رسول السلام"

اخبار مذکور اپنی یکم نومبر ۵۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

وزیر اعظم نہرو کے دورہ سعودی عرب کے مقدس موقع پر جدہ میں مولانا کرم علی نے وزیر اعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے بعض اقتباسات یہ ہیں "محترم وزیر اعظم ہم ایک ایسی سرزمین پر آپ کا استقبال کرتے ہوئے بہت مسرور ہیں، جس کی نگرانی ایک ایسی محترم ذات کے ہاتھ میں ہے جو ہمارا مذہبی امام اور خلیفۃ المسلمین ہے —— ہم آپ کی محبوب ترین شخصیت پر فخر کرنے آئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ ہمارے عظیم ترین رہنما کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ سلامت رہیں، محترم پنڈت جی ہم آج آپ کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔

محترم رہنما پنڈت جی! ہم آپ کے استقبال اور خوش آمدید کہنے کے لئے جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ سب آپ کی عظیم ترین شخصیت کو دیکھتے ہوئے کم ہے۔ ہم آپ کی ذات پر فخر کرتے ہوئے آپ کو برکت و سلامتی کا پیغامبر سمجھتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے محبوب ترین لیڈر کی آمد کی یادگار قائم کریں ...... عالی جناب وزیر اعظم مبارک باد۔ اے عظیم شخصیت کے مالک —— عرب ہندوستان زندہ باد شاہ سعود زندہ باد، —— جواہر لال نہرو زندہ باد۔

بھارت کے ہندو اخبار تیج کے اداریہ میں خوش آمدید پیغمبر امن کے تحت حسب ذیل جملے بھی موجود ہیں۔[1]

(۱) پردھان منتری شری جواہر لال نہرو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں پہنچے، تو ان کا استقبال پیغمبر امن کے نعروں سے کیا گیا۔

(۲) اگر ہم غلطی نہیں کرتے، تو اسلام کے معنی امن کے ہیں سلامتی کے ہیں۔ پیغمبر اسلام کے معنی بھی امن و سلامتی کے پیغمبر ہیں۔

(۳) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک کے باسیوں نے پنڈت جی کی عزت افزائی کے لئے وہی لفظ منتخب کیا جس پر اسے ناز ہے، جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں عرب دیش کی عزت ہے۔

(۴) پنڈت جی کے اس دورہ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ تو وقت بتائے گا، مگر اس سے کفر اور کافر کے فلسفہ میں تبدیلی ہوگئی ہے[2]

پاکستانی اخبارات و رسائل کا ردِ عمل

سکھر۔۔۔ یہاں میونسپل مسافر خانے میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد ہوا، جس میں نہرو کو سعودی عرب میں "رسول السلام" کہنے پر شدید احتجاج کیا گیا اور لوگوں نے شاہ سعود اور حکومت سعودی عرب کے خلاف نعرے لگائے۔ جلسہ عام آل پارٹیز کانفرنس کے تحت ہوا۔[3]

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:

ہم شاہ سعود سے پوچھتے ہیں کہ کیا پنڈت نہرو کا دورہ ترتیب دیتے ہوئے انہوں

---

[1] روزنامہ مدینہ بجنور ۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۲)

[2] روزنامہ تیج دہلی ۲۸ ستمبر ۱۹۵۶ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۵)

[3] روزنامہ زمیندار ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲)

نے یہ نہیں سوچا کہ وہ کس شخص کو اس مقدس سرزمین میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس شخص کو جس کی قوم اور جس کی حکومت کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، جس کے بھیب وداماں پر ناموس رسالت کی بے حرمتی کے دھبے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سعودی عرب کے آسمان پر اسلام کا آفتاب گہنا چکا ہے اور وہاں حضرت عمر کی حکومت نہیں ہے، جن کے دور میں سعودی عرب کیا پورے جزیرۃ العرب میں کوئی کافر اور مشرک قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آل سعود کی دینی غیرت اتنی بے حس ہو چکی ہے کہ وہ مسلمانوں اور کے دشمن کو اسلام کے گہوارے میں بلاکر سینے سے لگائیں گے۔ شاہ سعود کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ جس سرزمین پر حکومت کرتے ہیں وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے متبرک ہے۔ ———— اس پر مسلمانوں کی ایک بد خواہ حکومت کے وزیر اعظم کا اتراتے پھرنا دنیا کے ۴۰ کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔[1]

ایک اور اشاعت میں روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:۔

"آل سعود نے پہلی مرتبہ خالص سیاسی مصلحتوں کے تحت ایک بت پرست قوم کے نمائندے کو ریاض بلایا اور اس کے استقبال کے لئے خواتین اور بچوں کو ساتھ لے گئے اور ان سے جے ہند کے نعرے لگوائے۔ سعودی عرب کا یہ فعل سراسر بدعت ہے جس کی کوئی مسلمان بھی حمایت نہیں کر سکتا۔ عجیب بات ہے کہ جن حکمرانوں نے صحابہ کی پختہ قبریں اور قبے تک اس لئے ڈھا دیئے ہوں کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی تعلیمات کے منافی تھے۔ وہی حکمران آج اپنی سیاسی مصلحتوں کے لئے ایک ایسے شخص کو حجاز میں مدعو کر کے استقبال کر رہے ہیں جو بت پرستوں کا نمائندہ ہے اور اسلام کے ہر مکتبۂ خیال کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کوئی بت پرست اسلام کے اس گہوارے میں قدم نہیں رکھ سکتا۔[2]

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲) [1] روزنامہ کوہستان ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲) [2] روزنامہ کوہستان ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

روزنامہ کوہستان ہی لکھتا ہے:۔

آج عربوں کے امیر المومنین کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی معتقدات سے انحراف کرنے لگا ہے، قرآن حکیم کا یہ واضح حکم ہے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (۹/۲۸) مشرک ناپاک ہیں اور انہیں اس سال کے بعد مکہ معظمہ کے قریب نہ پھٹکنے دینا۔

اور شاہ سعود پنڈت نہرو کو سرزمین مقدس پر سیر سپاٹہ کرا رہے ہیں، اب یہ معلوم نہیں کہ شاہ سعود کے نزدیک پنڈت نہرو مشرک کی تعریف سے بالاتر ہیں یا ان کا خیال ہے کہ مشرک کو مکہ معظمہ کے بالکل قریب نہیں آنا چاہیئے اسے کسی قدر دور رکھ کر گھما پھرا دیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، بہرحال قرآن پاک کا یہ مفہوم ایسا ہی ہے جو شاہ سعود پر ہی منکشف ہوا۔

شاہ سعود وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس روایت کو توڑا اور صنم خانے کے ایک پاسبان کو ارض کعبہ پر بلایا اور صرف بلایا ہی نہیں، بلکہ خلافِ روایات اس انداز سے اس برہمن بچے کا استقبال کیا۔ استقبال کے وقت جو نعرے بلند کئے گئے، ان میں ایک نعرہ دنیا کے اسلامی حلقوں میں خاص طور پر قابلِ اعتراض سمجھا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پنڈت جی کو رسول اسلام کہا گیا ہے جس کے معنی پیغمبر اسلام کے ہیں۔ پنڈت نہرو کے حالیہ دورے سے یہ تاثر بھی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ سعودی مملکت جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی۔ محض نام کی اسلامی حکومت ہے اور اس کا طرزِ عمل ازمنہ وسطیٰ کی عیسائی کیتھولک حکومتوں سے قطعاً مختلف نہیں، جو مذہب کے نام پر لوگوں کا ناجائز استحصال کرتی تھیں۔[1]

ایک اور اگلی اشاعت میں کوہستان نے لکھا:۔

ارے! صاحب ابھی تو شروعات ہیں۔ کعبہ اور بت خانہ کو ہم دوش کرنے کے

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۵) [1] روزنامہ کوہستان لاہور ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء

لئے شاہ سعود اور پنڈت ہنرو جو کوششیں کر رہے ہیں۔ اس میں برہمن کا تو کچھ نہیں جائے گا، البتہ موحد جو بت شکنی میں سبک دست ہوتا ہے اس کے مصلحت شناسی اور رو باہی آجائے گی اللہ اکبر: ایک دور وہ تھا، جب علامہ ابن عبدالوہاب کے نام لیوا یہ نعرہ لگاتے تھے کہ ہمارے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ اب وہ گیتا بجلی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، یہ دیکھ کر پنڈت ہنرو کو کتنی مسرت ہوئی ہوگی وہ کیوں نہ خوش ہوں وہ کہتے ہوں گے کہ بھارت کے مسلمانوں کو ہندو ہزار سال سے اپنا مذہب پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ پڑھتے دکھائی نہیں دیتے اور میرے سعودی عرب کے ایک دورے سے عربوں کی نئی نسل میں گیتا بجلی پڑھنے کا ذوق شوق پیدا کر دیا۔ سعودی عرب کے اس تجربے کے بعد عجیب نہیں کہ بھارت کے مسلمانوں کو حکم ہو جائے کہ تم اپنی مسجدوں میں آشوب بھی سنایا کرو۔

ابراہیم جلیس متوفی ۱۹۷۰ء لکھتے ہیں:۔

قاطع بدعات ومناہی مقلد ابن عبد الوہاب نجدی

محافظ حرمین شریفین جلالۃ الملک شاہ سعود کے نام!

قدایان رسول وعالیان اسلام کا پیغام

جلالۃ الملک اللہ آپ کو محبت رسول دے

خدا معلوم آپ کو معلوم ہے یا کہ نہیں کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نام سے ایک الگ ملک بنا لیا تھا۔ اس نوزادہ ملک کے بنتے ہی دشمنان اسلام و مسلمین نے مسلمانان ہند کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا اور پھر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا؛ چنانچہ ہندوستان سے مظلوم مسلمانوں نے اپنے آبائی وطن اور گھروں سے بھاگ بھاگ کر مرتے گرتے سنبھلتے کیا کیا مصائب برداشت کرنے کے بعد پاکستان میں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن اس کے باوجود اب بھی ہندوستان میں پانچ کروڑ مسلمان موجود ہیں، یہاں نہ ان کی

جانیں محفوظ ہیں نہ ان کی عورتوں کی عصمتیں۔

لیکن اے کلید بردارِ حرم!

جب آپ پچھلے دنوں ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے، تو ان حالات کے باوجود آپ نے ہندوستانی حکومت کو یہ سندِ شاہی عطا فرمادی کہ:۔

میں بحیثیت محافظ الحرمین الشریفین اس بات سے مطمئن ہوں کہ ہندوستان میں مسلمان امن و سکون میں ہیں اور ان کی جانیں محفوظ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یقین کیجئے شاہ!

آپ کی اس سندِ شاہی کی تشہیر کے بعد ہمیں محمد شاہ رنگیلے کے فرامین بے ساختہ یاد آگئے تھے اور ہم یہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ترک کی مسلمان قوم آپ اور آپ کی حکومت سے کیوں غیر مطمئن رہی ہے۔ اس واقعے کے بعد آپ نے ایک غیر مسلم سربراہِ مملکت کو سرزمین حجاز مقدس کے سرکاری دورے کی دعوت دی اور ۲۴ ستمبر ۱۹۵۶ء کو بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو جب آپ کے دار الخلافہ ریاض پہنچے، تو آپ کی حکومت کے اکٹھے کئے ہوئے عوام نے یا رسول السلام نہرو کے شرمناک نعروں سے ان کا استقبال کیا تھا اس استقبال کرنے والوں میں عرب کے وہ قبائلی بدو اور عورتیں بھی شریک کئے گئے تھے۔ جو کسی دشمن اسلام فرد یا قوم کے لئے اپنے دلوں میں جذباتِ احترام نہیں رکھتے پھر سب سے بڑا اجتہاد جو آپ جیسے قاطع بدعات نے کیا، وہ یہ تھا کہ عرب کی خواتین کو غیر محرموں کے انبوہ کثیر میں لاکر ان سے ایک غیر محرم غیر مسلم شخص کا استقبال، سرزمین حجاز پر رسول جیسے متبرک و مقدس خطاب سے کرایا۔

شاہِ قبلہ شکن!

پنڈت جواہر لال نہرو کو رسول کے نام سے آپ نے یا آپ کی قوم نے یاد کرکے پاکستان کے ۹ کروڑ مسلمانوں کی جو دل آزاری کی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ آپ کو کسی نے یہ بات

غلط بتا دی کہ پاکستان میں ایسی قوم آباد ہے جو عربی زبان سے ناواقف ہے اور عربی زبان کے معنی و مطالب سے آگاہ نہیں ہے۔ آپ کے سفارتخانے نے لفظ رسول کے لئے جو تاویلات وضع کر رہے ہیں، اس سے ان کی بے چارگی اور ندامت جرم مترشح ہو رہی ہے۔

جلالۃ الملک

ہم مسلمانان عالم حیران ہیں اور آپ جیسے عقائد مذہبی رکھنے والے لوگ ایک ایسے شخص کو تو "یا رسول" جیسے عظیم لقب سے خوش آمدید کہہ سکتے ہیں جو لبناً ونسلاً بت پرست اور مسلکاً لامذہب ہے، لیکن کوئی مسلمان حیات النبی خاتم الرسل حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دفور جذبات وعقیدت لوازم احترام اور دواجبات استغاثہ میں یا رسول، یا محمد، یا مصطفٰے کہہ کر یاد کرے تو اسے کافر و مشرک قرار دے دیا جاتا ہے۔

یہ کون سی منطق ہے؟ ——— یہ کون سا عقیدہ ہے؟ ———

یہ کون سا مذہب ہے ——— استغفر اللہ ربی

آپ لوگوں نے جنت البقیع کے تمام آثارِ مقدسہ کو شہید کرا دیا، صدہا اصحاب کبار کے قبور کو مسمار کرا دیا۔ گنبد خضریٰ آرام گاہ رسول سرچشمہ انوار الٰہی کے معاد سے زمین بوسی کو حرام اور جرم قرار دیا ہے اور آپ اور آپ کے ہم مسلک عقیدہ لوگوں نے یہ حکم بھی لگا دیا کہ ختم المرسلین نبی آخر الزمان حیات النبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شخص کھڑے ہو کر یا رسول سلام علیک پڑھے وہ مشرک کافر اور اس عقیدے پر اصرار کرے، تو مرتد اور واجب القتل!

لیکن آج یہ کیا ہوا کہ احترام رسول کو بدعت و شرک و کفر کہنے والے مقلدین ابن عبدالوہاب نجدی ایک ایسی قوم کے سربراہ کا استقبال یا رسول السلام کے نعروں سے کرتے ہیں، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمن اسلام ہے اور لاکھوں دیوی دیوتاؤں کا پجاری ہے ———

اللہ اکبر!

اے شاہ!

ہم آج سمجھے کہ بڑے بڑے جو غادریوں کے عقائد و مسلک کے آہنی قلعوں کو سیاسی تقاضے ایک ہی جھٹکے میں مسمار کر دیتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں ـــــ کہ کیا آج سعودی عرب نے کسی ڈاکئیے یا پوسٹ مین یا کسی بھی پیغام رساں کو اہل زبان یا دیہاتی لوگ رسول کہہ کر پکارتے ہیں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ عرب سے کسی بھی گوشے میں کیا کوئی ایسا بد نصیب شخص ہے، جو رسول کا لفظ انبیاء و مرسلین کے علاوہ عام آدمیوں علی الخصوص کسی مشرک و بت پرست یا لامذہب شخص کے لئے بولتا یا لکھتا ہو۔

ہمارے سوالات کا جواب یقیناً نفی میں ہے اور ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور پر نور (روحی فداہ) کی شان میں گستاخانہ خیالات رکھنے اور بارگاہ رسالت میں اپنے معاملات صاف نہ رکھنے کی پاداش میں عرب حاکموں سے یہ حماقت اور دیوانگی سرزد ہوئی ہے۔ تواضع و میزبانی عربوں کا طرۂ امتیاز ہے لیکن:۔

اے کلید بردار حرم!

آپ نے یہ بھی غور کیا کہ سیاسی استحکام اور ذاتی حب جاہ کے لئے آج آپ کی میزبانی اپنی حدود سے بڑھ کر دشمنی دین اور شماتت رسالت کے قعر مذلت اور ظہور ضلالت کی سرحدوں پر آ پہنچی ہے۔

آپ تمام حضرات غیر مشروط طور پر اقرار گناہ کر لیں۔ اس نازک مرحلے پر تاویلات اور استدلال کے سہارے بڑے شرمناک ہیں اس راستے میں ؏

با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

کا عقیدہ واجب لازم ہے اور تاویلات "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہیں۔ خداوند کریم آپ کو محبت رسول دے اور یہ توفیق بھی ارزاں فرمائے کہ آپ یا آپ کی حکومت مسلمانانِ عالم کی اس دل آزاری کے سلسلے میں نادم ہو۔

احتشام الحق تھانوی

روزنامہ جنگ کے پہلے صفحے پر جلی سرخیوں کے ساتھ احتشام الحق تھانوی صاحب کا یہ بیان شائع ہوا۔

کراچی، ۲۰ر ستمبر (اسٹاف رپورٹر) مولانا احتشام الحق تھانوی نے آج رات ایک بیان میں کہا ہے کہ سرزمین حجاز کے دارالخلافہ ریاض میں بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو کے استقبال پر "مرحبا نہرو رسول السلام" سے جو ننگ اسلام اور اسلام سوز نعرے لگائے گئے ان سے نہ صرف یہ کہ مسلمانان عالم کے دینی و ملی جذبات غیرت کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا ہے، بلکہ متولی حرمین شریفین کی اس موحدانہ دین داری کا پول بھی کھل گیا جس کا سارے عالم اسلام میں وہابیوں کی طرف سے ڈنکا پیٹا جا رہا ہے، اس سے قطع نظر کہ سرزمین توحید اور گہوارہ اسلام میں ایک صنم پرست بلکہ منکر خدا اور اللہ کے باغی کو دعوت تکریم دینا اور جوار رسول میں بسنے والے موحدین مردوں اور عورتوں سے خیر مقدم و استقبال کرانا پاسبان حرم کے لئے کہاں تک زیب دیتا ہے یا اس احساس ذمہ داری کو کہاں تک پورا کرتا ہے جو حرمین شریفین کی تولیت پر مسلمانان عالم کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ خود یہ بات بھی اپنی جگہ انتہائی شرمناک اور غیر اسلامی ہے کہ پنڈت نہرو کے لئے رسول السلام جیسے اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ سعودی عرب کے سفارت خانے سے جو وضاحتی بیان دیا گیا ہے کہ نامہ نگار عربی کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے اور رسول سے قاصد کے معنی مراد ہیں، نبی کے معنی مراد نہیں، میرے نزدیک یہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے اور ممکن ہے کہ نامہ نگار عربی کی ابجد سے حقیقت میں واقف نہ ہو، لیکن سعودی عرب کے سفارتی ترجمان سے زیادہ واقف اسلام ضرور معلوم ہوتا ہے اور الزام کی تردید کرنے والے ترجمان ممکن ہے کہ عربی کی مہارت تامہ رکھتے ہوں، مگر اسلام اور تعلیمات اسلام کی ابجد سے بھی ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔ مرحبا رسول السلام کے

لہ ابراہیم جلیس متوفی ۱۹۷۷ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵) ماہنامہ نقاد کراچی ص ۱۲، نومبر ۱۹۵۶ء

نفرد سے ادنیٰ سی ادنیٰ عقل رکھنے والے کو بھی یہ غلط فہمی نہیں ہوتی ہے کہ پنڈت نہرو کو نبی یا پیغمبر بنا دیا یا اس لفظ سے نبی کے معنی مراد لئے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ رسول سے قاصد کے ہی معنی مراد لئے گئے ہیں، یہ اعتراض ہے کہ لفظ رسول اسلام اور قرآن کریم کی بالخصوص اصطلاح ہے جس کی حیثیت شعائر اللہ اور شعائر اسلام کی ہے جیسے قرآن، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ وغیرہ قسم کے بے شمار الفاظ اسلامی شعائر ہیں جو اپنے لغوی معنوں سے نکل کر اصطلاحی معنی کے لئے خاص ہو گئے ہیں۔ اب ان الفاظ کو لغوی معنی میں استعمال کرنا بالخصوص ان لوگوں کی طرف سے جن کو عربی زبان کے استعمال کرنے میں حدود دین کا پاس رکھنا ضروری ہے قطعاً ناجائز و حرام ہے بلکہ شعائر اللہ کی کھلی ہوئی بے حرمتی اور توہین ہے۔

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا کسی مسلمان کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنی تصنیف کا نام کتاب اللہ اپنے گھر کا نام بیت اللہ اور اپنی مسجد کو مسجد حرام اپنے باغ کو جنت اپنے تالاب کا نام کوثر اور تنور کا جہنم اور اپنے پوسٹ مین کا نام رسول رکھ لے، حالانکہ لغوی اعتبار سے یہ سب نام صحیح ہیں۔ کیا قرآن کریم میں:۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا میں الفاظ کا ادب مسلمانوں کو نہیں سکھایا گیا ہے۔ کیا حدیث کے اندر مسلمانوں کو خبث نفسی کی ممانعت سے یہی ادب الفاظ نہیں تبلایا گیا ہے۔

سعودی عرب کے سفارتی ترجمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان کی عربی زبان بھی وہ زبان ہے جس میں اصطلاحات قرآن کی حرمت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگر اللہ کے باغی کے احترام میں آج ناموس رسول کو یہ کہہ کر بھینٹ چڑھا گیا کہ رسول کے معنی قاصد کے ہیں، تو آئندہ تمام شعائر اسلام کی حرمت کبھی باقی نہ رہ سکے گی۔ پھر سلامتی اور امن کا استعمال بھی کس قدر حیا سوز اور عبرت کش ہے کہ جس کے ملک میں آئے دن خون مسلم سے ہولی کھیلی جاتی ہو وہ قاصد امن تو کیا ہوتا اس میں امن و سلامتی کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود نہیں ہے خدا کی شان ہے کہ مردم خور درندوں کو قاصد امن کے لقب سے یاد کیا جائے۔

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہم آخر میں پاسبانِ حرم سے صاف طور پر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ حرمین شریفین مسلمانانِ عالم کی امانت ہے اور ان پاسبانوں کی طرف سے ناموسِ رسولؐ کی بے حرمتی کبھی برداشت نہیں کی جا سکتی[1]

سید ابوالاعلیٰ مودودی

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۵۹-۶-۰ء میں ممالک عربیہ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے رفیق محمد عاصم نام کے ایک غیر مقلد عالم تھے۔ مودودی صاحب نے سعودی عربیہ کی ہند نواز پالیسی اور پنڈت نہرو مرحبا یا رسول السلام کہنے پر سخت تنقید کی۔ ملاحظہ فرمائیے محمد عاصم لکھتے ہیں:۔

۳ بجے کے قریب دوپہر کا کھانا ہوا۔ بالکل مغربی طرز پر مولانا نے کھانے کے دوران اپنی گفتگو میں عرب قومیت کے فتنہ کی خوب خبر لی اور ان لوگوں کو بتایا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان کا معاملہ عربوں کے ساتھ اسرائیل کے معاملہ سے کسی طرح کم یا مختلف نہیں ہے لیکن عرب قومیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب آپ کے اس ملک میں پنڈت نہرو آئے، تو یہاں کے بہت سے اخبارات نے انہیں رسول السلام (امن کا پیامبر) کا لقب دیتے ہوئے ان کا شاندار استقبال کیا، لیکن آپ ہی بتائیں کہ اگر پاکستان کے بن گوریوں —— وزیر اعظم اسرائیل —— کو اپنے ہاں بلوائیں اور پھر اس کا اسی شان سے استقبال کریں، تو آپ لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ امیر عبداللہ نے اس بات کی مذمت کی کہ بعض عرب حکومتیں ہندوستان کو پاکستان پر ترجیح دیتی ہیں، لیکن اپنی مملکت کے متعلق انہوں نے بتایا کہ یہاں بہرحال پاکستان کو مقدم سمجھا جاتا ہے[2]

---

[1] احتشام الحق تھانوی (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۹) روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ ستمبر ۱۹۵۹ء

[2] محمد عاصم سفرنامہ ارضِ قرآن ص ۱۱۴-۱۱۵

ایک اور مقام پر محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں!

ایک نوجوان نے مولانا سے سوال کیا۔ آپ پاکستانی حضرات نے عربوں کے قومی مسائل میں کیا کیا ہے؟ مولانا نے اس سوال کا جواب دیا کہ ہم نے اپنے عرب بھائیوں کے مسائل میں ہمیشہ انکی تائید کی ہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، لیکن اس تائید کی بنیاد آپ لوگوں کا یہ نعرہ نہیں ہے جسے آپ عرب قومیت کے نام سے لگا رہے ہیں، بلکہ اس کی بنیاد وہ دینی رابطہ ہے جو ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ تعالےٰ نے قائم کیا ہے۔ آپ حضرات اس دینی رابطہ کو ختم کرنے کے درپے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اب تک اس کی پاسداری کر رہے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے، جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے، اس نے نہ صرف فلسطین اور الجزائر بلکہ عربوں کے تمام دوسرے مسائل میں ان کی تائید کی ہے، لیکن آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر قوم جو ایک خاص ملک میں رہتی ہو اس کے کچھ اپنے مسائل بھی ہوتے ہیں جن سے اسے بہرحال نپٹنا ہوتا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو فلسطین اور الجزائر یا دوسرے مسائل درپیش ہیں تو ہم پاکستانیوں کو بھی کشمیر کا مسئلہ درپیش ہے۔ اگر یہودیوں نے آپ کے دس لاکھ افراد کو قتل اور جلاوطن کیا ہے تو ہندوؤں نے ہمارے ایک کروڑ کے قریب افراد کو قتل اور جلاوطن کیا ہے اور اب تک ہندوستان اور کشمیر میں ان کے ظلم وستم کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ لوگ اپنی یادداشت پر زور ڈال کر ذرا مجھے بتایئے کہ اس پورے المیہ میں آپ لوگوں نے ہماری کہاں تک تائید کی ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے، لہٰذا میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ آپ لوگوں نے ہماری مدد یوں کی ہے کہ جب ہندوستان وکشمیر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی، تو آپ لوگوں نے اپنی زبانوں پر قفل چڑھا لئے تھے۔ آپ کے اخبارات نے اس کی مذمت میں چند سطریں لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس کے مقابلہ میں پاکستان کے تمام اخبارات نے آپ لوگوں پر کسی طرف سے جو بھی زیادتی ہوئی اس کی ہمیشہ مذمت کی ہے

اور اب تک کر رہے ہیں۔ کاش آپ لوگوں کی کرم فرمائی یہیں تک محدود رہ جاتی۔ مگر آپ نے ثباتی غیر جانبداری اور امن وسلامتی کے علمبردار (ابطال الحیاد الایجابی ورسل السلام) کا لقب دیتے ہوئے ان لوگوں کی طرف دوستی ومحبت کا ہاتھ بڑھایا جن کے ہاتھ اب تک مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ کاش ہندوستان کو آپ لوگوں کی دوستی کا واقعی پاس ہوتا۔ مگر اس نے آپ کو کوئی وقعت نہ دیتے ہوئے اسرائیل کو تسلیم کیا اور اب تک تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان نے اب تک نہ اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اور نہ کبھی اسرائیل کے کسی باشندے کو اپنی سرزمین میں قدم رکھنے کی اجازت دی ہے۔ سوچیے! اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی ضد میں ہم لوگ بھی اسرائیل کو تسلیم کرلیں اور اس کے ساتھ دوستی ومحبت کے روابط پیدا کرنے لگیں اور بن گوریاں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دیں اور اس کے لئے رسول السلام کے نعرے لگا کر اس کا استقبال کریں، تو کیا اس صورت میں آپ لوگ ہمیں کچھ بھی ملامت کرنے کا حق نہیں رکھتے ہیں؟ لیکن نہیں میں تو اسے آپ لوگوں کے سامنے ایک مفروضہ کے طور پر بیان کر رہا ہوں ورنہ ہم پاکستانی مسلمان اس کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتے اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا؛ لہٰذا مجھے امید ہے کہ اس مفروضہ کے ذکر سے آپ لوگوں کی دل آزاری نہیں ہوگی[1]۔

---

[1] محمد عاصم۔ سفرنامہ ارض قرآن ص ۲۱۲-۲۱۱-۲۱۰

سعودی عربیہ کے عام اندرونی حالات

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۶۰-۱۹۵۹ء میں ممالک عربیہ کا جو سفر اختیار کیا تھا اس کی پوری روداد ان کے رفیق سفر ایک غیر مقلد عالم محمد عاصم نے قلم بند کی ہے جو سفر اور حضر خلوت اور جلوت میں ہمہ وقت شریک رہے۔ انہوں نے تمام واقعات کو اسی طرح بیان کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ خود دیکھا ہے یا سنا ہے۔ ہم اس سفرنامہ کے بعض اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جس سے سعودی عرب کے عام اندرونی حالات ناظرین کے سامنے آ جائیں گے۔

کسٹم کی چیکنگ

محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں:۔

کسٹم پر مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اگرچہ میرے ساتھ کچھ کتابیں تھیں اور ان میں سے بعض کتابیں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق مذہبی تھیں، لیکن کسٹم آفیسر صاحب نے ان کتابوں پر شک وشبہ کی نگاہ نہیں ڈالی، کیونکہ بعض کتابوں کے دیکھنے سے انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں بھی ایک سلفی العقیدہ یعنی غیر مقلد المحدیثؒ (سعودی) آدمی ہوں، اس لئے انہوں نے میری سختی سے تلاشی لینے کو ضروری نہ سمجھا، مجھے بھی سب سے زیادہ ڈر کتابوں ہی کا تھا، کیونکہ کتابوں کی تلاشی کے سلسلے میں گزشتہ سفر ۵۶ء میں جدہ کے ہوائی اڈے پر جس پریشانی کا سامنا ہوا تھا وہ مجھے خوب یاد تھی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں غیر مذہبی کتابوں کی تو خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے، لیکن مذہبی کتابوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ سعودی عرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں دوسری کتابوں کا تو یوں سمجھئے کہ کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا، لیکن مذہب اور خصوصاً عقائد سے متعلق کتابوں کو بڑے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اوقات جب کسٹم والے خود ان کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے، تو انہیں تحقیق کے لئے علماء کے پاس بھیج دیتے

ہیں۔ یعنی جب تک علماء انہیں ناقابلِ اعتراض قرار نہ دیں، انہیں ملک کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جاتا ہے[1]

محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں:۔

سعودیوں کی عبادات کی کیفیت

مغرب کی نماز ہم نے محلہ کی مسجد میں پڑھی مسجد نئی بنی ہوئی تھی اور سادگی کے ساتھ پختہ کشادہ اور خوبصورت ———— معلوم ہوا کہ سعودی حکومت نے خبر، دماغ، ظہران، راس التنورہ، ابقیق کی تمام بستیوں اور کمپنی کے ملازمین کے تمام کوارٹروں میں ایسی مسجدیں تعمیر کروائی ہیں اور ان کے مصارف بھی خود برداشت کر رہی ہے مسجدوں کا ذکر آیا ہے، تو قارئین کے لئے یہ بات غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ تمام عرب ممالک میں ہمارے ہاں کی طرح مسجدوں میں وضو وغیرہ کا انتظام نہیں ہوتا۔ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے وضو کر کے مسجد آتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تمام عرب ممالک میں لوگ جوتے پہنے پہنے مسجدوں میں بے دھڑک چلے آتے ہیں اور صرف نماز پڑھنے سے پیشتر چٹائی یا دری کے قریب جوتے اتار دیتے ہیں، بلکہ بعض تو اس وقت بھی جوتا نہیں اتارتے اور جوتوں سمیت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ چیز اگرچہ تمام عرب میں مشترک ہے، لیکن سعودی عرب خصوصاً نجد کے باشندے تو اس میں انتہائی غلو برتتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جائز ہے اور بکثرت موقعوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مسجد کے اندر جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن ایسا صرف ضرورت کے تحت ہی ہوا ہے۔ اگر مسجد کا فرش پختہ نہ ہو یا دھوپ سے گرم ہو رہا ہو تو جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہوا جا سکتا ہے اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے، لیکن پختہ فرش اور بہترین قسم کی چٹائیوں اور دریوں کی موجودگی میں بھی جوتے لے کر مسجد میں داخل ہونا اور جوتوں سمیت نماز پڑھنا خواہ مخواہ کی زیادتی اور

---

[1] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۵۶، ۵۵

ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں ہر حال میں مسجدوں کے اندر جوتے پہن کر جانے اور جوتوں سمیت نماز پڑھنے کو مسجد اور نماز کے احترام کے منافی خیال کیا جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی شخص میدان میں بھی جوتوں سمیت نماز پڑھ لے، تو اس پر سخت اعتراض کیا جاتا ہے، حالانکہ اعتدال کی راہ دونوں کے درمیان ہے۔

مسجد کے امام صاحب ایک نجدی نوجوان تھے جو ابھی ابھی ریاض کے کسی مدرسہ سے فارغ ہو کر آئے تھے وہ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو تکبیر تحریمہ سے پہلے جیب سے مسواک نکال کر منہ میں پھیرنے لگے اور پھر اسی طرح انہوں نے اسے جیب میں ڈال کر نماز شروع کی۔ نماز اتنی تیز پڑھائی کہ ہم لوگوں کے لئے ان کا ساتھ دینا بڑا مشکل تھا۔ قرآن اس طرح روکھے سوکھے بلکہ غلط طریقے پر پڑھا کر ہمیں نہ صرف اس کے سننے سے کوئی لطف نہیں آیا، بلکہ سخت کوفت ہوئی۔ مولانا کے بقول ہمارے دیہات کے ملا بھی ان سے اچھا قرآن پڑھتے اور سکون سے نماز پڑھاتے ہیں۔

ہمارے پاکستانی احباب نے بتایا کہ یہ امام صاحب تو پھر بھی قرآن مجید غنیمت پڑھتے ہیں ورنہ یہاں کی دوسری مسجدوں کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔ ایک طرف تو مصریوں شامیوں اور عراقیوں کی یہ "ترقی" ہے کہ وہ قرآن مجید کو بھی قوالوں کی طرح گا گا کر پڑھتے ہیں اور دوسری طرف نجدی حضرات کی یہ "خشکی" کہ ان کے بڑے بڑے علماء گویا قرآن مجید کو صحیح مخارج اور عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا بدعت سمجھتے ہیں۔ پھر نجدی حضرات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو کبھی سکون سے کھڑے نہیں ہوتے۔ کبھی اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگ جاتے ہیں اور کبھی انہیں یاد آتا ہے کہ ان کے کرتے کے بٹن بند نہیں ہیں یا ان کے سر کا رومال ٹیڑھا ہو گیا ہے اور وہ اسے ٹھیک کرنے لگتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو نماز کے دوران گھڑی پر وقت دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے، یہ سب باتیں اگرچہ ہمارے لئے نئی

نہیں تھیں اور پہلے بھی ان کا تجربہ تھا لیکن اس سفر میں کیونکہ پہلی مرتبہ ان کا مشاہدہ ہو رہا تھا، اس لئے ہمیں سخت کوفت ہو رہی تھی. مولانا تورات گئے تک بار بار ان کا ذکر کرتے رہے۔[1]

اسی موضوع پر ایک اور جگہ محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں.

۱۳ر نومبر کو ہم اپنے پروگرام کے مطابق ظہران گئے اور وہاں بھی گیارہ بجے ½۱۲ بجے تک سوالات وجوابات کا سلسلہ رہا. اس دن جمعہ تھا. جمعہ کی نماز ہم نے کوارٹروں کی ہی ایک مسجد میں پڑھی خطیب وامام ایک نجدی عالم تھے. خطبہ تو انہوں نے غنیمت دیا، لیکن نماز میں قرآن مجید کی قرأت صحیح نہ تھی. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجد میں قرآن مجید کی صحیح قرأت سکھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور یہ اعتماد کر لیا گیا ہے کہ جب یہ لوگ عرب ہیں تو قرآن آپ سے آپ صحیح پڑھیں گے۔[2]

آل شیخ نجدی کیلئے مراعات

سعودیوں کی دینی تعلیمات سے لاپرواہی اور شیخ نجدی کی آل کے لئے خصوصی مراعات کے سلسلے میں محمد عاصم لکھتے ہیں.

اس روز جمعہ تھا. نماز کے وقت سے کچھ پہلے استاذ عبدالحکیم عابدین اپنے ایک دوست شیخ عبداللہ المسری کے ساتھ تشریف لائے جو سعودی حکومت کی وزارت قانون کے سیکرٹری ہیں. ان کے ساتھ ہم یونیورسٹی کے قریب ایک مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے گئے. ایک نوجوان خطیب خطبہ دے رہا تھا. خطبہ کیا دے رہا تھا اس نے پہلے سے ایک خطبہ کاغذ پر لکھ رکھا تھا یا کہیں سے نقل کر لیا تھا اور اسی کو پڑھ رہا تھا. سنا ہے کہ ریاض میں بڑے بڑے علماء تک کا یہی حال ہے حتیٰ کہ مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم

---

[1] محمد عاصم — سفرنامہ ارض القرآن ص ۵۹ - ۷۰

[2] محمد عاصم — سفرنامہ ارض القرآن ص ۶۹ - ۶۸

بھی "مجموعہ خطب ایام الجمعۃ" نامی کتاب سے ایک خطبہ زبانی یاد کر کے سنا دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے بڑے دینی مناصب آل الشیخ (الشیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان) کے لئے مخصوص ہیں اور دوسرے لوگ صرف اسی صورت میں کسی دینی منصب پر مقرر کئے جاتے ہیں جب کہ آل شیخ میں کوئی آدمی موجود نہ ہو۔ حرم مکی کے خطیب اگرچہ شیخ عبدالمہیمن (مصری) ہیں لیکن وہ حرم کے خطیب اول نہیں ہیں بلکہ خطیب آل شیخ کے ایک فرزند شیخ عبدالعزیز بن حسن ہیں۔ جو ان دنوں وزارت تعلیم کے سیکرٹری تھے اور اب وزیر ہو گئے ہیں سارا سال ریاض میں رہتے ہیں البتہ کبھی کبھار مکہ معظمہ جا کر حرم میں خطبہ دے آتے ہیں۔[1]

نجدیوں کے پاکستانی غیر مقلدوں سے روابط

نجدیوں اور غیر مقلدوں کے روابط کے بارے میں محمد عاصم لکھتے ہیں:۔

امیر مساعد کا مکان بھی قدیم ریاض کی ایک گلی میں واقع ہے اور اس پر کوئی جھنڈا یا علامتی نشان بھی نہیں ہے اور نہ ڈیوڑھی پر پولیس کا پہرہ ہے (دو چار سپاہی اندر کہیں ہوں تو اور بات ہے) اس لئے شیخ کا ڈرائیور ان کا مکان نہ پہچان سکا اور ہم ایک دوسری گلی میں ایک دوسرے امیر کے ہاں پہنچ گئے۔ ہمیں تو خیر کچھ پتہ ہی نہ تھا لیکن شیخ عبدالعزیز اور استاذ عبدالحکیم عابدین کو وہاں پہنچتے ہی اندازہ ہو گیا کہ ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کے بعد استاذ عبدالحکیم عابدین نے ہمیں حقیقت حال سے مطلع کیا۔ اس کے بعد ہم امیر مساعد کے ہاں پہنچے، مگر وہ بھی موجود نہ تھے۔ پھر شیخ عبدالعزیز ہمیں اپنے مکان پر لے آئے جو قدیم ریاض ہی کی ایک گلی میں واقع ہے۔ وہاں ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کا حلقہ لگا ہوا تھا۔ مجلس نہایت سادہ اور

[1] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۹۹-۹۰

زمین پر قالین کے فرش کی تھی تمام حاضرین نے رسمی سلام و مصافحہ کے بعد اپنا اپنا تعارف کرایا اور اپنے پاکستانی سلفی بھائیوں کا حال دریافت کرنے لگے۔ نجدی علما اور ان کے متعلقین جب بھی کسی پاکستانی یا ہندوستانی مسلمان سے ملتے ہیں یہاں کے اہلحدیث حضرات کے متعلق ضرور سوال کرتے ہیں۔ ہم نے مجمل الفاظ میں انہیں پاکستان کے اہل حدیث حضرات کی خیریت کی اطلاع دی، اس کے بعد مولانا نے شیخ کی خدمت میں اپنی چار عربی کتابیں رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمانوں کا ماضی وحال اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں پیش کیں۔[1]

قدیم اور جدید طبقوں کی نظریاتی کشمکش

سعودی عربیہ میں رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی جنگ جاری ہے۔ ایک طبقہ علماء کا حامی ہے اور عشیرہ مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس موضوع پر محمد عاصم لکھتے ہیں:-

اسی رات ہمیں ایک اور صحبت میں عرب کی دو اہم شخصیتوں کے درمیان ایک دلچسپ اور گرما گرم بحث سننے کا اتفاق ہوا جس سے سعودی عرب کی اندرونی حالت کے متعلق ہماری معلومات میں بڑا اضافہ ہوا۔ ان میں سے ایک صاحب علماء کی تعریف اور مدافعت کر رہے تھے اور دوسرے صاحب کہہ رہے تھے کہ ان علما کی عام نوجوانوں کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علماء اسلام کے صحیح نمائندہ نہیں ہیں۔" دوسری طرف سے شیخ عبدالعزیز بن باز کا نام لیا گیا۔ فریق مخالف نے کہا وہ بلاشبہ جری، مخلص اور اپنی حد تک عالم ہیں، لیکن ان کا دائرہ معلومات نہایت تنگ ہے اور یہ سوائے چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل بیان کرنے کے موجودہ زمانے کے بڑے اور اہم مسائل کا اسلامی نقطۂ نظر سے حل پیش نہیں کر سکتے مانا کہ یہ تمام علماء

---

[1] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۹۲، ۹۳۔

بے ایمان نہیں، لیکن عاجز ضرور ہیں۔ پہلے صاحب کہہ رہے تھے کہ اصلاح بہرحال انہی علماء کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ ضرورت ان سے اچھے انداز میں کام لینے کی ہے"۔
دوسرے صاحب کہہ رہے تھے کہ "یہاں اصلاح نوجوانوں کے ذریعے ہوگی۔ اس وقت اسلام سے انحراف، بے دینی اور مغرب پرستی کی جو روح پھیلتی جارہی ہے، اس کا مقابلہ کرنا ان علماء کے بس کا روگ نہیں یہ علماء عوام کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور اس زمانہ کی دوسری مفید ایجادات کے استعمال سے روکتے ہیں، حالانکہ یہ تعلیم پھیلے گی اور اس وقت یہ علماء کچھ نہ کرسکیں گے اور سوا اس کے کہ ان کے خلاف عوام میں نفرت بڑھ جائے گی اور کچھ نہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ امراء کی عیاشیوں کو دیکھتے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے شیخ عبدالعزیز بڑی ہی جرات اور بے باکانہ انداز سے بادشاہ اور دوسرے امراء پر تنقید کرتے ہیں، لیکن بادشاہ اور بعض امراء تو بلاشبہ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں لیکن عام امراء اور اصحاب اقتدار خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی گرمی اور تنقید کا وزن کیا ہے۔ اس لیئے وہ ان کو خوش کرنے کے لیے بس چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کی باتوں کو مان لیتے ہیں۔

ان دونوں صاحبوں کی زبانی ہمیں یہ معلوم کر کے بڑی پریشانی ہوئی کہ یہاں کے امراء میں سے امیر عبداللہ بن عبدالرحمان اور ساعد بن عبدالرحمان کو چھوڑ کر قریب قریب سب ہی کے گھروں میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اس زمانہ کے کسی مغرب زدہ گھرانے میں ہوسکتا ہے ان لوگوں کے بیٹے اور بیٹیاں انگریزی اور فرنچ پڑھتی اور بولتی ہیں۔ گھروں میں عورتوں کے لباس اور وضع قطع پوری طرح مغربی ہیں۔ بعض تو اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں امریکہ ہی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان کی استانیاں اور نگران سب کی سب امریکی ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نئی پود جب بڑھے گی اور اقتدار کی باگیں اس کے ہاتھ میں آئیں گی،

تو ملک کا کیا حال ہوگا۔

۱۱ بجے کے قریب ہم ہوٹل واپس آئے اور بڑی دیر تک اس صورت حال پر افسوس کرتے رہے۔[1]

ریاض کی شان وشوکت

سعودی عربیہ کے دارالخلافہ ریاض کی شان و شوکت کے بارے میں محمد عاصم لکھتے ہیں۔

صبح ناشتہ کے بعد فکر ہوئی کہ ریاض میں جن حضرات سے ہمیں ملنا ہے ان سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ استاذ عبدالحکیم عابدین کے متعلق معلوم تھا کہ وہ ایک ہوٹل "زہرۃ الشرق" میں ٹھہرے ہیں۔ جبر کی ملاقات کے دوران میں انہوں نے ہمیں اپنے کمرے کا نمبر بھی دے دیا تھا۔ سوچا کہ پہلے ان سے ملا جائے اور پھر کوئی پروگرام طے کیا جائے۔ مولانا ہوٹل میں رہے۔ میں اور چودھری صاحب ٹیکسی لے کر زہرۃ الشرق گئے جو ریاض کا سب سے شاندار ہوٹل ہے اور اس کی سب سے شاندار سڑک شارع "المطار" (ہوائی اڈے کی سڑک) پر واقع ہے۔ اس کے تمام کمرے گرمی اور سردی دونوں موسموں میں ایئر کنڈیشنڈ ہیں اور اس میں ایک دن قیام کا کرایہ ساٹھ ریال (اسی روپیہ) فی کس ہے۔ شان وشوکت اور خوبصورتی کے لحاظ سے اس کے پایہ کا ہوٹل کم از کم میرے اندازے کے مطابق نہ پاکستان میں اور نہ مصر، شام اور عراق میں ہے۔ شارع المطار کی خوبصورتی اور شان وشوکت کے بھی کیا کہنے۔ ہمارے ہاں کراچی لاہور کی کوئی سڑک بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے دونوں کناروں پر زراعت، مالیات، تعلیم، مواصلات اور دوسری وزارتوں کے جدا جدا شاندار دفاتر واقع ہیں، جن میں سے ہر ایک کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف آیا ہے۔ یہ سب جدید ترین مغربی طرز پر بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک کا طرز تعمیر نرالا ہے۔ گزشتہ چار سال کے اندر سعودی حکومت

---

[1] محمد عاصم — سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۲۳-۱۲۴

تمام وزارتوں کے دفاتر ریاض منتقل ہو گئے ہیں۔ صرف وزارتِ خارجہ اور وزارت داخلہ ابھی تک علی الترتیب جدہ اور مکہ معظمہ میں ہیں اور شاید آئندہ کئی سال تک وہیں رہیں:۔

استاذ عبدالحکیم عابدین کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسرے ہوٹل "فندق الیمامہ" میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ ہوٹل بھی قریب ہی شارع المطار پر واقع ہے اور اپنی شان و شوکت اور انتظامات میں "زہرۃ الشرق" سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ وہاں استاذ موصوف مل گئے انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ ہم ایک معمولی ہوٹل میں ٹھہر گئے ہیں تو انہوں نے چاہا کہ ہمیں شاہی مہمان بنوانے کی کوشش کریں۔ لیکن خواہ مخواہ کوشش کر کے مہمان بننا ہمیں پسند نہ تھا۔ استاذ عابدین کو ساتھ لے کر ہم مولانا کے پاس "فندق اسلام" آئے اور یہاں یہی طے ہوا کہ جتنے دن بھی ریاض میں ٹھہرنا ہوا ہم اسی ہوٹل میں ٹھہرے رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ ریاض میں یا تو اسی طرح کے چند معمولی ہوٹل ہیں یا پھر "زہرۃ الشرق" اور "الیمامہ" جیسے دو شاندار ہوٹل ہیں، جن میں ٹھہرنا ہماری بساط سے باہر تھا۔[1]

سعودی کھانے

سعودی عربیوں میں کس قسم کے کھانے کھائے جاتے ہیں یہ محمد عاصم صاحب سے سنیئے۔

راس التنورہ پہنچے تو پاکستان اور ہندوستان کے ملازمین کمپنی کے کوارٹروں میں ایک جگہ ڈیڑھ دو سو کے قریب پڑھے لکھے نوجوان جمع تھے اور مولانا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سلام اور تعارف کے بعد ان کے اور مولانا کے درمیان سوالات اور جوابات کا سلسلہ شروع ہوا جو ½ ۱۰ سے ½ ۱۲ تک جاری رہا۔ تمام سوالات سنجیدہ اور علمی انداز کے تھے۔ مولانا بھی موڈ میں نظر آ رہے تھے ہر سوال کا جواب نہایت اطمینان اور تفصیل کے ساتھ دے رہے تھے۔ زیادہ طرح سوالات، سود، آسٹریلیا

سے درآمد شدہ ڈبوں سے گوشت، زکوٰۃ، ضبط ولادت اور کرنسی کے متعلق تھے۔ یوں تو ان کے سارے ہی سوالات حقیقی ضروریات اور مشکلات کے تحت تھے لیکن جس مسئلہ نے ان کو سب سے زیادہ پریشان کر رکھا تھا وہ تھا گوشت کا مسئلہ۔ کمپنی کے عرب ملازمین آسٹریلیا وغیرہ سے درآمد شدہ ڈبوں کا گوشت بے تکلف کھاتے ہیں اور اس میں کسی طرح کی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ غضب یہ ہے کہ کمپنی کی کنٹین میں سور کے گوشت کے جو ڈبے فروخت ہوتے ہیں وہ دوسرے گوشت کے ڈبوں کے ساتھ ملا کر رکھے ہوتے ہیں اور ان پر صرف انگریزی میں (PORK) لکھا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو خیر جانتے بوجھتے یہ ڈبہ خریدتے ہیں، لیکن اکثر یا تو انگریزی نہیں جانتے یا جانتے ہیں مگر (PORK) کا مطلب نہیں سمجھتے اس لئے وہ غلطی سے یہ ڈبہ خرید کر کھا لیتے ہیں۔ آسٹریلیا سے برآمد شدہ یہ گوشت چونکہ مقامی گوشت کے مقابلہ میں بہت سستا ہوتا ہے اور صاف ستھرا بھی اس لئے اس کی خوب فروخت ہوتی ہے۔ مولانا نے ان لوگوں کو اصل مسئلہ سمجھایا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر موقع ملا تو ریاض کے علماء کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے۔

عربی کھانوں ہی کے سلسلے میں محمد عاصم شاہ سعود کی دی ہوئی ایک ضیافت کا حال لکھتے ہیں:۔

مغرب کے بعد انہوں نے ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ مغرب کے بعد دارالامارۃ پہنچے، تو امیر خود تو موجود نہ تھے انہوں نے کھانے میں شرکت سے اپنی خرابی صحت کی بنا پر معذرت کر دی۔ ان کے بڑے صاحبزادے امیر عبدالعزیز ان کی نیابت کے لئے موجود تھے اور انہی نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے پر ہمارے علاوہ بہت سے شیوخ موجود تھے وزیر اعظم قطر کا بڑا لڑکا اور امریکن بھی شریک تھے۔ کھانا بالکل مغربی طرز کا تھا اور مغربی طرز پر ہی چھری اور کانٹے سے کھایا گیا۔ شاہ سعود اور

دوسرے امرار کی جو دعوتیں صرف عربوں کے لئے ہوتی ہیں وہ غالباً اب بھی مغربی طرز پر ہوتی ہیں۔ اس دعوت پر میرے اور اختر صاحب کے ساتھ ایک عجیب لطیفہ پیش آیا جو شاید دوسروں کے لئے تو لطیفہ ہو لیکن ہمارے لئے ندامت کا باعث تھا اور وہ یہ کہ سروس کرنے والے خادم باری باری تمام مہمانوں کے سامنے کھانے کی ڈش پیش کر رہے تھے۔ دوسری مرتبہ وہ مرغی کے گوشت کی ڈش لائے۔ مولانا سمجھ گئے اور انہوں نے یہ گوشت نہ اٹھایا لیکن میں اور راؤ صاحب سمجھ نہ سکے اور ہم نے وہ گوشت لے کر کھالیا۔ سروس کرنے والے خادم ہندوستانی تھے انہوں نے ہمیں بعد میں بتایا کہ یہ ڈبہ کی مرغی تھی۔ ہمیں سخت افسوس ہوا یاد نہیں کہ چودھری صاحب بھی محفوظ رہے یا وہ بھی ملوث ہو گئے ہے[1]

سعودی کھانوں کی ایک اور دلچسپ روایت سنیئے۔

ظہر کے بعد مفتی اکبر کے ہاں ہمارے کھانے کی دعوت تھی۔ تین بجے کے قریب ہم ان کے ہاں پہنچے۔ مفتی صاحب نے دعوت کا خاص اہتمام کیا تھا۔۔۔ الی ان قال ۔۔۔ استاذ عبد الحکیم نے بکرے کی سری سے آنکھ نکالی اور مولانا سے پوچھنے لگے کہ کیا آپ اسے کھانا پسند فرمائیں گے؟ مولانا نے جھرجھری لی اور یہ تحفہ لینے سے معذوری ظاہر کی۔ معلوم ہوا کہ عربوں کے ہاں آنکھ کو بڑا ہی مزے دار تصور کیا جاتا ہے اور اسے بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ ہمارے لئے یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی[2]

سعودی عربیہ میں لونڈی غلاموں کی فروخت

عصر کے بعد ہندوستان کے چند طلبا نے جو ریاض کے کلیۃ الشرعیۃ یا اس کے معہد میں پڑھتے ہیں۔ ہمیں اپنے

---

[1] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۷۵-۷۴

[2] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۲۶-۱۲۵

ہاں چائے پر بلایا اس وقت سخت بارش ہو رہی تھی، لیکن یہ حضرات ہمیں لینے کے لئے بروقت پہنچ گئے۔ ہمیں قدیم ریاض کی ایک گلی میں جانا تھا۔ بارش میں تمام گلیوں کا برا حال تھا اور پرنالوں سے پانی گزرنے والوں کے سروں پر گر رہا تھا۔ بڑی مشکل سے ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے، نہایت خستہ اور تنگ و تاریک قسم کا مکان تھا۔ معلوم ہوا کہ کلیۃ الشریعۃ کے طلباء کے لئے قیام کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ اپنے طور پر طالب علم جہاں چاہے انتظام کر سکتا ہے۔ ریاض کے بہت سے لوگوں نے نئے محلوں میں پختہ مکان بنا لئے ہیں اور اپنے پرانے کچے مکان وقف کر دیئے ہیں۔ عموماً طلبہ کا قیام انہی مکانوں میں ہوتا ہے۔ وہاں طلبہ کے علاوہ شیخ عبدالرزاق عفیفی سے بھی ہماری ملاقات ہوئی۔ ان سے تسری ——— یعنی لونڈیوں ——— کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ سعودی عرب میں اس زمانہ میں بھی غلاموں اور لونڈیوں کا رواج ہے۔ شیخ عفیفی نے بتایا کہ یہاں جو غلام اور لونڈیاں آتی ہیں وہ یا تو مسقط اور عمان کی طرف سے آتی ہیں یا لبنان کی طرف سے ان کے جواز کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ لونڈی ——— یا غلام ——— خود یہ کہتی ہے کہ میں "لونڈی ہوں اور میرے آباؤ اجداد قدیم زمانہ سے غلام چلے آتے ہیں" اس کے صرف اس بیان پر اسے خرید لیا جاتا ہے اور اس کے لانے والے سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ وہ اسے کیسے لایا؟ وہ اسے لالچ دے کر بھی لا سکتا ہے۔ ڈرا کر بھی لا سکتا ہے اور اس کے ماں باپ سے خرید کر بھی لا سکتا ہے۔ ہاں اگر لونڈی یا غلام کہدے کہ مجھے زبردستی لونڈی یا غلام بنایا گیا ہے تو اسے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آخر وہ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہے؟ آزاد ہو کر وہ تنہا جائے گی کہاں؟ اس پر شیخ عفیفی خاموش ہو گئے انہوں نے پھر بتایا کہ لونڈیوں کے جواز پر بعض لوگ فقہاء کی کتابوں سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ کافر کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ کافر خود بھی اپنے

آپ کو فروخت کرسکتا ہے اور اپنے بیٹے یا بیٹی کو بھی فروخت کرسکتا ہے۔ لہذا اسے یا اس کے بیٹے یا بیٹی کو خرید اجاسکتا ہے گویا فی عنق الفقیہ تخرج سالما (الاملاء بر ملا) والا معاملہ ہے۔ ۱ ؎

نوٹ:۔ محمد صدیق قریشی نے فیصل نامی کتاب میں لکھا ہے کہ سعودیہ میں اب یہ لعنت ختم ہو چکی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں!

شاہ سعود کے دورِ حکومت میں امیر فیصل کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ان کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے غلامی کو غیر قانونی قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔ یہ فرمان چھ نومبر ۱۹۶۲ء کو جاری کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق تیس ہزار غلام آزاد کئے گئے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو نیو یارک ٹائمز نے انکشاف کہ حکومت نے ان کے مالکوں کو بائیس لاکھ ڈالر ادا کئے۔ (فیصل ۵۵ ملخصاً) تاہم شاہی محلات کی کنیزوں کی فوج ظفر موج اس حکم سے اب تک مستثنیٰ ہے۔ (قادری)

سعودی ثقافت

سعودی ثقافت کے بارے میں محمد عاصم لکھتے ہیں!

ظہران میں ٹیلیویژن کے دو مرکز ہیں۔ ایک آرامکو کے ہیڈ کوارٹر میں اور دوسرا ایئر پورٹ پر۔ ایئر پورٹ کے پروگرام صرف انگریزی میں ہوتے ہیں اور آرامکو کے انگریزی اور عربی دونوں میں۔ یہ پروگرام صرف علمی اور معلوماتی ہی نہیں ہوتے بلکہ ان میں ہر طرح کے پروگرام شامل ہوتے ہیں۔ عرب نوجوانوں پر جن کے پاس پیسہ وافر ہے اور وقت بھی فالتو ہے اور ان پر اخلاقی لحاظ سے بھی کوئی پابندی نہیں ہے ان پروگراموں کا جو اثر ہوتا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والے سینما پر تو پابندی لگا سکتے ہیں، لیکن ٹیلی وژن سے

۱ ؎ محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ۱۲۶ - ۱۲۷

عرب نوجوانوں میں جو مغربی تہذیب کی تقلید کے برے اثرات پھیلتے ہیں ان کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے۔[1]

سعودیہ میں عام سیر کی اجازت نہیں

سعودی عربیہ میں آزادانہ طور پر کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے، اس موضوع پر محمد عاصم لکھتے ہیں:-

اس کے بعد میں اور چودھری صاحب وزارت داخلیہ گئے جس کا دفتر ریاض کی بجائے مکہ معظمہ میں ہے، اس کے مدیر سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہمیں بتایا کہ امیر مساعد کے نام پر ہم نے مدیر الامن العام (انسپکٹر جنرل پولیس) کو ہدایات بھیج دی ہیں آپ لوگ ان سے ملیئے مدیر الامن العام کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے تمام مقامات پر آپ لوگوں کو التسہیلات والارشادات اللازمہ (ضروری ہدایات اور آسانیاں) بہم پہنچانے کے لئے تار روانہ کر دیئے ہیں اس لئے اب آپ لوگ پورے ملک میں جہاں چاہیں پھر سکتے ہیں کہیں کوئی دقت پیش آئے تو پولیس والوں سے مدد لیجئے ______ یہ سب آسانیاں امیر مساعد کے تار کی وجہ سے حاصل ہوئیں ورنہ محض پاسپورٹ پر ایک اجنبی مسافر کے لئے سوائے ان مقامات کے جن کی تصریح اس کے پاسپورٹ پر کر دی گئی ہو سعودی مملکت کے اندر گھومنا ممکن نہیں۔ جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں انہیں صرف مکہ معظمہ، جدہ اور مدینہ منورہ میں گھومنے پھرنے کی اجازت ہوتی ہے۔[2]

ترکوں کی خدمات

ترکوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں!

---

[1] محمد عاصم سفر نامہ ارض القرآن ص ۷۰-۷۵

[2] " " " " ص ۱۵۱-۱۵۰

ہم پہلے منیٰ گئے، وہاں مسجد محصب اور مسجد الکبش اور بعض دوسری مساجد باہر ہی سے دیکھیں۔ مسجد محصب منیٰ کے راستہ میں ہے اور لوگوں کے کہنے کے مطابق اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ مسجد الکبش منیٰ کے اندر ہے اور یہ اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ مینڈھا ذبح کیا تھا یہ سب مسجدیں ترکی عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ نجدی حضرات کے برعکس ترک اور اشراف مکہ بہت خوش عقیدہ واقع ہوئے تھے اس لئے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مسجد بنا ڈالتے تھے جن کے متعلق انہیں یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ یہاں فلاں واقعہ پیش آیا ہوگا اس لئے جن علماء نے مکہ معظمہ کے آثار کی تحقیق کی ہے وہ گھروں اور مسجد میں دار ارقم کی نسبت کو تو بڑی حد تک صحیح مانتے ہیں لیکن دوسرے آثار کی نسبت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔[1]

ترکوں پر مظالم

ترکوں کے ساتھ سعودی عربیہ کے حکام کا جو ظالمانہ رویّہ ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں!

رات کو عشاء کے بعد ترک حضرات نے ایک جگہ ہماری دعوت کا اہتمام کیا، جس میں ان کے اکثر بزرگ اور علماء موجود تھے اس بہانے ہمیں ان کے ساتھ اطمینان سے مل بیٹھنے اور ان کے حالات سننے کا موقع ملا۔ یہ بیچارے بڑی تکلیف اور کسمپرسی کی حالت میں ہیں، ان کی سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ اگرچہ انہیں سعودی عرب میں رہتے ہوئے ایک مدت گزر گئی ہے، مگر ابھی تک انہیں تابید (مستقل شہریت) نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے انہیں آئے دن دفتروں اور تھانوں کا چکر لگانا پڑتا ہے اور ہر سال اپنی مدت اقامت بڑھوانے کے لئے چالیس بیالیس

---

[1] محمد عاصم سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۶۳

ریال فی کس ادا کرنے پڑتے ہیں جب تک تابید نہ ہو۔ وہ عرب میں کسی جگہ شادی نہیں کر سکتے، بلکہ اگر ان کا کوئی آدمی مر جائے، تو عام قبرستان میں دفنانے میں بھی بڑی رکاوٹیں اور دقتیں پیش آتی ہیں۔ چینی ترکستان کے مہاجرین کو اس بات پر بھی مجبور کیا گیا کہ وہ چینی سفیر سے پاسپورٹ لیں اور پھر یہاں ویزا لے کر جب تک ویزا کی توسیع ہوتی رہے مقیم رہیں۔ مسلمان حکومتوں کے لئے مغربی تصور قومیت کی یہ تقلید اسلامی تصورات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اگر یہ لوگ کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان ملکوں میں پناہ نہ ڈھونڈیں تو اور کہاں ڈھونڈیں۔ اور مسلمان ملک بھی انہیں پناہ نہ دیں تو پھر ایمان کا رشتہ اخوت کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ترکستانی مہاجر درحقیقت اس زمانہ کے تمام مہاجرین سے زیادہ ہمدردی اور ہر قسم کی امداد کے مستحق ہیں اور لوگوں کی ہجرت میں تو کوئی اور جذبہ بھی کارفرما ہو سکتا ہے، لیکن ان کی ہجرت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں اسلام ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا اور کمیونسٹوں کے غلبہ کے بعد وہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے چونکہ وہ اپنے دین کو محفوظ نہ رکھ سکتے تھے اس لئے انہیں وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ ایسے حالات میں انہیں سب سے بڑھ کر مسلمان ملکوں میں امان ملنا چاہیئے تھی۔[1]

سعودیہ کا آثار و مشاہد کو مٹانا

حکومت سعودی نے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار اور بزرگوں کے مقابر اور دینی مشاہد کو مٹایا ہے اس پر ہر طبقہ کے مسلمانوں نے افسوس اور رنج کا اظہار کیا ہے۔ محمد عاصم صاحب اور مولانا مودودی اگرچہ عقیدۃً سعودیہ کے ہم مشرب ہیں، لیکن ہم آثار صحابہ کے ساتھ سعودیہ کا یہ ظلم و ستم انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] محمد عاصم   سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۰۳-۱۰۲

دارالارقم

مکہ معظمہ میں جتنے دوسرے آثار اور مساجد ہیں، ان کی نسبت تاریخی لحاظ سے بہرحال یقینی نہیں ہیں، لیکن دارالارقم کی نسبت تاریخی لحاظ سے تقریباً یقینی اور قطعی تھی۔ یہ جس جگہ پر آج سے چند سال پہلے قائم تھا۔ تمام مسلمان بادشاہوں اور امرار نے اس کی اس لحاظ سے ہمیشہ حفاظت کی کہ یہ جس جگہ دارالارقم قائم تھا۔ ہر دور میں اس جگہ قرآن وحدیث کی تعلیم کا کوئی نہ کوئی سلسلہ جاری رہا۔ عمارتیں اگرچہ گرتی اور پھر سے بنتی رہی ہوں گی، لیکن بہرحال جگہ وہی رہی۔ آخری عمارت جسے ہم نے ۹۴۹ء میں خود دیکھا ہے غالباً نویں صدی ہجری کی بنی ہوئی تھی، اس کے دروازے پر بھی دارالارقم لکھا ہوا تھا اور اس کے اندر بھی بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے، جن میں سے ایک پر یہ عبارت کندہ تھی:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فی بیوت اذن اللہ ان یرفع ویذکر فیہا اسمہٗ

یسبح لہٗ فی الغدو والاصال ——— ہکذا مستختباً

رسول اللہ ودار الخیزران وفیہا مبدا الاسلام

دوسرے پتھر پر عمارت کے بانی کی حیثیت سے ابوجعفر محمد بن علی بن ابی منصور الاصفہانی وزیر الشام والموصل کا نام کندہ تھا۔ ہمارے پہلے سفر کے زمانہ میں شیخ ابوالسمح، عبدالزاہد مرحوم (موجودہ خطیب حرم کے بڑے بھائی) کا درس قرآن وحدیث ہوا کرتا تھا، مگر اب وہاں کیا دیکھتے، افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال (یعنی ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب پر عمل کرنے والے لوگ جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ایسے مقامات پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے استجابت کی توقع پہ دعا کرتے ہیں؟

انہیں افعال کو وہابیہ مشرکانہ افعال قرار دیتے ہیں۔ قادری ہم کو روکنا بالکل برحق مگر اسلام کے نہایت قیمتی آثار تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔[1]

المعلی کا قبرستان

کچھ اور آگے بڑھیں تو بائیں ہاتھ کو مکہ معظمہ کا قبرستان جسے المعلی یا المعلات کہا جاتا ہے آگیا۔ المعلی جاہلیت کے زمانہ سے آج تک اہل مکہ کا قبرستان ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب، چچا ابو طالب، اہلیہ مکرمہ حضرت خدیجہ اور دوسرے تمام اعزہ یہیں دفن ہوئے ہوں گے اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد کے صلحا، فقہا، محدثین کی قبریں بھی یہیں ہوں گیں، لیکن ان کی جگہوں کا تعین قطعی ناممکن ہے۔ نجدیوں کی حجاز میں آمد سے پہلے یہاں بہت سی پختہ قبروں پر بڑے شاندار قبے بنے ہوئے تھے جو اکابر صحابہ کی طرف منسوب کیے جاتے تھے اور لوگ ان پر طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ نجدیوں نے آکر ان تمام قبوں کو گرادیا اور پختہ قبروں کو مسمار کر دیا اب یہاں کوئی پختہ قبر نہیں ہے اب بھی بعض قبروں کو بعض صحابہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن اس نسبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس قبرستان میں ایک جگہ پر حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب اور چچا ابو طالب کی قبروں کی نشاندہی کی جاتی تھی، لیکن سعودی حکومت نے ان قبروں کو بھی مسمار کر کے ان کے آگے پختہ دیوار بنادی ہے تاکہ کوئی شخص اس دیوار سے آگے نہ بڑھ سکے۔[2]

بیعت عقبہ

منیٰ کے وسط میں مسجد الخیف ہے اور یہ اس جگہ واقع ہے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور صحابہ کرام کے ساتھ پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ جمرہ اولیٰ اور ثانیہ

---

[1] محمد عاصم — سفر بہار ارض القرآن ص ۱۵۳-۱۵۲

[2] محمد عاصم — سفر بہار ارض القرآن ص ۱۰۶

کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جسے مسجد المنحر کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے اونٹ یہاں ذبح فرمائے تھے، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جمرۂ عقبہ (جمرۂ کبریٰ) سے کچھ پہلے ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے جسے مسجد العشرہ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے سال مدینہ کے جن آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ یہاں جمع ہوئے تھے۔ جمرہ کے ساتھ ہی ایک اونچی سی جگہ تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں دوسرے سال مدینہ منورہ کے بہتر آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جو تاریخ کی کتابوں میں بیعت عقبہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی لئے اس جمرہ کا نام بھی جمرہ عقبہ رکھا گیا ہے، مگر یہ جگہ بھی اب نئی سڑک کے نیچے آگئی ہے، حالانکہ بیعت عقبہ جیسے اہم واقعہ کی تاریخی یادگار کو ذرا سی توجہ سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔[1]

مسجد ابن عباس مسجد ابن عباس کے محل وقوع کو دیکھتے ہوئے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد اس جگہ بنی ہوئی ہے، جہاں محاصرہ طائف کے موقع پر مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا اور جنگ ہوئی تھی اس کے بالکل سامنے جنوب مغرب میں ان صحابہ کرام کی قبریں ہیں جو غزوہ طائف میں شہید ہوئے۔ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ پہلے ان قبروں پر تختے بھی لگے ہوئے تھے، لیکن اب یہ تختے ہٹا دیئے گئے ہیں۔[2]

حنین سیل کبیر پہنچ کر ہم نے عمرہ کا احرام باندھا اور کچھ دیر وہاں رک کر آگے روانہ ہوئے۔ طائف جاتے ہوئے ہمارا ڈرائیور بالکل جاہل تھا اس لیے وہ راستہ کی کوئی چیز ہمیں نہ بتا سکا۔ آتے ہوئے جو ڈرائیور ملا وہ قدرے

محمد عاصم [1] سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۵۹-۱۶۰

محمد عاصم [2] سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۶۱-

پڑھا لکھا تھا۔ زیمہ اور شرائع کے درمیان سڑک کی دائیں طرف ایک کھلے میدان کے متعلق اس نے ہمیں بتایا کہ غزوہ حنین یہاں واقع ہوا تھا۔ ہم نے موٹر سے اتر کر متعدد تصویریں لیں، افسوس یہاں بھی کوئی علامت موجود نہیں۔[1]

البقیع

اسی روز عصر اور مغرب کے درمیان ہم مدینہ منورہ کے قبرستان البقیع کی زیارت کے لئے گئے جو مسجد نبوی سے مشرق کی سمت واقع ہے اور معمولی رفتار سے زیادہ پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ پہلے بقیع جانے والے کو بہت سی گلیوں سے گزرنا پڑتا تھا، مگر اب حکومت نے مسجد نبوی اور بقیع کے درمیان کھلی اور پختہ سڑک بنا دی ہے جس سے بقیع آنا جانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ یہ قبرستان بھی جاہلیت کے زمانے سے اہلِ مدینہ کا قبرستان چلا آرہا ہے۔ ترکوں کے دور میں یہاں بھی بہت سی پختہ قبریں اور ان پر خوبصورت قبے بنے ہوئے تھے، مگر نجدی حضرات نے شریف حسین کو شکست دے کر جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو یہاں کے اکثر قبے گرا دیئے اور قبریں توڑ دیں، لیکن بہر حال مکہ معظمہ کے المعلات کی بہ نسبت یہاں پختہ قبروں کی تعداد اب بھی زیادہ ہے اور اس میں راستوں کا عمدہ انتظام ہے۔[2]

انہدام مشاہد و مآثر پر اہلِ عرب کے تاثرات

اگلے دن (۱۴ دسمبر) صبح کے وقت میں اور چوہدری صاحب مدینہ منورہ کے گورنر (امیر المدینہ) کے دفتر گئے۔ مدینہ کے گورنر ضابطہ کے لحاظ سے شاہی خاندان کے ایک شہزادہ ہیں لیکن وہ عملاً سارا سال نجد میں رہتے ہیں، ان کے وکیل (سیکرٹری) عبد اللہ اسدحیری ان کی جگہ تمام فرائض انجام دیتے ہیں، اس لئے عموماً انہی کو امیر المدینہ کہا جاتا ہے۔ اسدحیری نجد کا ایک بارسوخ خاندان ہے سعودی خاندان

---

[1] محمد عاصم — سفرنامہ ارض القرآن ص ۱۲۵-۱۲۴

[2] 〃 〃 〃 〃 ص ۲۳۷-۲۳۶

کی اس سے رشتہ داریاں بھی ہیں، اس لئے اس کے بہت سے افراد کئی جگہوں مثلاً تبوک، العلا اور حائل کے امیر یا وکیل الامیر ہیں، مدینہ میں جس عمارت میں امیر کا دفتر ہے، نہایت خستہ اور پرانے طرز کی عمارت ہے اس کی اب تک قسمت نہ جاگنے پر ہمیں تعجب ہوا امیر عبداللہ سدیری سے ہماری ملاقات نہ ہوسکی، ان کے وکیل جوان کے بڑے صاحبزادے ہیں ان سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مغرب کے بعد مولانا کو اپنے والد کے ہاں آنے کی دعوت دی، مغرب کے بعد ہم ان کے ہاں گئے، نہایت سادہ لیکن باخبر قسم کے آدمی معلوم ہوئے۔ اسلامی آثار کی حفاظت سے غفلت پر افسوس ظاہر کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ والے جس طرح اپنے آثار کی حفاظت کرتے ہیں، اس پر رشک کرتے رہے[1]

صحابہ کرام کی قبروں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک قبروں پر حاضر ہونا پھول چڑھانا یہ سب کچھ تو شاہ سعود کی حکومت کے نزدیک بدعت تھے لیکن کیا کافروں کی قبر پر حاضری دینا اور پھولوں کی چادر چڑھانا یہ ان کے نزدیک بدعت تھا یا عین کار ثواب تھا ہم نہیں کہتے روزنامہ کوہستان سے سنیئے۔

سعودی عرب کے وزیر دفاع امیر فہد بن سعود (موجودہ ولی عہد) نے جو شاہ سعود کے ہمراہ امریکہ آئے ہیں کل امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی قیام گاہ کی سیر کی بارش کے باوجود انہوں نے پائیں باغ کی سیر کی اور جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے[2]

یہ تو ایک شہزادے کا عمل تھا اب خود بادشاہ کا کتاب و سنت پر عمل ملاحظہ فرمائیں۔

نوائے وقت لکھتا ہے:۔

واشنگٹن یکم فروری آج صبح شاہ سعود پوٹومک دریا عبور کر کے ارلنگٹن قبرستان

---

[1] محمد عاصم سفر نامہ ارض القرآن ص ۲۱۸-۲۱۷

[2] بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۴۱) روزنامہ کوہستان لاہور ۲۱ فروری ۱۹۵۷ء

گئے اور گمنام سپاہی کی قبر پر پھول چڑھائے۔[۱]

اس کے علاوہ ایک اور نقطہ نظر سے دیکھئے۔ اسلامی مقابر، ماثر اور مشاہد کے ساتھ شاہ سعود کے مظالم کی داستان آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ کس طرح ان کی حکومت نے المعلی اور البقیع کے قبرستان ویران کئے۔ صحابہ کرام اور حضور کے اعزہ کے نشانات تک مٹا دیئے گئے۔ اسلامی آثار اور مشاہد کو پیوند زمین کر دیا گیا، کیونکہ اگر یہ سب کچھ نہ کیا جاتا، تو شاہ سعود کے نزدیک توحید مجروح ہو جاتی اور رسالت کا پیغام مرجھا جاتا۔ آیئے ہم آپ کو اسلامی ماثر و مشاہد کی ویرانی کے مقابلہ میں شاہ سعود کے محلات کی سدا بہار بساط عشرت و نشاط دکھلائیں۔ دیکھئے صحابہ کرام اور اعزہ رسول کے ماثر کو ویران کرنے والا یہ بادشاہ اپنے محلات کو بیگمات اور کنیزوں کے غول سے کس طرح شاداب رکھتا ہے، شاید اس کے نزدیک اس کے اس کسروانہ کردار سے نہ توحید کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں اور نہ پیغام رسالت میں کوئی فرق آتا ہے۔

شاہ سعود کی حیرت خیز عیاشیاں

شاہ سعود کا دورۂ امریکہ

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:۔

امریکہ کی صنعت موٹر سازی کے مرکز کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ وہاں سعودی عرب کے حکمران شاہ سعود کے لئے خاص قسم کی ساٹھ کیڈلاک کاریں تیار کی جا رہی ہیں، ان کی مجموعی لاگت دس لاکھ ڈالر ہوگی۔

شاہ سعود جب واشنگٹن پہنچے تھے، تو صدر آئزن ہاور نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اسلام کے مقدس مقامات کے کسٹوڈین کی حیثیت سے امریکی عوام کے سامنے پیش کیا تھا۔ اب امریکی عوام بجا طور پر کہتے ہوں گے کہ مسلمانوں کے عیش و عشرت

---

[۱] بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۳۱)　　روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۱۹۵۷ء

کے جو افسانے تاریخوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں، کیونکہ بیسویں صدی کا ایک "مسلمان" حکمران اب بھی اتنا مسرف اور فضول خرچ ہے کہ وہ ہر سال ایک نیا محل تعمیر کرواتا ہے اور ہر سال لاکھوں ڈالر کاروں پر صرف کرتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ کے محلات کی تعداد بیالیس ۴۲ تک پہنچ گئی ہے۔ گراں قدر تحفے تحائف دینے میں وہ پچھلے بادشاہوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

امریکہ کے مشہور میگزین "ٹائم" نے امریکی عوام سے شاہ کا جس انداز سے تعارف کرایا ہے، اس سے شاہ سعود کی شخصیت کے ساتھ اسلام اور قرآن کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔ مثلاً "ٹائم" کہتا ہے کہ سعودی عرب میں غلامی اس لئے جائز ہے کہ اسلام اس کو جائز قرار دیتا ہے، حرم عورتوں سے اس لئے بھرے ہوئے ہیں کہ اسلام اس عیاشی اور ہوسناکی پر اعتراض نہیں کرتا۔ وہاں جمہوریت کنسٹیٹیوشن اور اسمبلی اس لئے نہیں ہے کہ اسلام ان امور کے بارے میں خاموش ہے۔

ہمارے نزدیک یہ باتیں گمراہ کن ہیں۔ سعودی عرب کا نظام حکومت شخصی اور جابرانہ ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اسلام کے نزدیک، مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ گزر بسر سے زیادہ سرکاری خزانے پر بار ڈالیں اس بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل اسلام کے عین مطابق تھا۔

آج شاہ سعود جس ملک پر حکومت کر رہے ہیں، وہاں اسلام کے عہد اول میں مسلمان ایسے خوشحال تھے کہ لوگ زکوٰۃ، صدقے اور خیرات کی رقوم اور اشیاء لئے پھرتے تھے، لیکن انہیں قبول کرنے والا کوئی نہ ملتا تھا، لیکن آج اس سرزمین کی تین چوتھائی آبادی زندگی کی ہر مسرت سے محروم ہے، اس کے برعکس شاہی خاندان، شیوخ اور سعودی حکام ایسی کاروں میں پھرتے ہیں جو صدر امریکہ کو بھی نصیب نہیں۔ اور ایسے محلوں میں رہتے ہیں جن میں رہنے کا تصور اس زمانہ کا کوئی حکمران بھی نہیں کر سکتا۔ قاہرہ، اسکندریہ کے مضافات

لبنان کے خوبصورت علاقوں میں سعودی عرب کے شہزادوں کے محلات نہ صرف اپنے حسن وجمال، بلکہ عیش وعشرت کے لوازمات سے بھی بے نظیر ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی نظام حکومت میں تو ایک حکمران کی اقتصادی حیثیت ایک عام مسلمان سے کسی طرح بلند نہیں ہوتی، اس کے باوجود امریکہ میں شاہ سعود کا جس انداز سے تعارف ہوا ہے اور جن شاہانہ اداؤں کا وہ مظاہرہ کر رہے ہیں، اسے اسلام کی نمائندگی سے تعبیر کرنا ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ امر ہے۔[۱]

شاہ سعود نے بیسویں صدی کے دور میں صدیوں پرانی شاہی عیاشیوں کی تاریخ کو زندہ کردیا تھا۔ ان کے حرم میں قانونی اور غیر قانونی بیویوں کی ایک بڑی تعداد اور کنیزوں کی لمبی کھیپ تھی۔ شاہ کی انہی عیاشیوں پر روزنامہ کوہستان شاہ سعود کی الف لیلوی شخصیت کا عنوان قائم کرکے لکھتا ہے۔

شاہ سعود کی الف لیلوی شخصیت

سعودی عرب کے مطلق الحکم بادشاہ سعود بن عبدالعزیز دنیا کے آخری تاجدار ہیں جن کے ہر فرمان کو قانون کی تقدیس کا درجہ حاصل ہے۔ موجودہ شاہ سعود سلطان ابن سعود کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ سلطان نے اپنی تلوار کی نوک سے سعودی عرب کی حدیں متعین کی تھیں اور وہ مغرب (انگریزوں کے ساتھ تعاون کے پر زور حامی تھے۔ عربین امریکن آئیل کمپنی کے منافع میں سعودی خاندان کا پچاس فی صد حصہ ہے۔ شاہ سعود ریشمی لباس زیب تن کرتے ہیں۔ اپنے سر پر مخصوص عربی عمامہ پہنتے ہیں ان کی عادات واطوار میں اب بھی بعض الف لیلوی داستانوں کی باتیں موجود ہیں۔ آپ کی قریب کی نظر کمزور ہے اور اس لئے ہر وقت ایک سنہری فریم کا چشمہ

---

[۱] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۵) روزنامہ کوہستان لاہور، ۷ فروری ۱۹۵۷ء

لگائے رکھتے ہیں وہ اس چھپن سال کی عمر میں بھی شکار کھیلتے ہیں۔ بازوں اور عربی النسل گھوڑوں کا شوق رکھتے ہیں، ان کی چار منکوحہ بیویاں ہیں۔ درجنوں عورتوں کو طلاق دے چکے ہیں۔ ان کے چالیس بیٹے ہیں، مگر اس معاملے میں وہ اپنے والد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ ایک سو پچاس عورتوں کو اپنے رشتہ مناکحت میں لائے تھے اور ان کی کل اولاد چار سو پچاس تھی۔[1]

محل

کچھ عرصہ قبل شاہ سعود کو خیال آیا کہ ان کے حرم کے لئے سنگ مرمر کا ایک حسین وجمیل اور ائرکنڈیشنڈ محل تعمیر ہونا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے اٹلی کے مشہور ماہر تعمیر سنیور آرسینڈوریزی کو حکم دیا کہ وہ ایسا عشرت کدہ تعمیر کرے جسے دیکھ کر الف لیلا کی داستانیں یاد آجائیں، لیکن وہ اس کی تعمیر کے اخراجات ادا کرنا بھول گئے۔ محل کی تعمیر پر ۹۰ ہزار پاؤنڈ (دس لاکھ روپیہ لاگت آئی تھی)

اسی سلسلے میں نوائے وقت لکھتا ہے:۔

سنور بریزی نے بتایا کہ میں اس سلسلہ میں دوبارہ سعودی عرب گیا تھا میرے ہمراہ میرا بیٹا اور میرے دو کاریگر بھی تھے وہاں جاکر مجھے معلوم ہوا کہ شاہ سعود ایک محل کی بجائے ایک بہت بڑا قلعہ سا تعمیر کرانا چاہتے ہیں جو چالیس عمارتوں پر مشتمل ہوگا اور ہر عمارت دوسری عمارت سے برساتی کے ذریعے ملحق ہوگی اس میں ان کی چار منکوحہ بیویوں اور اسّی لونڈیوں کے لئے ایک حرم بھی ہوگا۔ پورا قلعہ تقریباً ۴ لاکھ مربع گز میں پھیلا ہوا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں زمین کے ایک بہت بڑے قطعہ کو ہموار کرنا پڑا۔ میں نے اور میرے مددگاروں نے اس منصوبہ پر اٹھارہ مہینے کام کیا۔[2]

یہ تو بیرونی محل کا ایک اجمالی نقشہ تھا۔ اب محل کے اندرونی حصہ کی کیفیات کو ایک

---

[1] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۸۱) روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء

[2] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۴۲) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ مئی ۱۹۵۸ء

واقف کار امریکی خاتون نے بیان کیا جو نوائے وقت نے چھاپ دیا ہے۔

اندرون محل ایک امریکی خاتون شاہ سعود کے حرم میں داخل ہوئی اس نے جو کچھ دیکھا۔ ذیل میں اس کے مضمون کے بعض اقتباسات درج ہیں۔

امریکی خاتون لکھتی ہے کہ: میں محل میں ایرانی قالین پر چلتے ہوئے ایک وسیع کرہ میں پہنچی جو کسی بڑے ہوٹل کے ہال روم سے کم نہ تھا۔ اس کمرہ میں ایک دبیز قالین بچھا ہوا تھا جو فرش زمین سے کئی اینچ اونچا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حرم کا دربار ہال ہے اور شاہ ہر شام اپنی بیویوں کے ساتھ خوش گپیوں میں صرف کرتے ہیں۔ اس ہال میں نقش و نگار سے مرصع بہت سی گدیلی سنہری کرسیاں قطاروں میں بچھی ہوئی تھیں۔ قریب ہی ایک منقش سنہرا کام دار صوفہ رکھا ہوا تھا۔

شاہ کی بیگمات اونچے گلے کے موور دار کرتے پہنے ہوئیں تھیں، جن کا کپڑا نہایت منقش تھا۔ لباس میں جواہرات بکثرت لگے ہوئے تھے اس کے ساتھ انہوں نے عام قسم کے دھاری دھار موتے بھی پہن رکھے تھے۔ یہ بیگمات سونے کے زیورات اور جواہرات سے اس قدر لدی ہوئی تھیں کہ یقیناً وہ ان کا خاصا بوجھ محسوس کرتی ہوں گی۔ گلہ، کان، گردن، ہاتھ کی کلائی اور کمر سب سونے اور انتہائی بیش قیمت جواہرات کے زیورات کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ ایک ایک انگلی میں انہوں نے کئی کئی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں وہ میک اپ کاجل سرخی وغیرہ سے پرانے وقتوں کے ہالی وڈ کی ساکن پکچروں کی ہیروئن لگتی تھیں، ان کے عطر اتنے تیز تھے کہ ان کی بو میرے لئے شروع میں بڑی ناگوار تھی۔

شاہ سعود کی چار بیویاں ہیں ان چار بیویوں کے علاوہ باقی سابق بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ شاہ سعود کی سترہ قانونی سابق بیویاں ہیں اور حرم میں ان کے لئے علیحدہ جگہ مقرر ہے۔ بعض اوقات شاہ اپنے منظور نظر شیوخ کو اعزاز دینے کے لئے

اپنی کسی سابق بیوی کو اس کے نکاح میں دیتے تھے۔

حرم میں لونڈیاں بھی ہیں اور لونڈیوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ کوارٹر موجود ہیں۔ حال ہی میں حرم میں داخل ہونے والی عورتوں کی تعداد دس سے ساٹھ تک بتائی جاتی ہیں۔ سفارتی حلقوں کے مطابق شاہ کے پچیس بیٹے ہیں جن بیبیو کی تعداد نا معلوم ہے۔ ہر لڑکے کے لئے علیحدہ موٹر اور ڈرائیور موجود ہے۔ شاہ نے اپنے کمرے میں جدید طرز کی بجلی کی گھنٹیاں لگوائیں، مگر چونکہ شاہ کی نظر کمزور ہے وہ غلط بٹن دباتے تھے وہ جس بیوی کو بلانا چاہتے اس کی جگہ اور آجاتی۔ شاہ کا غسل خانہ ایک بہت بڑے کمرہ اور خالص سونے کی ٹونٹیوں پر مشتمل تھا۔ محل کا دروازہ منقش تھا جہاں رائفل پر سنگین چڑھائے ایک سنتری پہرہ دے رہا تھا شاہ کی ایک بیگم نے ایک طلائی مردانہ گھڑی جس کے ڈائل پر شاہی نشان بنا ہوا تھا مجھے تحفتہً دی۔[1]

شاہ خرچیاں

اسی عنوان کے تحت روزنامہ کوہستان لکھتا ہے!

شاہ سعود جس بحری جہاز سے امریکہ پہنچے اس سے اترتے وقت موصوف نے جہاز کے اراکین کو ۲۰ ہزار ڈالر کی بخشش دی۔ عملہ کے ہر رکن کو دو سو سے چار سو ڈالر تک بخشیش ملی۔ اس نقد رقم کے علاوہ شاہ نے انہیں سونے کی گھڑیاں بھی دیں۔ جہاز کے کپتان کو ایک بیش قیمت گھڑی ملی۔

یہ خبر شاہ سعود کی شاہ خرچیوں کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو شاہانہ ادائیں وہ قیام امریکہ کے دوران دکھائیں گے ان کے تذکرے کچھ دنوں بعد آئیں گے، مگر شاہی خاندان کے دوسرے افراد جو کچھ کرتے ہیں وہ خالص الف لیلوی داستان کی باتیں ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس خاندان کی نجدی مملکت میں ابھی درسگاہوں اور مہذب زندگی کی دوسری ابتدائی ضروریات کا تصور بھی نہیں پیدا ہو سکا۔[2]

---

[1] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۰۴) [2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹، ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء

شاہ خرچیوں کی شہرت

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے کہ:۔

سعودی عرب کے شاہی وہابی خاندان کی مسرفانہ عیاشیوں کی داستانیں بڑی عام ہیں۔ شاہی خاندان کو تیل کے ذخائر سے کروڑوں ڈالر کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے جس پر شاہی خاندان کے شہزادوں کا تصرف ہے۔ ایک ایک شہزادے کے پاس کئی کئی مکلف محلات اور کاریں ہیں۔ غیر ملکی بنکوں میں لاکھوں ڈالر کے حسابات کھلے ہوئے ہیں اور کچھ دنوں سے یہ افواہ بھی گرم ہے کہ نجدی شہزادے ریگستان کے خفیہ مقامات پر اپنی دولت چھپا رہے ہیں۔ شاہی خاندانوں کی مسرفانہ عیاشیوں کی داستانیں بڑی رنگین ہیں۔ جب کوئی شہزادہ سیر و سیاحت پر نکلتا ہے تو اس کے ہمراہ اعزہ خدام کا پورا لشکر ہوتا ہے اور ایسے شہزادوں کا یہ گروہ ایک دن کی شاپنگ پر لاکھوں روپے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ ہے اس ملک کے شاہی خاندان کی حالت جس کے عوام کی غربت دنیا میں ضرب المثل ہے۔ جہالت، نکبت اور بیماری نے غریب عوام کو اپنے شکنجہ میں جکڑ رکھا ہے۔ میلوں تک کسی مدرسہ، ہسپتال اور متمدن زندگی کے کسی نشان کا پتہ نہیں چلتا۔[1]

شاہ سعود کا شاہانہ غرور

شاہ سعود ملک کی تمام دولت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور اپنے ملک کے عوام کو اپنا زرخرید غلام گردانتے تھے۔ ان کے پاس بے پناہ دولت تھی جس کے نشہ میں چور شاہ سعود کے سامنے اپنی ذات کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس سلسلے میں روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:۔

دنیا کی سب سے زیادہ غیر جمہوری جاگیردارانہ مملکت کا یہ تاجدار شاہ سعود مغرب

---

[1] روزنامہ کوہستان ۵؍ فروری ۱۹۵۷ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۴۴)

[2] روزنامہ کوہستان ۹؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۴۵)

کی سب سے بڑی جمہوریت امریکہ کا حیرت انگیز دوست ہے۔ شاہ سعود کسی پارلیمنٹ یا کونسل کے سامنے جوابدہ نہیں اور سعودی عرب کے کسی باشندے کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں۔ شاہ کے ایئرکنڈیشنڈ بلند قصر ایسی سرزمین پر تعمیر ہو رہے ہیں جہاں ایک تہائی آبادی اب بھی سیاہ خیموں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی ہے اور صرف پانچ فیصد باشندے اپنا نام لکھنا جانتے ہیں —— جب شاہ ابن سعود (والد سعود) کو تیل کی دولت ملی، تو ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے۔ ملک کی ہر چیز بادشاہ کی ملکیت تھی اس لئے انہوں نے اس دولت کو بھی ذاتی دولت سمجھا۔ ان کے لڑکوں کو ساری دنیا کا سفر کرنے کے لئے بے شمار روپے ملتے تھے۔ قاہرہ کی ہر شبینہ کلب میں کوئی نہ کوئی سعودی شہزادہ رقص والی عورتوں کے جھرمٹ میں نظر آتا...... ایک قصہ مشہور ہے کہ قاہرہ کی ایک کلب میں جو مصریوں کے لئے مخصوص تھی۔ ایک سعودی شہزادہ شراب میں مدہوش داخل ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا —— اے سور کے بچو تم شاہی خاندان کے ایک فرد کے سامنے کھڑے ہو کر تعظیم کیوں نہیں بجا لاتے۔[1]

سعودی شہزادوں کے ٹھاٹھ باٹھ

روزنامہ کوہستان اس موضوع پر لکھتا ہے:۔

گزشتہ ماہ لبنان میں اس پر فضا پہاڑی مقام پر سیر و تفریح کی غرض سے سعودی عرب کے ۳۲ بتیس شہزادے آئے جن کی عمریں چار سے سولہ برس تک تھیں۔ ان بتیس شہزادوں کی دیکھ بھال کے لئے بتیس خدام بھی ان کے ہمراہ تھے اور ان کے پاس جدید ترین ماڈلوں کی پچیس کاریں تھیں۔ ہوٹل والوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ شہزادوں کے قیام و طعام میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا ثبوت دیا جائے چنانچہ رات کے وقت ان کے لئے نزدکی فلموں کی خاص طور پر نمائش کی جاتی اور مقامی رقص گاہ میں بھی ان کے لئے خاص

---

[1] (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۸۶) روزنامہ کوہستان لاہور یکم فروری ۱۹۵۶ء

پروگرام ترتیب دئے جاتے۔ گزشتہ ہفتہ یہ تمام شہزادے اپنے وطن واپس چلے گئے اگر ان کے اس مختصر سے قیام کابل ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ بیان کیا جاتا ہے۔ [۱]

شاہ سعود کا زوال

شاہ سعود جس بیدردی کے ساتھ شاہی خزانے کو لٹا رہے تھے یہ حالت عربوں کے لئے زیادہ عرصہ تک قابل برداشت نہ تھی۔ چنانچہ اس موضوع پر محمد صدیق لکھتے ہیں!

شاہ سعود کے اسراف نے مالی بحران پیدا کر دیا تھا معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی خزانہ میں صرف ۳۱ ریال رہ گئے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سعودی عرب نے فرانس اور برطانیہ کا معاشی مقاطعہ کر رکھا تھا جس سے معیشت پر برا اثر پڑا تھا۔ ملک میں تعلیم یافتہ طبقہ بھی جنم لے چکا تھا جو ملک میں اصلاحات کا خواہش مند تھا۔ امیر فیصل نے وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوتے ہی کابینہ میں ضروری رد و بدل کیا اور وزارتِ خزانہ سمیت چار محکمہ اپنی نگرانی میں لے لئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی سال میں ملک میں توازن پیدا ہو گیا۔

اہم سرکاری قرضے ادا کر دیئے گئے اور کرنسی میں استحکام پیدا ہو گیا۔ ادھر خارجی محاذ پر سعودی عرب نے غیر جانبداری کو ترجیح دی تاہم خارجہ تعلقات میں کوئی خاص تبدیلی نہ کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۵۸ء میں عراق میں انقلاب برپا ہوا، تو سعودی عرب نے متحدہ عرب جمہوریہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

امیر فیصل کے وزیر اعظم بننے سے عیاش افراد کا قافیہ تنگ ہونے لگا۔ یہ لوگ قومی خزانہ پر سفید ہاتھی بن کر بیٹھے تھے۔ ان کی اب ایک نہ چلتی۔ امیر فیصل کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ شاہ کے گرد خوشامدیوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا ان لوگوں میں شہزادے بھی تھے اور عام مصاحب بھی۔ اس طرح کشیدگی نے سر اٹھایا۔ دسمبر ۱۹۶۰ء میں کابینہ میں

---

[۱] روزنامہ کوہستان لاہور ۵ اگست ۱۹۵۷ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۷۰)

بحران پیدا ہوا۔ دو وجوہات فوری تھیں۔ قانون ساز مجلس اور بجٹ اول الذکر کو شاہ کا قرب حاصل تھا۔ اچانک یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ آئین کی تشکیل کی جائے جو ایک نمائندہ مجلس تیار کرے۔ وزیر اعظم کے نزدیک یہ مطالبہ قبل از وقت تھا۔ جہاں تک بجٹ کا تعلق تھا ان پر یہ لازم تھا کہ وہ آمدنی اور اخراجات کی مکمل تفصیلات شاہ کو پہنچایا کریں لیکن وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ وہ اس خیال سے متفق ہی نہ تھے کہ شاہ پھر سے قومی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لٹانا شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ جنوری ۱۹۶۱ء میں امیر فیصل نے استعفیٰ دے دیا جسے شاہ نے فوراً منظور کر لیا۔ نئی کابینہ بنی تو شاہ خود وزیر اعظم بن گئے۔ کابینہ کی اہم ترین شخصیت تیس سالہ امیر طلال تھے جنہیں وزارت خزانہ دی گئی۔ کابینہ میں شہزادوں کے علاوہ مغربی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ شہری بھی لئے گئے۔ خاندان کے با اثر افراد نے شاہ سعود اور امیر فیصل کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی تاکہ آل سعود میں یگانگت قائم رہے۔ مارچ ۱۹۶۲ء میں امیر فیصل وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔

اب وزیر اعظم فیصل زیادہ با اختیار تھے۔ انہوں نے حکمران خاندان کے اخراجات کم کرنے اور فلاح و بہبود کے کام انجام دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ کوشش بھی کی بیرونی ممالک سے ملازمت کے لئے جو لوگ سعودی عرب کا رخ کرتے ہیں ان کی آمد سے سعودی باشندوں کے حقوق سلب نہ ہوں اور نہ ہی ان پر ایسا معاشرتی اثر پڑے جو سعودی روایات کے خلاف ہو۔ اس قسم کی پالیسی مصر، شام اور عراق سے آئے ہوئے کاریگروں کے معاملہ میں بھی اختیار کی گئی جو لامحدود تعداد میں سعودی عرب میں ملازمت کر رہے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں کئی فلسطینیوں، شامیوں اور لبنانیوں کو سعودی عرب سے نکال دیا گیا۔[۱]

شاہ سعود کی معزولی

اکتوبر ۱۹۶۲ء میں وزیر اعظم فیصل مصروف تھے کہ ملک کی مجلس شوریٰ اعلیٰ کا اجلاس

۱۔ محمد صدیق قریشی فیصل ص ۴۴-۵۳

ہوا اور فیصلہ ہوا کہ شاہ سعود کی حکمت عملی کی وجہ سے ملک تباہی کے کنارے آ پہنچا ہے اس لئے انہیں سبکدوش کر کے امیر فیصل کو فرماں روا بنایا جائے۔ اس مجلس میں سعودی خاندان کے بڑے اور جید علماء شامل تھے۔ مصر سے واپسی پر فیصل کو مجلس کے فیصلے کا پتہ چلا انہیں اس فیصلے سے اختلاف تھا، لیکن مجلس کے ارکان مصر تھے۔ انہوں نے شاہ سعود کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے حیص بیص سے کام لیا۔ مجلس نے پورے ملک کے علماء اور آل سعود کے تمام بزرگوں کا اجلاس طلب کر لیا جو اکتوبر ۱۹۶۴ء کو شہزادہ خالد کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس مفتی اعظم کے مکان پر ہوا اور تیسرا صحرا ہوٹل میں ہوا جس میں ایک سو شہزادوں اور ستر علماء نے شرکت کی۔ شاہ سعود کو متفقہ طور پر برطرف اور فیصل کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔[1]

---

[1] محمد صدیق قریشی ،، ص ۵۶

باب ۱۱

شاہ فیصل کا دورِ حکومت

maablib.org

شاہ فیصل سعودی بادشاہوں میں سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب حکمران ثابت ہوئے۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو شاہ سعود کو معزول کر کے شاہ فیصل کو سعودی عرب کا بادشاہ بنادیا گیا۔ جب شاہ فیصل نے اپنے عہد حکومت کا آغاز کیا، تو سعودی عرب قرضوں کی گرفت میں تھا اور عرب عوام کی اکثریت غربت اور افلاس اور جہالت میں اپنی زندگی گزار رہی تھی، لیکن شاہ نے قدرت کے عطیہ سیال تیل کی بدولت ملک کو قرضوں کی گرفت سے آزاد کیا اور تیل کی دولت سے اپنے ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر ڈال دیا۔

محمد صدیق قریشی شاہ فیصل کے کارناموں کے بارے میں **فیصل میدان عمل میں** لکھتے ہیں۔

فیصل ۲ر نومبر ۱۹۶۴ء کو تخت نشین ہوئے، انہوں نے داخلی حکمت عملی میں اپنے عظیم والد کی تقلید کی۔ ان کے والد نے قبائلی عربوں کو متحد کر کے بزور شمشیر سلطنت قائم کی تھی اس سلطنت کو جہالت اور پسماندگی سے پاک کرنے اور اس کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی ترقی سے ہمکنار کرنے کا جو بھی کام ہوا وہ شاہ فیصل کا مرہون منت ہے، جب وہ برسر اقتدار آئے، تو خزانہ خالی ہو چکا تھا، لیکن ان کی تگ و دو سے وہ وقت بھی آیا، جب ملک کا ترقیاتی بجٹ ایک ارب چالیس کروڑ ریال تک پہنچ گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ دولت مند ہونا اور بات ہے اور خرچ کرنا اور بات ہے اس معاملہ میں شاہ فیصل اپنی مثال آپ تھے۔ دنیا میں بہت کم رہنما ایسے ہوں گے، جو قومی دولت شاہ کی طرح استعمال کرتے ہوں۔ ان کے دور میں سعودی عرب نے معاشی اور معاشرتی شعبوں میں معجز نما ترقی کی ہے۔

بنیادی ضروریات

سعودی عرب مشرقِ وسطیٰ کا واحد ملک ہے، جہاں بے روزگاری بالکل نہیں۔ تمام لوگوں کو ملازمت کے بہترین مواقع میسر ہیں۔ عام طور پر ایک ہنر مند کارکن بیس ریال روزانہ اجرت لیتا تھا، لیکن بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر اب روزانہ اجرت (کم از کم) پچاس ریال کر دی گئی ہے۔ اس کے باوجود کاریگر کی بے حد مانگ ہے۔ ؎۱

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔

تعلیم

شاہ فیصل نے سعودی عرب کو بتدریج بیسویں صدی میں لانے کی کوشش کی، اس کے لیے انہوں نے تعلیم کا سہارا لیا اور تعلیم مفت اور لازمی قرار دی نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون اکتوبر ۱۹۶۳ء کی ایک اشاعت میں رقم طراز ہے۔

سعودی عرب میں جب پہلے تیل دریافت ہوا، تو حکومت نے اسے محض آمدنی کا ذریعہ سمجھا، لیکن موجودہ حکومت کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ سیال سونا نہ صرف آمدنی کا ذریعہ ہے، بلکہ دنیائے عرب کی عظمت کے احیاء کا سبب بھی بن سکتا ہے؛ چنانچہ حکومت نے موجودہ نسل کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کا ایک جامع اور ہمہ گیر پروگرام مرتب کیا ہے۔ ریگستانوں کو گلزار میں بدل دیا گیا ہے اور شہریوں کو ہر ممکن سہولت پہنچائی گئی ہے۔ ؎۲

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔

صحت عامہ

شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں عام سعودی شہری کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ۔ ۔ ۔ صدیوں سے زندگی کی بنیادی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم لوگوں کو جدید زندگی کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ قدرت نے سعودی عرب کو تیل کی بے پناہ دولت سے مالا مال کر رکھا ہے، لیکن اس کے ثمرات سے عام شہریوں نے فائدہ شاہ کے

؎۱ محمد صدیق قریشی — فیصل — ص ۳۰ و ۵۹

؎۲ محمد صدیق قریشی — فیصل — ص ۴۱

دور ہی میں اٹھایا۔ شاہ نے اس دولت کا خاصہ حصہ رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کیا۔ انہی میں ایک شعبہ صحت عامہ کا بھی ہے۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کی گئیں۔ جن میں سات ہزار بستروں کا انتظام کیا گیا۔ کلینک اور فکسڈ یونٹ ان کے علاوہ ہیں۔ گشتی شفاخانوں کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا۔ جن میں جدید ترین آلات ہیں۔ یہ گشتی شفاخانے قصبے قصبے جاتے ہیں، باقاعدہ اور منظم دورے کرتے ہیں۔ اس طرح دور افتادہ علاقے کے لوگ بھی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ بھی انتظام کیا گیا کہ ملک کے ڈاکٹر کسی بیماری کا علاج نہ کر سکیں، تو مریض سرکاری خرچ پر دنیا کے کسی بڑے ہسپتال میں بذریعہ طیارہ بھیجا جائے۔

۱۹۷۰ء میں سعودی عرب میں تقریباً ساڑھے ساٹھ لاکھ کی آبادی کے لیے ۴۲ ہسپتال ۱۶۷ ڈسپنسریاں اور ۲۵۲ ہیلتھ سنٹر تھے، لیکن اب ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو چکا ہے۔ انسدادی شعبہ میں ۲۳ قرنطینے اور بلڈ بنک قائم کیا گیا۔ ملک کا اہم ترین قرنطینہ جدہ میں ہے۔ جس کی تعمیر پر ایک کروڑ پچاس لاکھ ریال یعنی تقریباً ۲۳ لاکھ امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔ یہ قرنطینہ ایک شہر نظر آتا ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ ۲٫۲۸٫۰۰۰ مربع میٹر ہے اور اس میں بیک وقت ۲٫۴۰۸ افراد رکھے جا سکتے ہیں۔[۱]

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں

ذرائع آمد و رفت

شاہ فیصل نے اقتدار سنبھالتے ہی جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کی ترقی میں گہری دلچسپی لی۔ وہاں ذرائع آمد و رفت، بندرگاہوں اور مواصلات پر بھی خصوصی توجہ دی۔ سعودی عرب کے جغرافیائی محل وقوع نے اس کی فوجی اہمیت بہت بڑھا دی ہے یہ مشرق و مغرب کے درمیان رابطہ کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے دنیا کے ہر خطے سے منسلک کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ سڑکوں کی تعمیر میں ہر علاقہ کی ضروریات کو مدنظر

۱۔ محمد صدیق قریشی، فیصل، ص ۶۵-۶۴

رکھا گیا اور اس بات پر زیادہ دھیان دیا گیا کہ ان علاقوں میں سڑکوں کا خاطر خواہ انتظام ہو، جہاں زرعی اور معدنی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس پیداوار کو منڈیوں تک لانے میں کسی قسم کی کوئی دقت نہ ہو۔ ۱۹۶۵ء میں سعودی عرب میں سڑکوں کی کل لمبائی ۲،۱۱،۵۰۰ کلومیٹر تھی۔ شاہ کے دور میں ۱۰،۰۰۰ کلومیٹر پکی سڑکیں تعمیر ہو چکی تھیں اور ان کے آخری دنوں میں ۲،۰۰۰ کلومیٹر لمبی سڑکوں کی تعمیر جاری تھی، چونکہ سعودی کا رقبہ بہت زیادہ ہے اور اکثر علاقہ غیر آباد ہے۔ اس لیے اعلیٰ قسم کی سڑکیں بنانا مشکل کام ہے۔ علاوہ ازیں ان کی تعمیر پر اخراجات بھی زیادہ اٹھتے ہیں، لیکن ان کے بغیر خاطر خواہ ترقی بھی ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ شاہ نے سالانہ بجٹ کا ۲۰ فیصد حصہ ذرائع آمد و رفت کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ حاجیوں کی سہولت کے پیشِ نظر جدہ، مکہ اور مدینہ کے درمیان پکی سڑکوں کا جال بچھایا۔[1]

اس ضمن میں محمد صدیق لکھتے ہیں!

مواصلات

پہلے ڈاک کا انتظام بھی معقول نہ تھا۔ شاہ نے اسے بہتر بنایا۔ ۱۹۶۴ء میں ملک بھر میں ۲۰۲ پوسٹ آفس تھے، جن کی تعداد میں معقول اضافہ کیا گیا اور اب کئی جگہوں پر کمپیوٹر سے کام لیا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں ٹیلیفون سسٹم شروع ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں ملک بھر میں ۲۴،۲۰۰ ٹیلیفون تھے۔ اب تو گھر گھر ٹیلیفون ہیں اور دنیا کے کسی بھی شہر سے فوری طور پر رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ ٹیلی پرنٹر کی سہولتیں بھی عام ہیں۔[2]

محمد صدیق لکھتے ہیں:۔

معدنی وسائل

یہاں کی سب سے بڑی دولت تیل ہے، جس پر آج کل سعودی عرب کا کلیتہً انحصار ہے، تاہم ملک دیگر معدنی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ملک بھر میں جو سروے کیا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زیرِ زمین دولت ہی دولت ہے۔ ان دھاتوں میں

1۔ محمد صدیق قریشی — فیصل، ص ۶۶

2۔ ایضاً — ایضاً ص ۶۸، ۶۷

کرومائٹ، ٹیٹینیم، ابرتن، نمک اور جپسم شامل ہیں۔ سونا بھی معقول مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ۷۰-۱۹ء میں شاہ کے حکم پر مختلف مطالعاتی گروپ قائم کیے گئے اور پٹرول اینڈ منرل تنظیم (پٹرومن) قائم کی گئی۔ اس نے کامیابی کے ساتھ وسیع پیمانے پر معدنیات تلاش کیں۔[1]

محمد صدیق رقم طراز ہیں۔

صنعتیں ملک میں وسیع پیمانے پر صنعتیں قائم کرنے کا منصوبہ بھی شاہ فیصل کی حکومت نے بنایا۔ دوسرے پنجسالہ ترقیاتی منصوبہ میں ۴ کروڑ ڈالر صنعت کاری کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں جدہ میں ۶۰ لاکھ ڈالر کی لاگت سے فولاد کا کارخانہ لگایا گیا۔ علاوہ ازیں ملک میں سیمنٹ، صابن، چینی، نمبے، کھجوروں کی پیکنگ کے ڈبے، ہلکے مشروبات اور صنعتی گیس بھی تیار ہوتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں چار کروڑ پچاس لاکھ ڈالر کے سرمایہ سے کھاد کا کارخانہ لگایا گیا، جب امریکہ اور یورپ کی مختلف حکومتوں سے یہ کہا گیا کہ وہ صنعتیں لگانے میں سعودی عرب کو فنی امداد دیں، تو انہوں نے لیت و لعل سے کام لیا، کیونکہ مغربی طاقتوں کے اپنے مفاد پر ضرب پڑتی تھی۔[2]

محمد صدیق لکھتے ہیں!

تیل بردار جہاز سعودی عرب پٹرولیم برآمد کرنے والے عرب ملکوں کی تنظیم اور اوپک (   ) دونوں کا اہم رکن ہے۔ سعودی عرب اس خیال کا زبردست حامی ہے کہ تنظیم کے اراکین کا تیل بردار جہازوں کا اپنا بیڑہ ہوتا کہ اس طرح وہ دولت بچ سکے جو مغربی ملکوں کی جہاز راں کمپنیاں کرائے کی شکل میں لے جاتی ہیں؛ چنانچہ شاہ فیصل کے زمانہ میں تیل بردار جہازوں کی خریداری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[3]

۱؎ محمد صدیق قریشی	فیصل	ص		۶۸
۲؎ "	"	"	۶۹	۶۸ -
۳؎ "	"	"		۷۱

شاہ فیصل نے جدید ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی بھی پوری

ریڈیو اور ٹیلیویژن کوشش کی۔ ۱۹۶۶ء میں ملک بھر میں سات ریڈیو سٹیشن قائم ہو چکے تھے۔ ان سے عالمی سروس کا بھی اہتمام کیا گیا، تاکہ دنیا بھر کے لوگ سعودی عرب کے بارے میں تازہ ترین حالات سے باخبر ہوتے رہیں۔ ۱۹۶۰ء میں شاہ نے ٹیلیویژن کا اجرا کیا، ان کی وفات تک ملک بھر میں چھ ٹیلیویژن اسٹیشن قائم ہو چکے تھے۔ [۱]

اس عنوان کے تحت محمد صدیق نے لکھا ہے۔

معیار زندگی شاہ برسر اقتدار آتے، تو حکومت کو آرامکو کے بھاری قرضے ادا کرنے تھے۔ شاہ نے ایسے حسن تدبر سے کام لیا کہ سعودی عرب پوری دنیا کی مالیات پر چھا گیا۔ اس کی فی کس آمدنی آٹھ سو روپیہ سے تجاوز کر گئی۔ شہریوں کو سستے داموں اناج و دیگر اشیاء ضرورت مہیا کی گئیں۔ سعودی عرب ریلوے کے مرحلہ سے نکل کر کاروں اور طیاروں کے مرحلہ میں پہنچ گیا۔ میلانز کے اخبار اوگی نے اپنی ۴ ر اگست ۱۹۶۷ء میں لکھا کیچڑ اور اینٹوں کے بنے ہوتے دیہات کے قریب تیل کے "سنمار" نے ایک سراب سا پیدا کر دیا ہے۔ جدید شہر، پر تکلف ہوٹل، بین الاقوامی ہوائی مستقر، اہم صنعتیں اور یونیورسٹیاں۔ [۲]

محمد صدیق لکھتے ہیں۔

غیر ملکی سرمایہ کاری شاہ کی حکومت نے کوشش کی کہ سعودی عرب زیادہ سے زیادہ ترقی کرے، تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تبدیلی ہو۔ غیر ملکی سرمایہ داروں کی توجہ سرمایہ کاری کی طرف مبذول کرانے کے لیے شاہ نے حکم دیا کہ انہیں فیکٹریوں کے لیے جگہ مفت دی جائے۔ پانچ سال تک انکم ٹیکس نہ لیا جائے۔ بشرطیکہ قومی سرمایہ بھی ۲۵ فیصد لگایا گیا ہو۔ فیکٹریوں کی مشینری، خام مال یا پیداوار پر کوئی درآمدی یا برآمدی محصول نہ لیا

---

[۱] محمد صدیق قریشی، فیصل، ص ۷۲ - ۷۱

[۲] " " " ۷۲

جاتا۔ اس حکمت عملی کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار فیکٹریاں نصب ہو گئیں۔ ؎۱

اس موضوع پر محمد صدیق لکھتے ہیں۔

مالیاتی نظام

شاہ نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی، تو مالی حالت بہت پتلی تھی اور جب شہید ہوئے، تو تمام عظیم الشان منصوبوں کے فیاضانہ مصارف کے باوجود قومی خزانہ میں ۲۳ ارب ڈالر تھے۔ ۱۹۷۴ء میں سعودی عرب کو تیل کی فروخت سے ۲۰ ارب ڈالر کی آمدنی ہوئی۔ سعودی عرب میں مالی امور کی نگرانی سعودی عرب مالیاتی ایجنسی کرتی ہے۔ منصوبہ بندی، معاشی حکمت عملی اور سالانہ مالی امور کی تفصیلات یہی طے کرتی ہے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔

سعودی عرب نے جدید بینک کاری میں بھی نمایاں ترقی کی ہے۔ مختلف بینکوں کی ۶۵ شاخیں ملک بھر میں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں بینکنگ کی تربیت کے لیے ٹریننگ سنٹر قائم کیا گیا۔ جہاں کمپیوٹر ایسی جدید ترین سہولت تک مہیا کی گئیں۔ صنعتوں کے فروغ کے لیے صنعتی بینک اور زراعت کی ترقی کے لیے زرعی بینک قائم کئے گئے۔ جو چھوٹے صنعتکاروں اور کاشتکاروں کو آسان شرائط پر قرضے دیتے، تاہم قرضے لینے کی رفتار نہایت سست تھی، کیونکہ پرائیویٹ سیکٹر ہی سے سرمائے کی فراہمی آسانی سے ہو جاتی ہے۔

۱۹۷۱ء میں ادائیگیوں کے توازن میں ۸۰ کروڑ ڈالر فاضل تھے، حالانکہ گذشتہ دس برس کی مجموعی فاضل رقم ۹۰ کروڑ ڈالر تھی۔ اس سال کل قومی پیداوار ۱۶ فیصد سے تجاوز کر گئی۔ اس کی ایک وجہ تیل کی پیداوار اور قیمتوں میں اضافہ تھی۔ شاہ تیل کی پیداوار پر ہی کلیۃً انحصار پسند نہ کرتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا: ہمارا قطعی نصب العین یہ ہے کہ ہم اپنی معیشت میں تنوع پیدا کریں اور تمام شہریوں کے لیے سودمند ملازمت یقینی کریں، تاکہ

؎۱ محمد صدیق قریشی ص ۷۳ - ۷۲

وہ ملک کی معاشی تاریخ میں حصہ لے سکیں۔ سہ ا

محمد صدیق قریشی اسی موضوع پر لکھ رہے ہیں ۔

تیل سیال دولت

تیل پیدا کرنے والے ممالک میں سعودی عرب سر فہرست ہے۔ اس زمین کے ذخائر بھی سب سے زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود شاہ کے حکم سے تیل کی مزید تلاش جاری ہے۔ ربع الخالی، جہاں لق و دق صحرا کے سوا کسی قسم کی زندگی نہیں اس کا مکمل سروے کیا گیا۔ پہلے مرحلہ پر پانی کے گیارہ کنوئیں کھودے گئے۔ اس لیے امید ہے کہ یہاں تیل بھی مل جائے گا۔ مزید برآں جنرل پٹرولیم اینڈ منرل آرگنائزیشن قائم کی گئی اور اسے پیٹرو کیمیکل صنعتیں لگانے کا کام سونپا گیا، جن کے اس علاقہ میں فروغ کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ ان میں سے ایک آئل اینڈ گیس کارپوریشن آف پاکستان بھی ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء تک پانچ کارخانے قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ سہ ۲

سہ ا محمد صدیق قریشی نیسل ص ۷۵ - ۷۴

اندرون سعودیہ کے بارے میں شورش کاشمیری کے تاثرات

شورش کاشمیری مسلک دیوبند کے نقیب پاکستان کے مشہور اہل قلم اور نامور صحافی تھے۔ انہوں نے شاہ فیصل کے دورِ حکومت میں ۱۹۷۹ء میں سعودی عرب میں چودہ دن گزارے اور ان تاثرات کو اپنی مشہور کتاب "شب جائے کہ من بودم" میں لکھ دیا ۔ ہم اس کتاب کے بعض اقتباسات بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔ یہ تاثرات دو قسم کے ہیں ایک طرف سعودی عرب کی پیرس اور نیو یارک کو مات کرنے والی شاہراہیں، فلک بوس عمارتیں اور پر شکوہ ہوٹل، دوسری طرف صحابہ کرام اور قرابت دار رسول کی قبروں کے ویرانے لیجیے پڑھیے۔

سعودی عربیہ کا شکوہ سعودی عرب کے شان و شکوہ کے بارے میں شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

جدہ میں اب صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک زبان، دوسرے اذان باقی ہر چیز پر یورپ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ عورتوں کا خاص لباس بھی یہاں مخلوط ہو گیا ہے۔ قطع ہے وضع نہیں، وضع ہے قطع نہیں۔ وضع کا بھرم ماند ہے، تو قطع میں رکھ رکھاؤ نہیں، غرض عرب تو ہیں ہر قسم کے عرب، عاربہ بھی اور عرب مستعربہ بھی، لیکن ارض قرآن کے عرب اب آب و گل کے ایک نئے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔

وہ طوفانوں سے کھیلنے والے عرب تھے اور خود ایک طوفان تھے۔ یہ ساحل کے تماشائی عرب ہیں، جو کنارہ پر کھڑے خود ایک کنارہ ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہو گا کہ ان کا ماضی سے کوئی رشتہ نہیں رہا، لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان کا ماضی ان سے محروم ہو چکا ہے اور اس چراغ کی طرح ہو گیا ہے، جو یادوں کے مزار پر بھولی بسری لو دیتا ہے۔

جدہ بحر احمر کی ملکہ ہے۔ اس کی موجیں اس کے ساحل سے ضرور ٹکراتی اور پیچھے ہٹ

جاتی ہیں۔ جہاز آتے ہیں اور نکل جاتے ہیں۔ کروڑوں روپیہ کا مال اتارا جاتا اور حجاز کے بازاروں میں بکتا ہے۔ ان عربوں میں کوئی طارق نہیں، جو ان موجوں میں اتر جائے سفینوں کو آواز دے اور بادبان کھول دے۔ ساتھی کہیں ہم وطن سے دور ہیں لوٹیں گے، کیونکر لوٹیں[1]

ایک اور صفحہ پر لکھتے ہیں:

جدہ جو کبھی تھا اب نہیں رہا اور جو ہے وہ بیروت کا ہم زلف ہے، عربوں کی دولت بیروت کے بعد یہاں نہال ہوتی ہے۔ ایک کھلی مارکیٹ ہے، جہاں یورپ کی تہذیب اپنی مصنوعات سمیت فروخت ہوتی ہے۔ یورپ کی عیش طلبیوں نے جن چیزوں کو ایجاد کیا، یہاں بہتات سے بکتی ہیں۔ کپڑا ہے، تو اس کے بازار لدے ہوئے ہیں، ایک سے ایک بڑھ کر خیالوں سے نازک کپڑا سوال روپیہ کا نہیں۔ تیل اور سونے نے عربوں کو اتنا پیسہ دے دیا ہے کہ سوال اب اس کے خرچ کرنے کا ہے۔ شیوخ عرب اور امرائے حجاز قیمت نہیں لگاتے، پیسہ لٹاتے ہیں۔ ان کی دولت خریدار ڈھونڈتی اور چوکڑی بھرتی ہے۔ جدہ کی ہر رات الف لیلیٰ کو محیط ہے۔ الف لیلیٰ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے سوداگر محفلیں سجا کر اونٹوں کی قطار میں ساربانوں کے ہمراہ چلتے اور صحراؤں میں جوت جگاتے تھے۔ اب یہاں امویوں کے دمشق کی صبح نگار خانہ اور عباسیوں کے بغداد کی شب مےخانہ ہر لحظہ جوان ہے۔ اس کی مارکیٹ بازار عکاظ کی روایتوں کو جھٹلا چکی ہے اور سوق الحجاز کی حکایتوں سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ عربوں کی زمین کا روغن اور عربوں کے جسموں کا خون مغرب نے لگاتار کشید کیا اور اب تک کشید کر رہا ہے۔ جدہ کی عمارتیں کشیدہ قامت ہیں، کبھی عرب قدآور تھے، اب عمارتیں قدآور ہیں، جدہ ان کا نوشہ ہے اور یہ اس کے براتی ہیں[2]

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

---

[1] شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۲ - ۱۱

[2] // // ۱۶ - ۱۵

ہر چند میں اس جستجو میں رہا کہ جدہ میں ارض قرآن کو تلاش کروں۔ افسوس ناکام رہا، ناقہ تلاش کیا، سیارہ (موٹر) پایا۔ بڑی بڑی کاریں ہمارے ہاں کی بہ نسبت پتنگوں کی طرح اُڑتی پھرتی ہیں۔ لمبی لمبی ائرکنڈیشنڈ کاریں جو خود یورپ استعمال نہیں کرتا۔ یہاں خراٹے بھرتی ہیں لے

مسجدوں کے بارے میں لکھتے ہیں!

مساجد کی کیفیت

مسجدیں بھی ہیں، لیکن ایک دو مسجدوں کے سوا کوئی مسجد پر شکوہ نہیں، ان دو مسجدوں پر شکوہ کا لفظ وارد نہیں ہوتا۔ مسجد حنفی بھی ہے۔ مسجد مالکی بھی ہے۔ مسجد شافعی بھی اور مسجد عکاشہ بھی۔ مدینۃ الحجاج میں بھی خوبصورت مسجد بنی ہے مگر ان مسجدوں سے ایک فرض کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ کسی شکوہ کا نہیں۔ کپڑا مارکیٹ کے بغل میں ایک ٹیڑھی، میڑھی گلی ہے۔ اس گلی میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، اس طرح کی مسجد جیسی مسجدیں ہمارے ہاں دیہات میں ہوتی ہیں۔ بدویت کی یادگار! لیکن قد آور عمارتوں کے پہلو میں اس کا وجود الف کے ساتھ ہمزہ کی طرح ہے۔ ان مسجدوں پر بلند مینار نہیں، یہ ادھر اُدھر کی سنگی عمارتوں کو اس طرح ٹکر ٹکر دیکھتی ہیں، جس طرح خدمت گار عورتوں کے بچے مالکن کی بہو کے سولہ سنگار کو دیدے پھاڑ کر تکا کرتے ہیں۔ سے

ماٰثر، مقابر اور مشاہد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ماٰثر و مشاہد کی کیفیت

سعودی حکومت نے عہد رسالت کے آثار صحابہ کرام کے مظاہر اور اہل بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہیے تھیں، وہ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی قبر یا نشان نہیں لوگ بتاتے اور ہم مان لیتے ہیں۔ حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا باقی رکھنا بدعت ہے۔ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ سنت رسول کے خلاف ہے، لیکن عصر حاضر کی

لے شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۸-۱۷

پر جدت، ابتدا ہی میں نہیں ۔ پورے حجاز میں موجود ہے ، بلکہ بڑھ کر پھیل رہی ہے ۔ کیا قرآنؐ سنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا ؟ شاہ فیصل کی تصویریں ہوٹلوں میں لٹک رہی ہیں انہیں حکومت نے خود مہیا کیا ہے ۔ ایئر پورٹ پر اترتے ہی شاہ فیصل کی تصویر پر نظر پڑتی ہے ۔ قہوہ خانوں اور ریستورانوں میں ان تصویروں کی بہتات ہے ، لیکن اس میں کوئی بدعت نہیں ! بدعت اسلاف کی یادیں بنانے اور باقی رکھنے میں ہے ؟

اب اُمرائے حجاز ، شیوخ عرب اور خاندان شاہی سونے اور چاندی کے تار سے کھینچے ہوئے ریشم میں ٹمٹا اور قیمتاً قسم کے گدوں پر سوتا ہے ۔ ؎۱

کسٹم

کسٹم کے انتظامات کے بارے میں لکھتے ہیں :

شراب ، چرس اور کتاب تینوں پر کسٹم کی نگاہیں رہتی ہیں ۔ لطف یہ کہ کتاب یا رسالہ کسٹم سنسر نہیں کرتا ، وہ محکمہ تعلیم کے پاس جاتا ہے اور محکمہ تعلیم کے ارکان کی مرضی ہے کہ وہ مہینوں میں اور ہفتوں میں سنسر کریں ، چاہے روک لیں چاہے پاس کر دیں ۔ میں اپنے ساتھ علامہ اقبال کے خطبات و کلمات کا مجموعہ فیضان اقبال لے گیا تھا ، لیکن روک لیا گیا ۔ میں پندرہ روز رہ کر واپس آگیا ۔ "فیضان اقبال" سنسر نہ ہو سکا کتابیں ان کے سنسر آفس میں کوڑا کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں ۔ قرآن پاک کے ترجمے بھی ان میں گڈ مڈ ہوتے ہیں ۔ کوئی تخصیص یا کوئی احترام نہیں ، بس جو شخص وہاں بیٹھا ہے ۔ اس کی مرضی نام سنسر ہے اور اس کی فرصت کا نام وقت ، میں نے کسٹم کے مہتمم سے بہتیرا کہا کہ ان کتابوں میں کوئی بات مضر نہیں یہ تو اس شخص کے کلمات کا مجموعہ ہے ، جو حجاز کے عشق میں گندھا ہوا تھا ، لیکن اس نے پیٹھ پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا ۔ آخر فیضان اقبال کے تمام نسخے وہیں چھوڑ آئے ۔ ؎۲

؎۱ شورش کاشمیری   شب جائے کہ من بودم   ص ۲۳   ملخصاً

؎۲   "   "   "   ۲۹

شرک اور عشق کا فرق

اس موضوع پر لکھتے ہیں :

میں نے سہیل سے کہا آخر اس بے توجہی اور آثار فراموشی کی وجہ کیا ہے ؟ جس جگہ کو قرآن، سیرت اور حدیث و تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے، وہ بے اعتنائی کی مستحق ہے ؟ اگر یہ چیزیں مکہ سے نکال دی جائیں، تو مکہ کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ بیت اللہ نے مکہ کو معراج بخشا، لیکن اس معراج کو جس صاحب معراج کی معرفت ہم نے پہچانا اور مکہ ہمیشہ کے لیے ام القریٰ ہو گیا، اس کے آثار و نقوش نہ ہوتے، تو مکہ میں کرہ ارضی کے انسان کے لیے کیا کشش تھی ؟ یہ چیزیں تو بیت اللہ کے حاشیے ہیں۔ عربوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے شرف و امتیاز کو انہی چیزوں نے زندہ کر رکھا ہے یہ سب جس آقا کے دم قدم سے ہے، وہی آقا عربوں کو ابدالآباد تک اعزاز دے گیا ہے محمد عربی نہ ہوتے، تو عربوں کی تاریخ اس کے سوا کیا تھی کہ اور قوموں کی طرح وہ بھی ایک تھے۔ حج اور عمرہ نے طلوع قیامت تک عربوں کی معیشت قائم کر دی ہے۔ ان کے بازاروں کی رونق فخر موجودات کی ذات ہے کہ لوگ ان کے عشق میں ان کی دعوت پر کھچے آتے اور مہمان ہو کر میزبانی کرتے ہیں ؟

میں نے سہیل کو یاد دلایا کہ آل سعود کی حکومت یورپ کی ہر چیز سے متمتع ہو رہی ہے حتیٰ کہ طبیعت نوجوان رکھنے کا یہ سامان یہاں موجود ہے، لیکن جس علم نے یورپ کی بالادستی قائم کی ہے اور اس نے جوڑ جوڑ کر اپنی تاریخ گھڑلی ہے، وہ علم عربوں کے ہاں حقیقی ماخذ سمیت موجود ہے اور عرب ہیں کہ اپنی تاریخ اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں۔ یورپ کا مزاج یہ ہے کہ وہاں علم کھنڈر تلاش کر رہا ہے اور جستجو ویرانے کھود رہی ہے، لیکن ہم تاریخ کی اس دولت سے جو سرور کونین کے سوانح و افکار پر روشنی ڈالتی ہے اور عظیم المرتبت صحابہ کے حالات و کرائف۔ سے آگاہ کرتی ہے۔ ایک ایسا برتاؤ کر رہے ہیں کہ اس پر انعماض و استبداد دونوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ تاریخ و عشق دونوں سے زیادتی ہے۔ سعودی حکومت

قرنِ اول کی حکومت نہیں۔ آج کی بادشاہت ہے۔ بادشاہت منشارِ نبی نہیں، قیصر و کسریٰ کی یادگار ہے کہ ہم نے اپنے لیے اسے مشرف بہ اسلام کر لیا ہے۔

سہیل کو اصرار تھا کہ یہ "بے حرمتی" شرک کی خرابیوں کا ردِ عمل ہے، لوگوں نے ان جگہوں کو معابد بنا لیا اور معبودِ حقیقی سے ہٹتے جا رہے تھے۔ ان کے لیے بیت اللہ سے زیادہ بیعت رضوان کا درخت عزیز تھا کہ جس کے ہاں بچہ نہیں ہوتا، وہ عورتیں اس سے لپٹ کر دعا مانگتی تھیں۔

میں نے سہیل سے کہا یہ کہانی صحیح بھی ہو، تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیزیں مٹا دی جائیں، جو بہر حال تاریخ کی یادگار ہیں۔

آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی تو آثار ہیں؟ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں، مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے جمرۃ العقبیٰ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں جو رسمیں وہاں ادا کی جاتی ہیں، وہ مظاہر ہیں —— انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا، تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملت تیار کی بہ قول اقبال دین اللہ کی طرف سے آتا ہے اور ملت پیغمبر بناتے ہیں۔ اس عالیشان پیغمبر کا مولد و مسکن، اس کی دعوت کے مراکز منازل اور نزول وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کیے جائیں۔ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟ یہ سب یادگاریں انسانوں کی ہیں، جو تاریخ کے دھارے کو ابد الآباد تک موڑ کے زندہ جاوید ہو گئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک زندہ رہے گا۔ جن کے لیے تمام عزتیں ہیں، جو حضور کے اہل بیت تھے وجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ ان کے آثار محفوظ نہ رہیں، تو پھر کون سی چیز محفوظ کی جائے گی۔ سعودی حکومت نے شرک (سعودی حکومت کا خود ساختہ، قادری) کو منہدم کیا، لیکن ساتھ ہی عشق کو بھی مسمار کر دیا ہے، وہ شرک اور عشق میں امتیاز نہ کر سکی، حالانکہ یہ چیزیں عقیدہ نہیں،

تاریخ رہیں۔ جس قوم نے سب سے پہلے دنیا کو تاریخ دی اور جس کے ماخذ کلام اللہ نے محفوظ کیے ہیں، وہ قوم آج اپنی تاریخ مٹانے پر تلی ہو، تو یہ ایک المیہ ہے۔ ان آثار کی تعظیم دین کا مسئلہ نہیں۔ بلاشبہ توحید باری ان پرستشوں (اگر یہ پرستش ہو تو؟ قادری) کی اجازت نہیں دیتی، لیکن یہ مسئلہ تہذیب کا ہے۔

اسلام کی اس سرزمین پر آل سعود کی حکمرانی ضروری ہے اور اس کا نظم و نسق بھی اسی کے حوالہ ہے، لیکن یہ علاقہ آل سعود کی میراث نہیں، بلکہ ملت عربی بھی کہنا اس کی وارث نہیں۔ یہ سرزمین خصوصاً مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کی سرزمین جہاں جہاں رسول اللہ آتے جاتے رہے —— بلکہ پورا عرب دنیائے اسلام کا ضامن ہے۔ تمام مسلمان حکومتوں کو مذہباً اس کی تولیت حاصل ہے۔ آل سعود تو اس کی متولی ہے۔

سہیل کو میرے جذباتی ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس کے باوجود میں نے اسے قائل کر لیا کہ یہ چیزیں اس بے رحمی کی سزاوار نہیں، یہ تاریخ کے اجزاء ہیں اور انہیں اس لحاظ سے باقی رہنا چاہیے کہ علم کے چار ذریعے ہیں۔ پہلا وحی، دوسرا آثار قدیمہ جس کی بنیاد قرآن حکیم نے سیروا فی الارض پر رکھی اور تاریخ کو ایام اللہ کے ذکر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ تیسرا ذریعہ علم النفس اور چوتھا صحیفۂ فطرت ہے۔ سیروا فی الارض کی غایت کیا ہے؟ آثار قدیمہ کا مطالعہ یہی چیزیں ہیں، جو تاریخی عصبیت کو زندہ رکھتی اور عقیدہ میں عقیدت پیدا کرتی ہیں۔ [1]

جنت المعلی

جنت المعلی کے بارے میں لکھتے ہیں!

جنت المعلی مکہ معظمہ کا قدیم ترین، لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے۔ منٰی کے راستے پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے یہاں سے ایک چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔ جس سے قبرستان کے دو حصہ ہو گئے ہیں گردا گرد

---

[1] شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۷۱ - ۶۸

ایک پختہ چہار دیواری ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں سب نشان ڈھا دیئے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں۔ چراغ نہ پھول، کسی کسی قبر پر نشاندہی کے لیے کنکریاں پڑی ہیں۔ عجب ویرانہ ہے۔ جس حصہ میں حضرت اسماء، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ابن جبیر اور سعید بن مسیب (کشتگاں حجاج بن یوسف) کی قبریں ہیں، وہاں اندر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے، لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں نئی میتوں کے لیے ہے اور جس حصہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ان کے افراد خاندان آرام فرما رہے ہیں یا حضور کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا[1]، حضور کے لخت جگر قاسم اور حضور کے چچا ابوطالب مدفون ہیں، وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں، مٹی کی ڈھیریاں ہو گئی ہیں۔ کسی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں۔ دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے، پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہو گا ——

میں اور سہیل ایک پہاڑی پر چڑھ گئے، وہاں سے حضرت خدیجہ کی قبر پر نگاہ کی، ام المومنین کا مزار ——؟ میں کانپ اٹھا میرا دل دھک دھک کرنے لگا مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے، لیکن جس عورت کو پیغمبر آخر الزماں کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو فاطمۃ الزہرا کی ماں تھیں، وہ ایک قبر ویران میں پڑی ہیں۔ میں اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا۔ آنکھوں میں بدلیاں آ گئیں۔ میں نے کہا سہیل! اعرابوں کا مزاج ہی ان کے لیے سزا ہے۔ کیا خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی نہیں گزار رہیں۔ حضور کو بعثت سے پہلے گیارہ سال ستایا گیا۔ ام المومنین کو اب ستایا جا رہا ہے —— حضور مدینہ میں ہیں؟ ام المومنین مکہ میں! اس عورت —— عظیم عورت کا انسانیت پر کتنا بڑا احسان ہے؟ سب سے پہلی آواز جس نے نبوت کی بشارت پر صاد کیا۔ اپنی جسارت پر مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ کیا، میں ہل گیا ایک کپکپی طاری ہو گئی

[1] حضور کی والدہ کا مزار مقام ابواء میں ہے جو مدینہ طیبہ سے ایک سو بیس کلو میٹر مکہ شریف کی سمت واقع ہے

مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے ؎

جو لوگ اس کا نام قرآن و سنت رکھتے ہیں وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے ہیں؟ اونچے اونچے محل بناتے، محمد عربی کی دولت سمیٹتے اور اس کو نام خزانہ شاہی رکھتے ہیں۔ جس ذات اقدس کے صدقہ میں عزتیں پائیں ہیں۔ اس کے آثار اقدس کی یہ بے حرمتی! یہ قرآن و سنت نہیں اہانت اور صریح اہانت ہے۔ اللہ کی زمینیں اور دفینے سب اللہ کا مال ہیں۔ اس کی مخلوق کا مال ہیں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو گر جانے خود چرو ہا بن بیٹھے۔ گوشت کھائے کھالیں نوچ ڈالے۔ موت کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں۔ موت ان سے بھی متعاقب ہے، لیکن جنت معلی میں وہ لوگ سو رہے ہیں، جو ہمیں زندہ کر گئے۔ ہمیں بقا دے گئے، جو منہ پھیر کے شاہوں پر نگاہ کرتے، تو ان کی گودڑیوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتے تھے۔ سعودی حکومت عشق اور شرک میں فرق نہ کر سکی ہے ـــــ رحمت ان قبروں میں ہونے والوں پر، اور عبرت ہمارے لیئے!

کتنی عظیم زندگیاں ان قبروں میں سو رہی ہیں۔ ؎۱

وادی بدر پر تبصرہ کرتے ہیں:

وادی بدر ملک عباس نے کہا وہ سامنے ہے وادی بدر اور موٹر دو منٹ بعد ایک بڑے چائے خانے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ تالہ کے بغیر سب کچھ بند پڑا تھا۔ ایک سناٹا، ٹھیاں تھیں اور مخروطی لوٹے، وضو کیا نفل پڑھے شہدائے بدر کی قبروں پر گئے، وہی عالم اور حالت جو حجاز میں قبروں کی ہے، نشان نہ کتبہ قبریں بھی کیا مٹی کی ڈھیریاں ہیں۔ سورہ انفال کی ۵، ۷ آیتیں فضا کا احاطہ کیے ہوئے ہیں کہ یہاں وہ سو رہے ہیں جو ان آیتوں کے بین السطور میں ہیں، جو کل تین سو تیرہ تھے اور

؎۱ شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۷۲ - ۷۱

جن میں یہاں ہونے والے چودہ ہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ جنہیں شہادت نے سر بلند کیا اور جن کی مدد کو اللہ نے فرشتے بھیجے تھے۔ یہ وہ جنگ ہے، جس کے احوال کا ذخیرہ کلام اللہ میں محفوظ ہو گیا ہے، یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کی بے سر و سامانی پر حضور نے اپنے اللہ سے کہا تھا۔

اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، آج پورا کر

پھر سجدہ میں گر کر عرش الٰہی سے ہم کلام ہوتے تھے۔

خدایا! اگر یہ چند لوگ آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں رہیگا۔

اللہ نے کہا:-

فوج (قریش) کو شکست دی جائے گی، وہ پشت پھیر دیں گے (قمر ۲)

وہی ہوا جو اللہ کے رسول نے چاہا اور اللہ نے پورا کیا۔

اس ویرانہ میں اب بھی حضرت سعد بن عبادہ کی آواز گونج رہی ہے، خدا کی قسم آپ فرمادیں، تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔

حضرت مقداد اعلان کر رہے ہیں:-

"ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم آپ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔"

تین سو تیرہ نے، جن میں صرف دو گھڑ سوار تھے۔ قریش کی ایک ہزار فوج کو جس میں ایک سو سوار تھے، تین تیرہ کر دیا۔ قریش کے نامور سردار میں ننانوے فیصد لقمہ اجل ہو گئے۔ ابوجہل، معوذ اور معاذ دو نو عمر بھائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عبداللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹ کے حضور کے قدموں میں ڈال دیا۔ عتبہ جو وہ سردار مکہ میں پہلے نمبر پر قریش کے لشکر کا سالار تھا۔ حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ سب کچھ اس جنگ ہی کی فتوحات تھیں اور وہ شہدا جنہیں حضور نے خود دفنا دیا تھا۔ ان کی قبریں آج 'داستان سنت"

نے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں۔ تاریخ کے وہ عظیم آثار محو ہوتے جا رہے ہیں، جنہیں عقبہ و ابوجہل نہ مٹا سکے، انہیں ہم اپنے ہاتھوں محو کر رہے ہیں

میں جھنجلا گیا یہ قرآن و سنت نہیں، یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاریں مٹائی جائیں اور اپنی یادگاریں کھڑی کی جائیں کیا عرب اس اہانت اور بغاوت کی سزا نہیں پا رہے؟ عربوں کو شرفِ انسانی کن سے حاصل ہوا۔ ان کی بدولت؟

آج یہی منبع مٹائے جا رہے ہیں۔ سورہ انفال کے مہبط سے یہ سلوک عشق و ایثار کی توہین ہے۔ کیا قرآن و سنت کے داعی جو احادیث پر زندگی بسر کرتے ہیں بھول گئے ہیں کہ رسول اللہ نے جبرائیل امین سے کہا تھا کہ اہل بدر سب مسلمانوں میں افضل ہیں۔ اس پر جبرائیل امین نے کہا تھا جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔ (صحیح بخاری)

ادھر حضرت زبیر نے برچھی سے ابوکرش کا صفایا کر دیا۔ رسول اللہ نے وہ برچھی لے لی چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر عبداللہ بن زبیر کے پاس آئی۔ آخر اس برچھی میں کیا خصوصیت تھی؟ کیا اس کے لیے قرآن میں کوئی حکم آیا تھا؟ لیکن یادگار تھی منتقل ہوتی گئی، آخر ان بادشاہوں نے جو امیہ کے خاندان میں سے تھے اور یادگاروں کی طرح اسے بھی گم کر دیا۔ ؎۱

جنت البقیع

جنت البقیع کے بارے میں لکھتے ہیں!

جنت البقیع کوئی آٹھ ایکڑ رقبہ میں ہوگا۔ چاروں طرف چار، ساڑھے چار فٹ کی فصیل ہے۔ ایک ہی دروازہ اس دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا رہتا ہے۔ کئی لوگ باہر زائروں کے انتظار میں رہتے ہیں اور کوئی معاوضہ طے کیے بغیر وہ ڈھیریوں کی نشاندہی کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کون سی قبر کس وجود

؎۱ شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۲۷-۱۲۳ ملخصاً

مبارک کی ہے؟ یہاں کوئی پھول والا نہیں، کوئی دوشیزہ نہیں، شمع و گل ناپید ہیں۔ جنت المعلیٰ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ وہاں کچھ بے اعتنائی زیادہ ہے، لیکن جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور ان گنت شہدائے اسلام صلحائے امت اور اکابرین دین کے سفر آخرت کی منزل ہے۔ ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے۔ دامن یزداں چاک کرنے کا حوصلہ نہیں۔ کلاہ سلطانی تک رسائی نہیں، اپنا گریبان چاک کرنے سے فائدہ نہیں۔ عمر فاروق نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

"عرب والے سرکش اونٹ ہیں، جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑونگا"

جنت البقیع میں کوئی عرب نہیں آتا۔ اصل عرب قبروں میں سو رہے ہیں اور وہی صحیح عرب تھے، جن کے لیے قرآن اترا تھا۔ اب وہاں ہم سے عجمی جاتے ہیں اور ایک ایسے منظر سے واسطہ پڑتا ہے کہ دل بکھر جاتا ہے۔ ان عربوں کا طرہ کیا ہے۔ یہی کہ ان کے خطہ میں کعبۃ اللہ اور مدینۃ النبی واقع ہیں۔ ان کے دامن میں جبل نور، جبل رحمت جبل صفا، اور جبل احد ہیں۔ ان کے راستے رسول اللہ کے قدموں سے مستفید ہیں۔ ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خطاب کیا ہے آخری نبی ان میں سے مبعوث فرمایا نوے فیصد تاریخ اسلام ان کی آغوش میں استراحت کر رہی ہے، لیکن ان یادگاروں کے محفوظ کرنے سے انہیں شرع روکتی ہے، مگر ان کے اپنے وجود لفظی و معنوی مادری ہے انہیں ذرا برابر احساس نہیں کہ اسی مٹی میں کون سو رہے ہیں، رسول مقبول کے لخت ہائے جگر ہیں۔ ان کی نور نظر اور اس نور نظر کے چشم و چراغ ہیں، چچا ہیں، چچا کے بیٹے ہیں، امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، اولیا ہیں، فقہاء ہیں، علماء ہیں، حکماء ہیں، حلیمہ سعدیہ ہیں، لیکن عرب ہیں کہ قبریں ڈھاتے اور محل بناتے جا رہے ہیں۔ مجھ پر کیکپی

غسل   نجدی وہابی   لیش نصوری:

طاری ہو گئی۔ بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا۔ دل یوں ہو گیا، جس طرح کنوئیں میں خالی ڈول تھرّاتا ہے۔

داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کے ایک کونے میں حضور کی پھوپھیاں ہیں، عاتکہ صفیہ اور فاطمہ کے مزار ہیں۔ آگے بڑھیں، تو نو امہات المؤمنین محو خواب ہیں عائشہ، سودہ، زینب، حفصہ، ام المساکین، ام سلیمہ، جویرہ، ام حبیبہ اور صفیہ ان کے ساتھ کی روش پر حضرت عقیل، حضرت جعفر طیار، امام مالک اور امام نافع آسودہ خاک ہیں۔ ان کے ایک طرف شہداء کے مزارات کا ٹکڑا ہے۔ سامنے حضور کے فرزند ابراہیم کی لحد ہے، ادھر اُدھر عبدالرحمٰن بن عوف، رقیہ بنت عثمان مظعون، سعد بن ابی وقاص، فاطمہ بنت اسد، عبداللہ بن عمر، مالک انصاری، اسماعیل بن جعفر صادق کے مدفنوں کی ڈھیریاں ہیں۔ آخری نکڑ پر حضرت عثمان کا مزار ہے۔ اس مزار سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ حلیمہ سعدیہ کی قبر ہے۔ یہی ایک قبر ہے جو اس قبرستان میں درخت کے سائے تلے ہے۔ باقی پورے قبرستان میں کوئی درخت، پودا یا کیاری نہیں ہے۔

امہات المومنین کے مزارات سے دس بارہ گز آگے ایک غیر کشیدہ مثلث ٹکڑے میں جو زیادہ سے زیادہ ۲ × ۵ گز کی ہو گی۔ چھ ڈھیریاں ہیں۔ ان پر کوئی نشان نہیں قبروں کی شکل ہے۔ سنگریزوں کا حاشیہ، سینہ پر کنکریاں، دائیں طرف بنت رسول پڑی ہیں۔ سامنے رسول اللہ کے چچا حضرت عباس ہیں۔ حضرت عباس کے جسد مبارک کی داہنی طرف امام حسن، امام زین العابدین، امام باقر اور امام جعفر صادق لیٹے ہیں یہ ساری جگہ مسجد نبوی میں واقع حضرت فاطمہ کے حجرے سے بھی چھوٹی ہے۔ اس کربلا میں چھپا نگران ہیں۔ بچے ماں کی گود میں ہیں اور جو کربلا میں رہ گئے تھے ان کی جدائی کا حزن ماں کی قبر سے محسوس ہو رہا ہے۔ شوہر نجف اشرف میں اور باپ وہ سامنے گنبد میں چند مکان حائل ہیں۔ دنیا والوں نے مرنے کے بعد بھی دیواریں کھینچ دی ہیں گنبد خضریٰ

کہ اس رُخ سے دیکھیے سوگوار معلوم ہوتا ہے اور اس ویرانی کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے
اس کے ہونٹوں پر جنبش سی ہے۔

گوش نزدیک لبم آرم کہ آوازے ہست

"فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی۔"

(ارشاد نبوی)

بنت رسول کے سامنے میں کوئی گھنٹہ بھر ساکت وصامت کھڑا رہا، جیسے کوئی چیز گڑ گئی ہو اور اس میں زندگی کے آثار مطلقاً نہ رہے ہوں، ملک عباس دیر تک دعائیں مانگتے رہے، لیکن میں تھا کہ "بے دست وپا" کھڑا تھا۔ جب محویت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہوش رہے نہ حواس، جیسے کوئی آہ نارسا منجمد ہو چکی ہے یا آنسوؤں کی طغیانی رک گئی ہے، تو عباس ملک نے مجھے گم سم پاکر کہا:

آغا صاحب فاتحہ پڑھیے۔

میں پوری طرح ہل چکا تھا۔ عباس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ آغا صاحب؟ اور میں النقش کالحجر کی طرح تھا۔ انہوں نے جھنجوڑا ——— فاتحہ پڑھیے۔ میں نے کہا ملک صاحب فاتحہ کس لیے کیا انہیں ہمارے ہاتھوں کی احتیاج ہے۔ ہم کیا اور ہماری دعائے مغفرت کیا؟ ہم تو خود ان کے محتاج ہیں۔ ہماری مغفرتیں ان کی بدولت ہوگئیں۔ ملک صاحب حیران رہ گئے ——— میں نے قبر سے ٹکٹکی باندھ رکھی تھی۔ میں کہہ رہا تھا۔ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) تو اب بھی کربلا میں ہے۔ تیرے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے تجھے اب تک ستایا ہے۔ تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے، تو نے کعبۃ اللہ میں باپ کے زخم دھوئے تھے، کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھائے، کوفہ میں تیرا شوہر امت کے زخم کھا کے واصل بحق ہوگیا۔ تیرے ابا کی امت نے تیری اولاد کو ہمیشہ ستایا ہے۔ آج چودہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں۔ تیری اولاد قبروں میں بھی ستائی جا رہی ہے۔ پورا

عرب تیری اولاد کی قتل گاہ ہے ــــــــ فاطمہ تیرے ابا نے کہا تھا۔

فاطمہ! میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا، وہ تو ہوگی تو ان کے پاس چلی گئی۔ محمد کا گھرانہ اب بھی کربلا میں پڑا ہے، جو لشکر و سپاہ اور تاج و کلاہ کی تلواروں سے بچ رہے تھے۔ ان کی قبریں قتل کر دی گئیں۔ اپنی قبر کے قتل پر مجھے رونے دے، تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ ہوں۔ مجھے اپنی زندگی ایک فعل عبث محسوس ہو رہی ہے۔ تیرے مرقد کے ذرے تمام کائنات کے مروارید سے افضل ہیں، ان میں مہر و ماہ سے بڑھ کر درخشانی ہے، لیکن زمانے نے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشۂ دل غیرت و حمیت سے خالی ہو گیا۔؟

میں لوٹ آیا رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند اڑ چکی تھی اور میں یہی سوچ رہا تھا کہ عربوں کے پاس زبان کی نخوت کے سوا کچھ نہیں رہا، ماضی کا گھمنڈ رہ گیا ہے، لیکن وہ شرف قطعاً نہیں رہا جو ان کے ماضی کی سب سے بڑی میراث ہے۔

آج صبح فاطمہ کے مزار پر گم سم کھڑا سن رہا تھا۔ ام المومنین کہہ رہی ہیں، اے اہل عرب حیا کرو، میری نورِ چشم کے مرقد سے یہ سلوک کر رہے ہو۔ اس کے باپ نے تمہیں شرف بخشا اور خیر الامم بنایا تھا۔

حضرت سودہ آئینہ حجاب کے جلو میں تھیں۔ حضرت عائشہ کا حجرہ حضور کا مدفن مبارک ہے۔ عائشہ ہی کے سینہ پر سر رکھ کر حضور نے وفات پائی تھی انہی کی بدولت خدا نے تیمم کا حکم صادر کیا۔ حضور کے مرض الموت میں مسواک چبا کر انہی نے دیا تھا۔ ان کا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان تھا اور غار حرا میں دو کا، دوسرا جو صدیق کے لقب سے ملقب ہوا جو خلافت الٰہی کا پہلا فرمان روا تھا۔ آج جنت البقیع میں اس کی بیٹی، حضور کی بیوی اور ہماری ماں ایک بے نام و نشان قبر میں استراحت پذیر ہیں۔ حضرت حفصہ صائم النہار قائم اللیل تھیں۔ حضرت عمر کی بیٹی اور رسول کی ان بیوی کا مزار بھی اس تیرہ بختی و سنگدلی کا شکار

ہے۔حضرت زینب ام المساکین کی لحد اپنی کنیت کا عکس ہے۔حضرت ام سلمہ کا بچھونا حضور کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا۔ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی، تو ان ہی کے حجرہ میں وحی اتری تھی۔غزوہ خیبر میں شریک تھیں۔حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھیں۔حجۃ الوداع میں ہمراہ رہیں۔حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد خواب دیکھا کہ رسول اللہ نہایت پریشان ہیں۔سر اور ریش گرد میں اٹے ہوئے ہیں۔پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے۔ارشاد ہوا مقتل حسین سے آرہا ہوں۔اہل عراق نے حسین کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے، حسین کو ایذا دی، خدا ان پر لعنت کرے۔

ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔انہی خستہ حال قبر دل میں ایک قبر ان کی بھی ہے۔حضرت زینب بنت جحش اپنے دست قبا زمے سے معاش پیدا کرتیں اور فقرا و مساکین میں لٹا دیتی تھیں۔حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔جنت البقیع کے ویرانے میں وہ بھی سو رہی ہیں، حضرت جویریہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی اور میر امم کے حرم کا چراغ تھیں۔ان کی آخری آرام گاہ کا چراغ بھی اسی ویرانہ میں ہے۔حضرت ام حبیبہ امیر معاویہ کی بہن تھیں۔ان کے باپ ابوسفیان فتح مکہ سے پہلے ان کے گھر میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہا۔آپ نے بچھونا الٹ دیا۔باپ نے بگڑ کر کہا! بچھونا اس قدر عزیز ہے۔فرمایا! رسول اللہ کے فرش پر کوئی مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔روایت ہے کہ مدینہ میں حضرت علی کے مکان میں آپ کی قبر تھی، لیکن علی کا مکان نہ رہا یہ قبر کہاں رہتی؟ رہے نام اللہ کا۔

حضرت میمونہ کا انتقال سرف میں ہوا حضرت ابن عباس نے جنازہ پڑھایا، جنازہ اٹھا، تو حضرت ابن عباس بولے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا جنازہ ہے۔

با ادب اور آہستہ چلو حضرت صفیہ عاقل افضل اور حلیم تھیں (اسد الغابہ) وہ غزوہ خیبر میں گرفتار ہوکر آئیں تھیں۔سرور دو عالم کے حرم میں داخل ہوگئیں۔ایک دن آبدیدہ

تھیں۔ حضور تشریف لائے سبب پوچھا فرمایا کہ حفصہ و عائشہ کہتی ہیں کہ ہم ازواج میں افضل ہیں ہم آپ کی زوجہ ہونے کے علاوہ چچا زاد بھی ہیں۔ حضور نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ موسیٰ ہارون میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں۔

جنت البقیع ان گیارہ میں سے نو کی آخری آرام گاہ ہے، لیکن حکمرانوں کی شرعی خشونت کا شکار، رسول اللہ کے اہل بیت رسول کی اولادیں، رسول کے ساتھی، رسول کے جانثار، رسول کے جانشین، رسول کے فدائی حتیٰ کہ رسول کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہ یہاں اس طرح لیٹی ہوئی ہیں، جس طرح گمنام ادیبوں کے ادھورے مسوّدوں پر عبارتیں قلم کی کثرت سے دم توڑ دیتی ہیں۔ ؎[1]

احد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

دامن احد اسی احد کے دامن میں زمین سے دو زینہ بلند اور پہاڑ سے ڈھیروں نیچے حضرت امیر حمزہ، عبداللہ بن جحش اور مصعب بن عمیر کی قبریں ہیں، لیکن آل سعود کی شرعی یلغار نے ہموار کر دی ہیں۔ یہیں ہندہ نے حضرت امیر حمزہ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبایا اور مثلہ کیا تھا۔ انہی شہداء کے فراق میں مدینہ اشکبار تھا ہر گھر سے چیخیں آ رہی تھیں۔ انہیں چیخوں پر حضور نے کہا تھا:۔

آہ حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں!

ہندہ نے تو حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، لیکن انہوں نے حمزہ کی قبر چبا ڈالی ہے۔ مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش دفن ضرور ہیں، لیکن وہ قبریں نہیں ان کا سایہ ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ یہاں امیر حمزہ دفن ہیں یہ عبداللہ بن جحش یا مصعب بن عمیر کی قبریں ہیں اور اکثر شہداء اسی مٹی میں سو رہے ہیں۔ ہم ان کے حافظہ پر اعتماد کرتے اور سر جھکاتے ہیں کہ احد کا یہ میدانی ٹکڑا انہی صحابہ میں سے بیشتر کی خواب گاہ ہے۔

؎[1] شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۶۹ - ۱۶۱ ملخصاً

حضورؐ نے فرمایا تھا احد پر آؤ تو اس کے درخت سے خواہ وہ درخت خاردار ہی کیوں نہ ہو، کچھ ضرور کھاؤ لیکن احد اسی طرح نگرِ سلطانی کے اغماض کا شکار رہے۔ جس طرح اور آثار ہیں، کوئی نشان یا کتبہ نہیں اور یہ تو پورے حجاز میں ہے۔ جہاں تہاں سے اسلام اٹھا اور پھیلا، وہ جگہیں خود بولتی ہیں کہ ہم فلاں ہیں —— حالانکہ اس وادی کے چپہ چپہ کی نشان دہی ہونی چاہیے کیا انہیں قائم رکھنے یا قائم کرنے سے دوسری عبادت گاہ بن جائے گی؟ یہ کوئی عذر نہیں، بلکہ عذرِ لنگ ہے۔ عربوں کو جس تاریخ پر ناز ہے، بلکہ جس تاریخ نے انہیں شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ اور حرمِ نبوی ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزواتِ نبی نے دوام بخشا اور کفار مکہ ڈھیر ہو گئے۔ تاریخ کے یہ پڑاؤ اس طرح نہیں رہنے چاہئیں کہ علم کے اس زمانہ میں مٹ جائیں۔ آخر عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں، وہاں کیا نہیں کرتے اور کیا نہیں لاتے کیا وہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے شاہوں کی قتل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں۔ روما نے وہ تماشا گاہ محفوظ کر لی ہے، جہاں شاہانِ روم وحشت کے دور میں درندوں سے انسان کی چیر پھاڑ کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ برلن میں روس نے اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں۔ انگلستان قدامت کا گھر ہے، وہ اپنے شاہوں کی پرانی یادگاریں سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ شاہ کا محل اور وزیرِ اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اس کی پرانی تاریخ ہے، جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے کیا یہ چیزیں عبادت گاہیں بن گئی ہیں؟ جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک معقل و معتوب ہیں اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا، تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب و ہوا میں ہوتی ہے۔ ان آثارِ قدیمہ کو عبادت گاہ بنا لیں گے؟ جہاں بیت اللہ اور گنبدِ خضریٰ ہوں۔ وہاں اور کونسی جگہ جبینِ نیاز کی سجدہ گاہ ہو سکتی ہے۔ لوگوں کی کج روی اور گمراہی کا علاج یہ نہیں کہ وہ چیزیں اس لیے مٹا دی جائیں کہ عوام الناس بہ الفاظِ شریعت شرک کرتے ہیں، کسی نے انگور اور کھجور کو مٹ یا ہے

کہ لوگ اس سے شراب کشید کرتے ہیں۔

جدہ کو جدید اور ریاض کو جنت بنانے والے مکہ میں آکر آستین چڑھا لیتے ہیں اور مدینہ میں جاکر پانچے اونچے کر لیتے ہیں، انہیں اپنے نفس میں نواہی محسوس نہیں ہوتے۔ ا

جبل سلع کے بارے میں لکھتے ہیں!

جبل سلع مسجد فتح یا احزاب جبل سلع کے غربی کنارہ پر ہے ——— اس کے گرداگرد سلمان فارسی نے غزوہ احزاب میں خندق کھودی تھی۔ یہاں حضور کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی نے خیمہ نصب کیے تھے۔ یہاں ان کے اور فاطمۃ الزہراء و سلمان فارسی کے نام پر مساجد بنی ہوئی ہیں۔ یہ مسجدیں بھی شاہی سطوت اور شرعی خشونت کے نرغہ میں ہیں۔ قریب امریکی طرز کا شاہی محل ہے۔ محل میں بہت بڑا باغیچہ ہے، لیکن وہاں شرع مفرور ہو گئی ہے۔ ۲

مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں!

مدینہ مدینہ میں نئی چیزیں صرف ہوٹل ہیں، حرم کے چاروں طرف یورپی مصنوعات کی لدی پھندی دکانیں ہیں، زرمبادلہ کے بیوپاری ہیں، بیروت کے رسائل وجرائد ہیں، بال کتائی کے سیلون ہیں، اونٹ غائب ہو چکے اور سیارے اڑتے پھر رہے ہیں۔ ۳

رخصت ہونے سے پہلے میں نے روضہ اقدس کے گرد کئی پھیرے

الوداع ڈالے ایک ستون پر کھڑا ہوا، اصحاب صفہ کے چبوترے پر قرن اول کو تلاش کیا، حضرت فاطمہ کے حجرہ پر تہجد کی نمازوں کو محسوس کیا، جو سرور کائنات ہر

۱۔ شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۷۷ - ۱۷۵ ملخصاً

۲۔ 〃 〃 〃 ۱۷۹

۳۔ 〃 〃 〃 ۱۸۰

رات یہاں ادا فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا۔ ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔ ۱

---

۱ شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۲۰۵

فاطمۃ الزہرا کے مزار پر

جنت البقیع میں مزارات کی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ ہے۔ پہلو میں فلک بوس عمارات کھڑی کی جا رہی ہیں اور بہت سی قد آور عمارتیں کھڑی ہو چکی ہیں۔ جس پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر پکا مکان نہ بنایا، اس کے نام لیوا بنگلوں اور محلوں میں رہ رہے ہیں، لیکن جنت البقیع ہی ایک ایسی جگہ ہے، جہاں قبروں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "ہدایت" پر یاران نجد نے عبرت کے نوشتے بنا رکھا ہے، گویا اسلاف کی قبروں پر "سنت نبوی" نافذ ہے، لیکن خود زندہ قبریں سنگ مرمر کے محلوں میں رہ رہی ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار اقدس پر میرے اشکبار دل کی، جو حالت ہوئی عرض کرنا مشکل ہے، ایک ویرانہ میں ماں پڑی سوتی ہیں۔ ذرا ہٹ کے امام حسن، امام زین العابدین، امام جعفر صادق اور امام باقر آرام کر رہے ہیں۔ ان کی جڑواں قبروں کے رُو برُو حضور کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی قبر ہے ——— ذیل کے اشعار اسی حاضری کی یادگار ہیں ——— شورش کاشمیری

اس سانحے سے گنبدِ خضریٰ ہے پُر ملال
لختِ دلِ رسول کی تربت ہے خستہ حال

دل میں کھٹک گیا کہ نظر میں سمٹ گیا
اس جنت البقیع کی تعظیم کا خیال

طیبہ میں بھی ہے آلِ پیمبر پہ ابتلا
اس ابتلا سے خاطر کونین ہے نڈھال

سوتے ہیں ماں کی لحد ہی کے آس پاس
پور خلیل، سبط پیمبر، علی کے لال

اٹھتی ہے ہُول مرقدِ آلِ رسول پر
ہوتا ہے دیکھتے ہی طبیعت کو اختلال

افتادگانِ خواب ہیں آلِ ابو تراب — اب تک وہی ہے گردشِ دوراں کی چال ڈھال؟
فرشی روا ہے؟ پیمبر کے دین میں — لیکن حرام شے ہے؟ مقابر کی دیکھ بھال
اسلام اپنے مولد و منشا میں اجنبی — تیرِ غضب کہاں ہے! خداوندِ ذوالجلال
توندیں بڑھی ہوئی ہیں غریبوں کے خون سے — محلوں کی آب و تاب ہے، احکام پر حلال
جس کی نگاہ میں بنتِ نبی کی حیا نہ ہو — اُس شخص کا نوشتۂ تقدیر ہے زوال
پھٹتی ہے پو تو صبح بھی ہوتی ہے بالضرور — پھرتے ہیں روز و شب، تو پلٹتے ہیں ماہ و سال
کب تک رہے گی آلِ پیمبر لُٹی پٹی — کب تک رہیں گے جعفر و باقر شکستہ حال
ازبسکہ ہوں غلامِ غلامانِ اہلِ بیت — ہر لحظہ ان کی ذات پہ قربان جان و مال

کیا یُوں ہی خاک اُڑے گی مزاراتِ اقدس پر!
فیصل کی سلطنت سے ہے شورش مرا سوال

(مطبوعہ ہفت روزہ چٹان لاہور، بابت ۹ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء)

N.B.B